کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ اور جونہی لاش رکھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا گیا۔ پھر ایک بجلی چمکی۔ ایک کڑک ہوئی۔ لوگوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابھی تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا۔ کالی گھٹا سے معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر اترنے والی ہے۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر ادھر ہٹتی نہ تھیں۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ درحقیقت آفرینندۂ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں۔ اور اُدھر آسمان سے ہزار ہا توپیں چھوٹنا شروع ہو گئیں۔ جن کی آواز میں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ فیر کے بعد جو بیانڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا۔ گویا بیانڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی۔"

میجر بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"سرنگاپٹم کے سر قاضی کو سلطان کی تجہیز و تکفین کا انتظام سپرد کیا گیا۔ شاہی پالکی کو جنازے کے لئے تیار کیا گیا۔ محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ شریک تھے۔ چار انگریزی کمپنیاں آگے آگے تھیں۔ اور شہزادہ عبدالخالق پیچھے گھوڑے پر سوار تھا۔ قاضی آیات قرآنی پڑھتا تھا۔ اور لوگ دھراتے تھے۔ جنازہ شہر کی گلیوں

میں سے گذرا۔ ہزارہا لوگ راستے میں کھڑے زور و شور سے آہ و زاری کرتے

تھے۔ اور بعض جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے۔

مسٹر عالم مع چند حیدر آبادی افسروں کے مقبرے کے پاس آکر ملا۔ جب

نماز جنازہ ختم ہو گئی تو لاش کو مقبرہ میں نواب حیدر علی کے بازو دفن کر دیا گیا

پانچ ہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کئے گئے۔ اس سانحہ کو دوبالا کرنے کیلئے ایک سخت

اور مہیب طوفان آیا۔ بارش، گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی

کیمپ پر بجلی گری۔ جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی

ہو گئے۔"

شہادت کے بعد

سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو اسی وقت سرنگاپٹم پر ٹوٹ پڑا۔

قریباً بارہ ہزار شہیدانِ وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کر چکے تھے۔ ادھر سلطان کی لاش

محل میں لائی گئی۔ اور ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہو گیا۔

قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے

مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ و پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد،

اور بھیانک بنائی ہوئی تھی۔ شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آرہا تھا اس سے انسانیت کی

روح بھی کانپ جاتی تھی۔ گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی،

مردوں اور بچوں کا قتل ایسے نظارے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات

اس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

میجر آلن جو اس جنگ میں شریک اور اس شب سرنگا پٹم میں موجود تھا۔ اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :-

"جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ آرام لینے کیلئے محل کے برآمدے میں لیٹ گیا ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کو لوگوں نے جگا دیا۔ اور کہا کہ شہر میں مختلف مقامات پر آگ لگ گئی ہے۔ اور ہر جگہ عام طور پر لوٹ ہو رہی ہے۔ ایک دو جگہ وہ اس کو روکنا چاہا۔ مگر کامیابی نہیں ہوی۔ قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنے پلٹنوں کو واپس نہیں گئے۔ اور باربرداری کیلئے جو لوگ باہر کیمپ میں تھے۔ وہ بھی شہر کے اندر آ گئے تھے۔ اور سب کے سب لوٹ میں مشغول تھے۔ کئی ایک لوگوں کو پیٹا جا رہا تھا۔ کہ اپنی چھپی ہوی دولت کا پتہ بتائیں۔ عورتیں مکانات چھوڑ گلیوں اور کوچوں میں کھڑی تھیں کہ اپنی عصمت کو بچا سکیں۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر سونے اور جواہرات کے ڈھیر لٹیروں کے ہاتھ میں تھے۔ بڑے بڑے سرداروں اور شرافوں کے گھر لوٹ کر بالکل خالی اور تباہ کر دئیے گئے۔ اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت رکھی ہوی تھی۔ پہرہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازے توڑ کر خزانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اور عجیب تربات یہ تھی کہ لوگ مال لٹ لوٹ کر اپنی جیبیں تو بھر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے!"

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۱۶)

اس انگریزی چشم دید واقعات کے بعد اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان واقعات کو لکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی۔

اس کا نتیجہ وہ سلطان کی شہادت کے چند گھنٹے بعد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک خدائی انتقام تھا جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ انکا مال وزر، ان کی عزت و وقار بلکہ انکی عورتوں کی ناموس تک غداری کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اس لئے

"صبح ہوتے ہی جب ان واقعات کی خبر جنرل ہارس کو پہونچی تو اس نے جنرل بیرڈ کے عوض کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کرتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ ڈال دیا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

لیکن شہر میں قتل و غارتگری کا بازار پھر بھی کم نہ ہوا۔ چار دن تک لوٹ ہوتی رہی۔ کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ آخر تنگ آکر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا۔

ملس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"سرنگاپٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم و ستم کیا گیا کہ اس کے آگے ٹیپو سلطان کے مفروضہ مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ ظلم و ستم کرنے والے سپاہی انگریز تھے۔ یہاں تک کہ کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو تحریر کیا کہ انگریزی حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیجدیں کہ میرے حکم کے تابع رہے۔ جب تک چند لوٹنے والوں کو پھانسی نہ دی جائے گی۔ اس وقت تک لوٹ کو روکنا محال ہے۔ اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور جنرل اسٹوارٹ شہر میں ہے۔ اسکی وجہ سے اور زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے۔ جب تک ہم موثر ذرائع اختیار نہ کریں گے۔ لوگ اپنے اپنے مکانات کو واپس نہ آئیں گے۔"

کرنل ولزلی نے انہیں واقعات کی خبر اپنے بھائی لارڈ ولزلی گورنر جنرل کو بھی دی۔ وہ لکھتا ہے :۔

" ۴ مے کی شب میں سرنگاپٹم پر جو مصیبت آئی۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل سے کوئی مکان ہوگا جو لوٹ سے بچا ہوا ہو۔ ہماری کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیا بالکل سستی قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ یا انہیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں۔ ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے۔ ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خرید کیا ہے۔ جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بازو بند میں ایک جو بہ نسبت دوسرے کے کم قیمت کا بتلایا جاتا ہے۔ اس کو حیدرآباد کے ایک جوہری نے تیس ۳۰ ہزار پونڈ کا بتلایا ہے۔ دوسرے بازو بند کے متعلق جوہری نے کہا ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس قدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود بھی ہمارے افسر اور سپاہی اس تمام املاک اور خزانے کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو محل سے دستیاب ہوا ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ :۔

" فوج کا ہر شخص بلکہ جنرل ہارس تک اس کیلئے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جس کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ بالکل قابو سے باہر ہو رہی ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کرنل ولزلی اپنے بھائی کو لکھتا ہے :۔

"مال غنیمت کی تقسیم کے لئے جو ایجنٹ مقرر کئے گئے ہیں وہ جونکوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ انہوں نے سلطان کے محل کے دروازے اور سلطان کے لباس اور کپڑوں کو تک فروخت کر دیا۔ اور ابھی ان کے پاس سلطان کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے۔ اور وہ پہنا کرتا تھا۔ اگر ان کے فروخت کی فوراً ممانعت نہ کی گئی تو مجھے خوف ہے کہ اس جگہ کے وہ مسلمان جو ہمارے قبضہ سے بیزار ہیں۔ ان کپڑوں کو بطور نشانی و تبرک خرید کر لیں گے۔ یہ ہمارے لئے ایک شرمناک بات ہو گی۔ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ گورنمنٹ خود ان ملبوسات کو خرید کر لے۔ اور انہیں شاہزادوں کے حوالے کر دے یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لائے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

پرائز کمیٹی یا ان لوگوں نے جو مال غنیمت تقسیم کرنے پر مامور تھے یہاں تک چیرہ دستی سے کام لیا کہ محل کے زنانہ حصہ کی بھی تلاشی لی کہ کہیں مال و زر یہاں بھی چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔ لارڈ ولزلی کو جب معلوم ہوا تو اس نے اسکے متعلق پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ :۔

"زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں۔ انہیں تلاشی سے پہلے ہی محل کے ایکدوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتا ہے :۔

"مال غنیمت کو تقسیم کرنے پر جو جماعت مامور تھی وہ محل کی دولت دیکھکر حیران و ششدر رہ گئی۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونا اور چاندی کی سلاخیں زیورات اور نہایت قیمتی و نایاب چیزیں محل کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔ زنانہ

حصہ کے سوا محل کی تمام عمارت اور دربار کا کمرہ ان چیزوں کو رکھنے کے لئے استعمال میں لایا گیا۔

جواہرات مقفل صندوقوں میں تھے جو محل کے اندر تاریک کمروں میں رکھے ہوئے پائے گئے۔ یہ جواہرات جن صندوقوں میں تھے۔ ان پر حیدر علی اور سلطان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اسی طرح سونے کے صلاخ اور زیورات جن کی خوبصورتی بیان میں نہیں آسکتی۔ ایک دوسری جگہ سربمہر صندوقوں میں رکھے ہوئے ملے۔ زیورات میں بازو بند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں۔ اوپر کے کمرے میں چاندی کی سلاخیں اور اس سے بنی ہوی چیزوں کے ذخیرے تھے۔ ایک جگہ دو ہودے تھے جو پورے کے پورے چاندی کے بنے ہوے تھے۔ بہت سے چاندی کے بڑے بڑے طبق تھے جن میں ہیرے اور دوسرے جواہر لگے ہوے تھے۔ ہتھیار ایک اور کمرے میں تھے۔ اس میں کئی بندوق اور تلواریں تھیں۔ جن میں سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے۔ ہاتھی دانت کے دروازے اور دوسرے کئی قیمتی بڑی بڑی اشیا بھی محل کے اندر پائی گئیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ نہایت قیمتی فرنیچر اور بے شمار بیش قیمت قالین بھی تھے۔

نہایت عمدہ ململ، ساٹن، ریشم، شال اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی گھٹریاں بندھے بندھائے رکھے تھے۔ جن کا اندازہ کیا گیا کہ پانچسو اونٹ انکے اٹھانے کیلئے درکار ہوں گے۔

مال غنیمت میں دوربینیں اور دوسرے شیشے ہر آنکھ کیلئے موزوں اور مختلف قدو قامت کے آئینے اور بے شمار تصاویر تھیں۔ اور اسقدر کانچ اور

چینی کے ظروف تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی سی بڑی دوکان ہے۔

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں نہایت قرینہ سے کتابیں رکھی گئی تھیں۔ بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے وجواہرت سے مرصع تھیں۔ ایک اور کمرے میں ایک نہایت ہی قیمتی ہودا اور تخت رکھا ہوا تھا۔

محل سے ملحق بیس۲۰ اناج کے مخزن اور سات۷ گودام تھے۔ جن میں۔ دھان، راگی، گرم مصالح وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ ایک گودام میں گیارہ سال آگے کے دھان رکھے ہوئے تھے۔ جو نہایت عمدہ حالت میں محفوظ تھے۔ قلعہ میں ایکہزار توپ، پانچ لاکھ گولیاں، بارہ ہزار گولے، اور ساٹھ ہزار بندوق رکھے ہوے تھے۔ ان توپوں میں ایکاون۵۱ توپ انگریزی ساخت کی تھیں۔ باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوی تھیں۔ ان کے متعلق جب تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے بالکل اعلےٰ درجہ کی ہیں۔

اس تمام مال غنیمت میں سے ٹیپو سلطان کی ایک تلوار تو جنرل بیرڈ کو بطور انعام دی گئی۔ اور دوسری لارڈ ولزلی کو، اس کے علاوہ لارڈ ولزلی کو ایک ہیروں کا جھومر اور تھوڑے زیورات تحفۃً بھیجے گئے۔ سلطان کی پگڑی اور ایک تلوار لارڈ کارنوالس کو بطور تحفہ بھیجے گئے۔ مال غنیمت میں جنرل ہارس کے حصہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار نوسو دو (۱۴۲۹۰۲) اشرفی آئے۔ جن کی قیمت موجودہ شرح تبادلہ سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔

آج مفلوک الحال ہندوستان کا تہی دست باشندہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس عروس البلاد دکن یعنی سرنگاپٹم میں کس قدر دولت جمع تھی۔ صرف سلطانی املاک

جو تقسیم کی گئیں۔ ان میں سے صرف جنرل ہارس کو اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ مل سکتے ہیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کس قدر کثیر ہو گی۔ جو دوسرے افسروں اور عام سپاہیوں میں تقسیم ہوئی۔ اور اس کے ساتھ اس کثیر دولت کا بھی تصوّر کیا جائے جو تقسیم سے پہلے ہی سلطانی محل کے علاوہ امراء، وزراء اور عام باشندگانِ شہر کے گھروں سے سپاہیوں نے ظلم و ستم کر کے لوٹ لیا تھا۔ اوپر کرنل ولزلی کا بیان دیا گیا ہے۔ اب ذیل میں مسٹر گرے کی تاریخ ہند سے میجر پرائس کا بیان دیا جاتا ہے۔ جو اس لوٹ میں شامل تھا۔ میجر پرائس لکھتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا؟

طلسمی دولت

سرنگاپٹم کے مشہور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد کمپنی نے فیصلہ کیا کہ جواہرات، روپیہ اور سامان (جس کی مجموعی قیمت پچیس لاکھ پونڈ تھی) کو موقع پر ہی تقسیم کر دیا جائے۔ جس افسر نے جس قدر خدمت کی ہے۔ اس کا لحاظ اور اندازہ لگا کر اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ دیدیا جائے۔ اس تقسیم کے لئے ایجنٹ مقرر کر دئے گئے۔

میجر پرائس لکھتا ہے کہ میں بھی انہی میں تھا۔ قلعہ کی دولت دیکھ کر آنکھیں پھر گئیں دیکھا نہیں جاتا تھا کہ ناقابلِ یقین دولت اور لاتعداد زر و جواہر قلعہ میں کہاں سے آ گئے؟ مختلف قسم کے پارچہ جات اور طرح طرح کی قیمتی اور نادر اشیاء، سونے چاندی کے ظروف اور جواہرات موتیوں کے بے مثل و لاجواب ذخیرے سامنے کھلے پڑے تھے۔ ہماری عقل حیران تھی۔ فردِ حساب بھی تیار نہ کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ

بیرونی دروازوں سے سپاہی اور توپ خانوں کے لوگ گھس آئے تھے اور کافی مال لیکر چمپت بنے تھے۔

شہر میں بھی ہر شخص نے (خواہ وہ ہندوستانی افسر تھا یا یوروپین) خوب لوٹ مار کی۔ بیسوں گھروں میں جاکر روپیہ چھین لیا۔ ڈاکٹر مٹن کو، ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے نہایت معمولی رقم میں پردہ اور کپڑے بیچے۔ جس میں اس قدر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ کہ انکی مجموعی قیمت کا اندازہ ایک ہندوستانی جوہری ۴۰ ہزار پونڈ لگایا تھا۔ بعض اور زیوروں کی قیمت کا اندازہ لگانے سے جوہری بھی قاصر تھے۔ اس سپاہی نے یہ کپڑے ایک گھر میں چرائے تھے۔ اور اپنی رجمنٹ کے ڈاکٹر کے ہاتھ نہایت معمولی رقم پر فروخت کر دئے تھے"!

تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام جواہرات اور زیورات کو میز پر پھیلا دیا گیا تھا۔ اور ڈھیریاں بنا دی گئی تھیں۔ پھر ہر ڈھیری کی قیمت ایک جوہری کے ذریعہ سے تخمینہ کرائی گئی۔ جس کے بعد یہ چیزیں افسروں کو تقسیم کر دی گئیں۔ سوائے لارڈ ہیرس کے جو کہ کمانڈر انچیف تھا، باقی سب افسر میزوں کے گرد بے تابی کے ساتھ جمع ہو گئے۔ لارڈ صاحب اپنی بڑی پوزیشن کیوجہ سے نہیں آئے مگر انہیں انکا حصہ خیمہ میں بھجوا دیا گیا۔

لارڈ ہیرس کے ڈھیر میں ایک وہ ہار بھی تھا جسکی قیمت (۱۳۵۰۰) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ ہار ایک مندر کی مورتی کے پیٹ میں سے نکلا تھا۔ یہ مورتی ٹیپو سلطان نے ایک بدھ مندر سے اٹھوا کر محل میں رکھوا دی تھی۔

سر ڈیوڈ بیرڈ کو اس کے حصہ میں ایک انگشتری ملی۔ جس کی قیمت پچاس

ہزار تھی۔ مگر اس نے اس وقت غصّہ میں آکر اسے پھینک دیا کہ یہ تو رنگا ہوا شیشہ ہے۔ ایک سپاہی نے اٹھا کر پانچ ہزار میں فروخت کیا۔

بہیروں کو جواہرات تقسیم کرنے کے بعد باقی جواہرات اور قیمتی اشیاء دیگر افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

ٹیپو سلطان نے ایک تخت بے مثل ساخت کا بنوایا تھا۔ جو خالص سونے کی چادروں کا تھا۔ اس کے پشتہ پر ایک ہما کی تصویر تھی۔ جو سونے اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی، تخت چار سونے کے شیروں کی پشت پر قایم تھا۔ اس تخت کے ٹکڑے کر کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ ۱۰۰۰ پونڈ ہر شخص کے حصہ میں آئے۔ تخت کی چھت جنرل گانٹ کے ہاتھ ۲۵۰۰ پونڈ میں فروخت کر دی گئی۔ جو اس نے بعد میں اسے ۳ گنا زیادہ قیمت پر علیحدہ ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کر دیا۔

اس تخت کے سامنے کے دو شیر جو ٹھوس اور خالص سونے کے تھے۔ بادشاہ کو ولایت بھیج دیئے گئے۔ اس کے ساتھ کچھ اور ہیرے جواہرات اور قیمتی ہتھیار بھی روانہ کئے گئے۔

یہ تو افسر اور حاکموں کو ملا۔ ہر سپاہی کو جسے "پرائیویٹ" کہا جاتا ہے۔ تقریباً چھ چھ پونڈ ضرور مل گئے۔ لیکن انہوں نے پرائیوٹ طور پر کافی روپیہ پیدا کر لیا۔ کیونکہ میجر پرائس لکھتا ہے۔ کہ بہت سے یوروپین سپاہیوں نے کئی کئی ہزار کے جواہرات بھیجے۔ اور پھر اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بعض سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ایک شراب کی بوتل

کی خاطر کئی کئی سو روپیہ کی مالیت کے جواہرات کوڑیوں کے دام بیچ ڈالے۔"

ان تفصیلات سے جو سرکاری کاغذات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں. سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص مثلاً بنگال کے محلات، اودھ کے شاہی خاندانوں، دہلی کے بادشاہ اور پنجاب کے علاقوں اور سندھ کے امیروں راجپوتانہ کی ریاستوں اور دیسی راج دھانیوں سے انگریزی افسروں، فوجی حاکموں، گماشتوں، کارندوں اور حتّٰی کہ معمولی سپاہیوں نے جائز اور ناجائز طریقہ سے کس قدر روپیہ اینٹھا ہوگا۔" (تاریخ ہند از گرے)

مالِ غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطان کا ہار

سلطانی محل اور شہر میں جس قدر دولت تھی سب کی سب تقسیم کرلی گئی. لیکن انگریزوں کو حیرت تھی کہ سلطان کے گلے میں موتیوں کا جو بیش قیمت ہار ہمیشہ رہتا تھا وہ کیا ہوا؟ ۴ مئی یعنی شہادت کا دن سلطان کے گلے میں یہ ہار موجود تھا. اس لئے گمان ہونے لگا کہ کسی انگریز سپاہی نے اس کو سلطان کے گلے سے نکال لیا ہوگا. لیکن سخت جستجو کے بعد بھی یہ ہار نہیں ملا. آخر جب اس دن یعنے ۴ مئی کے واقعات کو جوڑ کر غور کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ یہ ہار سلطان کے نومسلم مرہٹہ غلام راجہ خان نے نکال لیا تھا. لہٰذا اس ہار کے متعلق ۴ مئی کے واقعات سمجھ میں آنے کیلئے مختلف تاریخی کتب (ٹیپو سلطان از میڈوز ٹیلو سرنگاپٹم، از پارسنس۔ محاصرۂ سرنگاپٹم از تھامسن وغیرہ) سے حالات یکجا پیش کئے جاتے ہیں:۔

۴ رمئی ۱۷۹۹ء کے واقعات

اس بات پر تمام مغربی و مشرقی مورخین متفق ہیں کہ سلطان کا نومسلم مرہٹہ غلام راجہ خاں (جس کا مرہٹی نام راجہ راؤ تھا) آخری وقت تک سلطان کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور جب سلطان کی تلاش میں جنرل بیرڈ اور دوسرے انگریزی افسر دروازے پر پہونچے تو اس وقت راجہ خاں لاشوں کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسی نے دریافت کرنے پر جنرل بیرڈ کو سلطان کی لاش بتلائی تھی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"سلطان قریب ایک بجے کے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۷ بجے تک میدان جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔ اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت برا رہا۔ ایک طرف تو ماہ مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ اسکی تشنگی کو لحظہ بہ لحظہ بڑھاتی رہی۔ اس نے بار بار اپنے غلام سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی۔ لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا۔"

پھر آگے چلکر یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"چند منٹ گذرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے۔ سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے: "خدا کیلئے ایک قطرہ پانی" لیکن پانی نہیں ملتا" (ٹیپو سلطان)

"سلطان کا باڈی گارڈ سلطان پر نثار ہو جاتا ہے۔ کوئی باقی نہیں رہتا سلطان یکہ و تنہا رہجاتا ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ



آخری سازش

دریا دولت باغ کی اس تصویر میں آخری سازش بتلائی گئی ہے۔ اس میں میر صادق سلطان کے روبرو ہاتھ جوڑا ہوا ہے۔ لیکن منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے۔ سلطان کے بائیں جانب میر قمرالدین سبز لباس میں گھوڑے پر سوار ہے۔

کر زخمیوں کے انبار میں پناہ لیتا ہے۔ جس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے
سینے میں گولی لگتی ہے۔ سلطان غش کھا کر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہنگامہ کی
شدت میں شاہانہ پگڑی سر سے گر جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم
تک نہیں ہوتا کہ سب سے آخیر میں گرنے والا کون تھا؟ جب مدافعت کرنے والوں میں
کوئی باقی نہیں رہتا تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت
راجہ خاں سلطان کے قریب آ کر اس کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنے
کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔" (محاصرۂ سرنگاپٹم)

"عرصہ تک انگریزی حکام کو حیرت رہی کہ سلطان کے گلے میں جو قیمتی
ہار تھا وہ کیا ہو گیا؟ گمان تھا کہ کسی انگریز سپاہی کے قبضہ میں ہوگا۔ ڈی مرون
رجمنٹ کے ایک سپاہی کرسچینو نامی پر شبہ ہوا۔ اس لئے کہ سلطان کی شہادت
کا باعث اسی سپاہی کو سمجھا جاتا تھا۔ کرسچینو اور اسکے خاندان پر عرصہ تک
نگرانی بھی رہی۔ لیکن اس خاندان میں کبھی شان امارت ظاہر نہیں ہوئی۔"
(سرنگاپٹم از کانٹنس پارسنس)

"ان موتیوں کا پتہ کسی صورت نہ چلا۔ کرسچینو کے خاندان میں امارت کی
شان کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ جو ہار کے ملنے پر یقیناً ہو سکتی تھی۔ اس لئے قرینِ
قیاس یہی ہے کہ سلطان کے گرتے ہی راجہ خان نے شہزادوں کو دینے کے لئے
یہ ہار نکال لیا تھا" (جے۔ جے۔ کاٹن۔ ای۔ سی۔ یس۔ کتاب سرنگاپٹم)

لیکن کہیں یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ ہار شہزادوں کے حوالے کیا گیا۔ اگر کیا جاتا تو
یقیناً انگریزی افسروں کو اس کی جستجو عرصہ تک نہ رہتی۔ عام طور پر میسور وغیرہ میں

بھی یہی مشہور ہے کہ راجہ خاں نے اس ہار کو نکال لیا تھا۔ واللہ اعلم!
(نوٹ :۔ کتاب "سرنگاپٹم" کی مصنفہ کاتنس ای. پارسنس لکھتی ہیں :۔
"راجہ خان کو موضع کرٹکولہ میں جاگیر دی گئی۔ اس کی قبر میسور میں
کوس گارڈن کے دروازے کے قریب ہے۔ اور اس کے نام سے میسور میں ایک
سڑک کو موسوم کیا گیا ہے۔")

مقامی طور پر یہ روایت بھی عام طور پر مشہور رہی ہے کہ جب انگریزی فوج کی قلعے پر آنے کی خبر پہونچی تو محلات میں بہت سے جواہرات یا تو کنوؤں میں ڈالدیے گئے، یا پھر دفن کر دئے گئے۔

مالِ غنیمت میں حیدرآباد کا حصہ

مالِ غنیمت کی تقسیم میں میر عالم نے بھی حیدرآبادی فوج کیلئے حصہ طلب کیا لیکن اسکو جنرل ہارس نے جواب دیا کہ قلعہ انگریزی فوج نے فتح کیا تھا۔ اس لئے حیدرآبادی فوج کو حصہ نہیں دیا جا سکتا۔

نوٹ :۔ اسکے متعلق تاریخ "نظام علی خاں" میں لکھا ہے کہ وزیر اعظم ارسطو جاہ اور میر عالم نے لارڈ ولزلی سے اس سلوک کی شکایت کی۔ لیکن ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتا ہے :۔

"جب انگریز تمام مال غنیمت باہم تقسیم کر چکے اور کچھ باقی نہ رہا تو انجام کار محل میں سلطان کے کثیر التعداد شیروں پر نظر پڑی۔ جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں کے سبب انکی غور و پرداخت کیلئے اب

کوئی نہیں رہا تھا۔ اور وہ کئی دنوں کی بھوک سے بے تاب ہو کر نہایت وحشت ناک ہو رہے تھے۔ کرنل آرتھر ولزلی کو عجیب مشکل پیش آئی۔ کہ اس "مال غنیمت" کو کیا کیا جائے۔ میر عالم (سپہ سالار افواج حیدر آباد) سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو شیروں کو لے سکتا ہے۔ مگر میر عالم نے ان کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی آخرکار سلطان کے ان محبوب شیروں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا"۔

شہادت کے بعد دیگر واقعات

شاہزادہ فتح حیدر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ کرمانی لکھتا ہے کہ:-

"سلطان کی شہادت کے دن شاہزادہ فتح حیدر فوج لئے ہوئے کری گٹہ کی پہاڑی کے اس پار تھا۔ جب اس کو سلطان کی شہادت اور قلعہ پر انگریزی فوج کے قبضہ کی خبر معلوم ہوی تو وہ پریا پٹم چلا گیا"۔

کرمانی یہ بھی لکھتا ہے:-

"سلطان کے غدار امراء اور وزراء شاہزادے تک جنگ کی صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتے تھے"۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:-

"شاہزادہ فرینچ راکس میں مقیم تھا"۔

بہرطور شاہزادہ کو رام کرنے کے لئے قمرالدین اور پورنیا کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شاہزادے کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ اگر وہ اظہار اطاعت سے کام لے تو ریاست اسکو دیدی جائیگی۔ شاہزادہ نے یہ سن کر ہتھیار ڈالدئے۔ اور ۱۳ مئی کے دن سرنگاپٹم پہونچکر اپنے آپ

کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اس وقت اسکے ساتھ ایک سو بیس[12] فرانسیسی تھے (نوٹ:۔ کل سلطنت خداداد میں فرانسیسوں کی تعداد ہی ایک سو بیس تھی۔ محمود) اگرچہ آخر وقت تک سپہ سالار ملک جہاں خاں اور میر میراں ناصر علی شاہزادے کو یہی کہتے رہے کہ قمرالدین، پورنیا اور انگریزوں کے وعدوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صرف ایک سرنگاپٹم کا قلعہ ہاتھ سے گیا ہے۔ ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے باقی ہیں۔ اور ہم جیسے وفادار بھی ساتھ رہیں گے۔ فتح حیدر نے فوج اور دیگر عہدہ داروں کی حالت پر غور کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اس کی رفاقت نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ارادہ کر لیا کہ سرنگاپٹم چلا جائے۔ ملک جہان خان کو شاہزادے کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا۔ وہ تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادے کے کیمپ سے باھر نکل گیا۔

مورخ ملس لکھتا ہے:۔

"کتاب تذکرۃ البلاد والاحکام کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں:۔

ملک جہاں خاں بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام ڈونڈیا واغ تھا۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع و جری مرد میدان تھا۔ سلطان کی ملازمت میں آنے سے پیشتر اس کے پاس تین چار سو سوار تھے۔ اور ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر ادھر اُدھر چھاپے مار کر لوٹ مار کرتا تھا۔ اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ سلطانی فوج بھی اس کی گرفتاری و سرکوبی سے عاجز آ گئی تھی۔ اس وقت سلطان نے ایک اقرار نامہ بھیجا۔ کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آ جائے

تو اس کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ اسکے مراتب بڑھا دئے جائیں گے.
سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دار الخلافہ آیا۔ یہاں سلطان نے اسکی
نہایت آؤ بھگت کی۔ اسکے اس مرتبہ سے نمک حرام میر صادق کو رشک پیدا ہوا
اور وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ ایک طرف تو رات دن اسکے خلاف سلطان سے
شکایت کرتا تھا۔ اور دوسری طرف اسکی تباہی کی سازشیں کرتا رہا۔ آخر ایک
دن اس کو موقع مل گیا۔ سلطان کے پاس اس قدر جھوٹ بیان کیا کہ خان موصوف
کی فوراً طلبی ہوئی۔ جب وہ محل کے دروازہ پر پہونچا تو اس کو گرفتار کرکے حراست
میں رکھا گیا۔ اسکی فوج سلطانی فوج میں داخل کرلی گئی۔ مگر سلطان کے دل
میں اسکے لئے جگہ تھی۔ باوجود اسکے سلطان نے اسکے اخراجات کیلئے دس فلم
سلطانی (موجودہ تین روپئے) روزانہ مقرر کئے۔ چند دن کے بعد سلطان نے
ایک پلٹن خاص ملک جہاں خاں کے نام سے تیار کی۔ اور خان موصوف کی رہائی
کا حکم دیا۔ مگر میر صادق نمک حرام نے کہا :-

"جہاں پناہ! ڈونڈیا سا مکار اور بدطینت شخص دنیا کے پردہ میں
اور کوئی نہ ہوگا۔ اس نے آزاد رہکر سلطنتِ خداداد، حیدرآباد اور
مرہٹوں کے ملک پر مٹھی بھر سواروں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ذات شاہانہ
سے مخفی نہیں۔ اگر اس کو اس قدر بڑا عہدہ اور کثیر فوج دیدی جائے گی تو
سلطنت کی خیر نہیں"

سلطان نے رہائی کا حکم موقوف کردیا۔ ڈونڈیا واغ کو بھی خبر تھی کہ سلطان کے
دل میں اسکی کس قدر عزت ہے۔ چند دن اسی طرح بسر ہوئے۔ پھر آخر سلطان

نے اسکو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد ڈونڈیا مسلمان ہوگیا۔ اور نام شیخ احمد رکھا گیا۔ مگر اس نے اپنے لئے ملک جہاں خاں کا نام پسند کیا۔ میر صادق سے بچنے کیلئے خان موصوف شاہزادہ فتح حیدر کی ملازمت میں آگیا۔

اس وقت جب شاہزادہ فتح حیدر پر اسکی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو بہ مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور بہت جلد اسکے پاس چند سوار جمع ہوگئے۔ اِدھر اُدھر تاخت وتاراج کر کے اُس نے اس قدر طاقت پکڑ لی کہ اسکے پاس بیس۲۰ پچیس۲۵ ہزار فوج جمع ہوگئی۔ اور ڈوآبہ تنگ بھدرا و کرشنا میں اس کے نام سے دلوں پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی۔ اس نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ مرہٹہ سردار گوکھلے اور پرسرام ناظم میرچ جو کئی دفعہ سلطان کے مقابلہ میں آئے ہوئے تھے۔ مارے گئے۔ انکے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اسکے مقابلہ میں آئے۔ اور ہر دفعہ انکو ناکامی ہوی۔ آخر کرنل سر آرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلہ میں آیا اور خان موصوف کی فوج میں سازشوں کا دروازہ کھل گیا۔ تاہم دو برس کی متواتر دن رات کی لڑائیوں کے بعد چونکہ اسکے قبضہ میں کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ کرڑپہ اور کرنول کے پٹھانوں کی غداری سے کوٹال بھنوار کے قریب شہید ہوگیا۔"

سلطان کے بعد یہ دوسرا محبّ وطن تھا جو اس طرح ناموری کیساتھ شہید ہوگیا۔ اس کے مقابل رئیس کی تحریر دیکھئے:۔

"ملک جہاں خان مرہٹہ تھا۔ جو حیدر علی کے سواروں میں ۱۷۸۰ء میں داخل ہوا

۱۷۹۲ء میں جب لارڈ کارنوالس نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو یہ دھاڑواڑ کو فرار ہو کر ادہر ادہر قزاقی کرتا پھرتا رہا۔ ۱۷۹۴ء میں ٹیپو سلطان نے اس کو طلب کیا اسکے ساتھ ۲۰۰ دو سو سوار تھے۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اس کو اسلام قبول کر لینے کیلئے کہا۔ انکار پر اسے قید کر دیا گیا۔ جب ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سرنگاپٹم پر قبضہ کیا تو اس کو اس حالت میں پایا کہ ایک دیوار سے زنجیروں میں وحشی جانور کے مانند جکڑا ہوا ہے۔ اس کو رہا کیا گیا۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر مرہٹی سرحد پر جاکر ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملہ کرنے لگا۔ آخر کرنل ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کو اس کے مقابل بھیجا گیا۔ مہینوں کی مسلسل کوشش اور جنگوں کے بعد یکایک ایک جگہ یہ اور اس کی فوج انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی۔ اور یہ اس معرکہ میں مارا گیا"۔

نوٹ :۔ سلطان کے بعد دوسرا نامور مجاہد جب انگریزوں کی محکومی سے متنفر ہو کر استخلاص وطن کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ رئیس کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں۔ جس پر ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی مضحکہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تحریر روبرو ہے۔ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ کہ اس میں کس قدر سچائی ہے۔ عجب ہے کہ سلطان اس کو قید و بند کی مصیبت دے۔ اور وہ پھر بھی اس سے اور اس کے خاندان سے وفاداری کرے۔ اور انگریز محسن بنیں اور وہ انہیں پر تلوار اٹھائے۔ (محمود)

سلطنتِ خداداد کے حصّے بخرے

جب شہزادہ فتح حیدر نے بھی پورنیا اور قمر الدین کے دام فریب میں آکر ہتیار ڈالدئے تو کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس لئے سلطنتِ خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کیلئے جنرل ہارس کی صدارت میں ایک کمیشن (مجلس) مقرر ہوئی۔ اس کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی، سر باری کلوز اور لفٹننٹ کرنل کرک پیاٹرک تھے۔ نظام علی خاں کی منظوری لے لی گئی۔ میر عالم اور سلطان شہیدؒ کے چند وزراء کو صرف مشاورت کیلئے منتخب کرلیا گیا۔ کمیشن کے روبرو ایک نہایت اہم کام تھا۔ سلطنت کے ۲ دو دعویدار تھے۔ ایک طرف تو سلطان کے شاہزادے اور دوسری طرف میسور کا قدیم ہندو خاندان۔ معاملات کی چھان بین کرنیکے بعد کمیشن کے آگے دونوں جانب سے مندرجۂ ذیل دلائل موجود تھے۔

سلطان کے شہزادوں کے متعلق :-

(۱) حیدر علی کو اگر غاصب سلطنت قرار بھی دیا جائے تو اس پر اس قدر عرصہ گذر چکا ہے کہ سلطنت پر انکا حق مسلم ہو چکا ہے۔

(۲) حیدر علی اگر غاصب سلطنت تھے تو انکے فرزند ٹیپو سلطان اور اسکے بعد انکے شہزادے اس الزام سے بالکل بری اور جائز وارث سلطنت ہیں۔

(۳) ٹیپو سلطان نے اپنے شاہزادوں اور خصوصاً پہلے چار فرزندوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ سلطنت کرنے کے اہل اور انکے دل امیدوں سے بھرکر ہوئے ہیں۔

(۴) سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے۔ کہ میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اس

قدر وسعت نہیں دیکھی تھی۔

میسور کے قدیم ہندو خاندان کے متعلق:۔

(۱) میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اپنے حق سے دست برداری نہیں دی۔ اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنا چاہا۔

(۲) حیدر علی یا ٹیپو سلطان نے کبھی علانیہ طور پر ان کو اس حق سے محروم نہیں کیا۔

(۳) دسہرہ کا سالانہ تہوار اور دربار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ممانعت حیدر علی و ٹیپو سلطان کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی۔ جسکی وجہ سے ہندو رعایا میں میسور کے قدیم خاندان کا وقار بجنسہٖ باقی ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے ملک کی موجودہ سیاسی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسب ذیل نتائج مرتب کیا

(۱) اگر سلطنت سلطان کے شاہزادوں کو تفویض کیجائے۔ تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہیگا۔

(۲) سلطان کے شاہزادے دربار سلطانی کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں۔ وہ اس کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسکے حصول کی کوشش کریں گے۔

(۳) سلطان کے شاہزادوں کو معلوم ہے کہ کس طرح انکے والد نے فرانسیسیوں اور دیگر سلطنتوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کئے تھے۔ اور ابھی جبکہ فرانسیسی خطرہ پوری طرح دور نہیں ہوا ہے۔ اور ہندوستان میں دوسری طاقتیں بھی موجود ہیں تو ممکن ہے کہ شاہزادے پھر ساز باز شروع کردیں۔

(۴) اگر بالفرض سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو یقیناً وہ ان لوگوں

کو معاف نہیں کریگا۔ جو سلطنت کی تباہی اور خاندان کی موجودہ محکومانہ حالت کے ذمہ دار ہیں۔ (نوٹ:۔ غداروں کی غداری کا ثبوت اور یہ انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ محمود)

(۵) نظام علی خاں والی حیدرآباد جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے سلطان کے شہزادوں کو تخت دینے کا مخالف ہے۔ اسکے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدرآباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ کا خط تھا۔ اس خط میں ارسطو جاہ نے میر عالم کو لکھا تھا:۔

"ٹیپو سلطان کے فرزندوں اور پسماندوں نے انگریزی کمپنی کے ذریعہ جو استدعا کی تھی کہ بغرض پرورش نصف حصہ ملک اور نصف خزانہ ان کو ملے۔ کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے حملہ کرکے فتح کیا ہے اور وہ اسیران جنگ میں ہیں۔ ان کے لئے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہیئے۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

پھر اسی خط میں کمیشن کو مخاطب بناتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:۔

"ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کے لڑکوں اور پسماندوں کو منشاءِ سرکار دولت مدار اور اظہار میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائے گا۔ اور نصف ملک ہرگز ان کو نہ دیا جائیگا"۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

کمیشن کے اپنے خاص دلائل اور حیدرآباد کی رائے دریافت ہونے کے بعد کمیشن نے سلطان کے امراء و وزراء سے بھی رائے لی۔ اسوقت لنگڑے غلام علی نے کہا:۔

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمندان نیست"

اسکے بعد کمیشن کے آگے تخت نشینی کا مسئلہ بالکل صاف تھا۔ اس لئے سلطان کے شاہزادوں کو تخت سے محروم کرتے ہوئے کمیشن نے لارڈ ولزلی سے سفارش کی کہ:۔

"اگر سلطنت ہندو خاندان کے تفویض کر دی جائے تو یہ عین مصلحتِ وقت کے

مطابق ہونے کے علاوہ ان تمام خدشات سے نجات ملجائیگی۔ جو بصورت دیگر شاہزادوں کو تخت دینے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پالیسی انسانیت اور فیاضی کا بھی یہی تقاضہ ہے"

کمیشن کا یہ فیصلہ لارڈ ولزلی کے پاس بھیجدیا گیا۔ اس پر لارڈ ولزلی نے دریافت کیا کہ اگر ہم سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کردیں تو سلطان کی حکومت کے دوسرے افسروں کی رائے اور انکا طرز عمل کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں سر بیاری کلوز نے لکھا

"ملک میں ہماری مخالفت کرنے والا ہی کون ہے۔ برہان الدین، بنکی نواب، معین الدین، میر صادق اور سید غفار تو مارے گئے۔ پورنیا ہماری مرضی پر کام کرنے پر آمادہ ہے۔ اور قمر الدین ہماری فیاضی پر بھروسہ کیے ہوئے ہے"

اس خط کے پہونچنے کے بعد لارڈ ولزلی نے ملک کی تقسیم اس طرح کی:-

(۱) کل اضلاع کرناٹک و پائین گھاٹ و ساحلی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملے۔

(۲) ضلع اننت پور، کڑپہ، کرنول اور بلاری نظام حیدر آباد کو دئے جائیں۔

(۳) تنگ بھدرا سے شمال میں جتنا ملک ہے وہ مرہٹوں کیلیئے اس شرط پر محفوظ رکھا جائے کہ وہ سب سی۔ ڈیاری سسٹم قبول کرلیں۔

(۴) بقیہ ملک (جو اب موجودہ ریاست میسور پر مشتمل ہے) قدیم خاندان راجگان میسور کے حوالے کردیا جائے۔

(۵) سرنگاپٹم کا جزیرہ انگریزوں کے قبضہ میں رہے۔

(۶) سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا ادا کیئے جائیں

(۷) ریاست کے کاروبار کی نگرانی کیلیئے رزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے ۲۴ رجون ۱۷۹۹ء کو تحریر ذیل لکھکر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے کیلئے میسور نگر کی حکومت معہ متعلقات کے بحال کردی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں۔ ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے ہوئے چالیس برس ہوگئے تھے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا۔ اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے۔ ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں۔ کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرینگے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے آپ نے ہمارا نام قایم کیا۔ یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تک یادگار رہیگی۔ ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ سے اس اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کریگی۔ اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔

شرح دستخط (۱) لچھمی امتی

(۲) دیواجی امتی

اس مرحلے کو طے کرنیکے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیجدیا جائے۔ اس کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۲۷۵ پر لکھتا ہے:۔

"جب یہ طے ہوگیا کہ ہندو راج قایم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی کہ:۔

"گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں اور اتحادیوں کے مفاد کو مدنظر

رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے اس لئے سات لاکھ کی پنشن گذارہ کیلئے مخصوص کیگئی ہے۔ اس لئے اب یہ طے شدہ ہے کہ نئی حکومت قایم ہونیسے پیشتر وہ (شہزادہ فتح حیدر) اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کے حدود سے باہر بھیجدیا جائے"

اس کارروائی کیلئے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔

شہزادہ فتح حیدر نے اس عجلت اور حکم پر اظہار تعجب کیا اور کہا:۔

"اس نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کرکے اپنے آپ کو سپرد کردیا تھا۔ اگر کمپنی تخت وتاج نہ بھی دے تو وہ اپنے باپ دادا کی مزاروں کو چھوڑکر نہیں جاسکتا"

کرنل ولزلی نے اسکے جواب میں کہا کہ:۔

"قول جو دیا گیا تھا۔ اس کی کوئی اور معنی نہیں لیئے جاسکتے۔ یہ یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت وتاج دئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ انگریزی قانون ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو اسکی جائے سکونت چھوڑکر دوسری جگہ رہنے پر مجبور کرے۔ یہ سچ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے تخت وتاج کے معاملہ میں انصاف اور رحمدلی سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب موجودہ وقت میں یہ اسکے مفاد کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب اس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان اور اسکے اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے۔ جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں"

اس کے ساتھ ہی فتح حیدر کو دہمکی بھی دیگئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے حکم کی خلاف ورزی کریگا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہی بات شہزادہ عبدالخالق، معزالدین اور محی الدین سے کہی گئی۔

لہٰذا یہ بدقسمت شہزادے ۱۸ جون کو ویلور بھیجدئے گئے۔"

شہزادوں کے اخراجات کیلئے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا منظور کئے گئے جو قریباً ۷ لاکھ بیس ہزار روپیوں کے ہوتے ہیں۔ اس قافلہ میں سلطان کے بارہ فرزند اور ایک دختر تھی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) شہزادہ فتح حیدر سلطان (۲) شہزادہ عبدالخالق سلطان

(۳) شہزادہ محی الدین سلطان (۴) شہزادہ معزالدین سلطان

(۵) شہزادہ محمد یٰسین سلطان (۶) شہزادہ محمد سبحان سلطان

(۷) شہزادہ شکراللہ سلطان (۸) شہزادہ سرورالدین سلطان

(۹) شہزادہ جامع الدین سلطان (۱۰) شہزادہ منیرالدین سلطان

(۱۱) شہزادہ غلام محمد سلطان (۱۲) شہزادہ احمد سلطان

اور نواب حیدر حسین خاں داماد سلطان اور انکے علاوہ سلطان کے چھوٹے بھائی نواب کریم شاہ معہ اپنے فرزنداں غلام علی اور امام بخش بھی تھے۔

انکے علاوہ وہ لوگ بھی جنہیں سلطان سے ذرہ بھر بھی خون کا رشتہ تھا شہزادوں کے ساتھ روانہ کر دئے گئے۔ لہٰذا میسور میں حیدر علی و ٹیپو سلطان کے خاندان سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا۔

نوٹ:- اس خاندان کو ۱۸۰۶ء میں ویلور سے نکال کر کلکتہ بھیجدیا گیا۔ جہاں یہ نہایت عزت

واحت رام کی زندگی اب تک بسر کر رہا ہے۔

ان تمام امور کو طے کرنے کے لئے ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس پر لارڈ ولزلی نے ۲۶ر جون ۱۷۹۹ء اور نظام الملک نے ۱۳ر جون ۱۷۹۹ء کو دستخط کیا۔

شاہزادوں کو رخصت کرنے کے بعد نئے راجہ کو ۳۰ر جون ۱۷۹۹ء کو میسور میں تخت نشین کیا گیا۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۶ پر لکھتا ہے :۔

"تخت نشینی کی رسم دوپہر میں منائی گئی۔ کمیشن (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی جانب سے جنرل ہارس اور حیدرآباد کی جانب سے میر عالم راجہ کے دونوں بازو تھامے ہوئے تھے۔ تخت پر بٹھانے کے بعد جنرل ہارس نے دربار میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل نے پورنیا کو اس نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا ہے"

زوالِ سلطنتِ خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جب لارڈ ہارس سلطان کی لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ :۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس سلسلہ میں جو خوشیاں منائی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنتِ خداداد کا اثر سیاسیات ہندوستان پر کتنا زبردست تھا۔ اور سلطان کی ذات کس قدر بلند مرتبہ تھی۔ اسکی دُور رس نظر، اسکی تنظیم و تنسیق، اسکے بلند ارادے، ہندوستان میں کیا کرنا چاہتے تھے۔ اسکی ایک جھلک اس کے خط و کتابت اور فوجوں کی آراستگی سے معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ سلطان ہی کی ذات تھی۔ جو ہندوستان اور انگریزی قبضہ کے

درمیان حائل تھی ۔ اس کے زوال پر جو کچھ بھی خوشیاں منائی جاتیں وہ کم تھیں۔

لارڈ ولزلی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے :۔

"میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کرونگا کہ خود ڈائرکٹران کمپنی ہندوستان پر رحم کرنے کیلئے درخواست کریں"۔ (تاریخ باسو)

اور ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک مراسلہ میں لکھتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان کی موت اور اسکی سلطنت کا خاتمہ دیگر ہندوستانی حکمرانوں کیلئے ایک ایسا سبق ہے کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں گے"۔

(ماڈرن میسور)

لارڈ ولزلی کو سر جان اینس تھروٹر ۱۰ مئی ۱۷۹۹ء کو لکھتا ہے :۔

"ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے نمایاں، سب سے شاندار اور سب سے بڑا کارنامہ اس طرح آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔"

۶ فروری ۱۸۰۰ء کو لارڈ ولزلی نے کلکتہ واپس پہونچکر ایک شاندار جلوس نکالا۔ جس میں لارڈ ولزلی، چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف (سر الفرڈ کلارک) ممبران کونسل اور دیگر سرکاری، سیول و فوجی افسر پیادہ پا گرجا تک گئے۔ راستوں میں فوج دو رویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستان میں یہ پہلا وقت تھا کہ اس قدر شاندار جلوس انگریزوں کا نکلا ہو۔ اس جلوس کو مذہبی رنگ دیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل نے اس کو شاندار بنانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا تھا۔

جب زوالِ سلطنتِ خداداد کی خبر انگلستان میں پہونچی تو وہاں کی خوشی کی کوئی

حد نہ رہی - لارڈ ولزلی کو جواب تک "ارل آف مارننگٹن" تھا "مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا - جنرل ہارس کو جو ایک غریب پادری کا لڑکا تھا

"لارڈ ہارس آف سرنگاپٹم"

کا خطاب ملا۔ انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ انعامات کے تمغے دئے گئے۔ اس قسم کا ایک تمغہ میری نظر سے بھی گذرا ہے۔ اس میں ایک جانب تو سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء ثبت ہے اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شیر کو پچھاڑ کر سنٹ جارج جو گھوڑے پر سوار ہے نیزہ مار رہا ہے۔ گو کہنے کو تو یہ ایک معمولی تمغہ ہے۔ مگر اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطان واقعی شیر ہندوستان تھا۔ اور اس طرح انگریزوں نے بھی جو اسکے حریف تھے۔ اسکی "شجاعت اور بہادری" کا اعتراف کیا ہے۔

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب پر ابھی تک کسی تاریخ میں مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عام طور پر جو مشہور ہے وہ یہی ہے کہ سلطان کے وزرار و امرار نے آخر وقت میں سلطان سے غداری کی تھی اور اسی وجہ سے سلطنت پر زوال آگیا۔ گو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور تاریخ نشان حیدری و حملات حیدری کے مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان افسروں نے غداری کس وجہ سے کی؟ انکی اس غداری کے متعلق جن وجوہات کو تبلایا گیا ہے۔ وہ بالکل سطحی ہیں۔ اس لیے ذیل میں ان تمام حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جو اس غداری کی اصلی محرک تھیں۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ بعض واقعات کو جن کا ذکر آگے آچکا ہے۔ دہرانا پڑیگا لیکن انکے دہرائے بغیر مطلب پورا نہیں ہوسکتا۔ (محمود)

نواب حیدرعلی نے جس زمانہ میں اپنی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت جنوبی ہند میں انکے مقابل مندرجہ ذیل حریف موجود تھے:۔

(۱) نواب محمد علی والاجاہ۔

تاریخ بین اصحاب واقف ہیں کہ والا جاہ محمد علی انگریزوں کی تائید سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا۔ اسکی آرزو تھی کہ حیدرآباد کا بھی حکمران بنجائے۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے انگریزوں اور چند امرائے حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملا لیکر حیدرآباد میں سازشیں کر رہا تھا۔ لیکن عین اسی وقت میسور میں حیدرعلی کے عروج نے آکی توجہ کو حیدرآباد سے ہٹاکر

اپنی طرف کرلی. میسور صوبہ سرا کے ماتحت تھا. نظام الملک اول کے زمانہ سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں ضم ہوچکا تھا. لیکن بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری جب حیدر علی کو دیدی تو محمد علی والاجاہ جو اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے تمام جنوبی ہند کا مالک سمجھتا تھا۔ حیدر علی کا مخالف بن گیا اور حیدر علی کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا.

(۲) نواب نظام علیخاں. نظام الملک دوم۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد مسند نشین ہوا تھا. بہ حیثیت صوبہ دار دکن تمام جنوبی ہند (یعنے صوبہ ارکاٹ وصوبۂ سرا اس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا. حیدر علی کا اس وجہ مخالف بن گیا کہ حیدر علی نواب بسالت جنگ کا بنایا ہوا صوبہ دار تھا. اور ساتھ ہی اسکو حیدر علی کی روزافزوں فتوحات سے یہ خوف بھی پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں تمام ہندوستان سلطنتِ خداداد کے قبضہ میں نہ آجائے۔ اور اس طرح شہنشاہیت کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا پورا نہ ہو؟

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی۔

ہوس ملک گیری میں ارکاٹ اور حیدرآباد میں اپنا دام تزویر عرصہ سے پھیلا رکھی تھی۔ والاجاہ محمد علی کی بدولت کورومنڈل کے بہت سے علاقوں پر حکمرانی بھی کر رہی تھی. اور محمد علی کے بقیہ علاقوں کی ایجنٹ بھی تھی. اس کو حیدر علی کا عروج اس کے مقاصد میں حارج نظر آرہا تھا. اس نے پہچان لیا کہ اگر حیدر علی کی سلطنت قایم رہی تو ہندوستان میں اسکے قدم نہیں جم سکتے۔

(۴) مرہٹے۔

انہیں ایک نئے اسلامی سلطنت کا وجود میں آنا ناگوار گذر رہا تھا۔

(۵) میسور کا قدیم ہندو خاندان۔

یہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے میسور کی رانیاں کوشش کرنے لگیں۔

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ میسور کے راجہ کے سپہ سالار تھے تو انکے خلاف راجہ اور کھنڈے راؤ نے مرہٹوں کی امداد سے سازش کرتے ہوئے۔ انکی جان لینی چاہی۔ لیکن حیدر علی نے میدان جنگ میں ان حریفوں کو شکست دیکر سرنگاپٹم پر قبضہ کرلیا۔ اور راجہ کو اس کا قدیم علاقہ تین لاکھ کی جاگیر دیتے ہوئے اس کو بھی سرنگاپٹم میں ہی رہنے کی اجازت دی۔ راجہ کے اقتدار کو محدود کرتے ہوئے داخلی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس کا شاہانہ کروفر بھی بحال رکھا۔ جس کی وجہ سے ہر سال دسہرہ کا دربار اگلی شان وشوکت کے ساتھ ہی منایا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اور اس کا خاندان اس پر قانع نہیں ہوا۔ انہوں نے حیدر علی کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔

نواب حیدر علی نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت بھی سرنگاپٹم کو ہی بنایا۔ ممکن ہے کہ نواب نے اس وقت یہ سمجھا ہو کہ اس طرح نگرانی بھی خوب رہیگی اور راجہ کا خاندان بھی قانع رہیگا۔ لیکن یہ اصول طبیعت انسانی کے خلاف تھا۔ سرنگاپٹم زمانۂ دراز سے راجہ کے خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اور یہاں بلاشرکت غیرے اسکا اقتدار رہا۔ اس لئے راجہ کے خاندان کو باوجود تمام مراعات حاصل رہنے کے بھی یہ امر حد درجہ شاق گذر رہا تھا۔ کہ اسی شہر میں جہاں کی رعایا اس کو مختار مطلق تسلیم کرتی تھی

حیدرعلی جو سابق میں اسی خاندان کے ملازم تھے۔ اپنا اقتدار بطور پیرامونٹ پاور (اعلیٰ طاقت) قایم کرے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان اس پالیسی میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ رانیوں نے سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

پہلی سازش
۱۷۶۱ء

کتاب پرد ہانس آف میسور کے صفحہ ۴ پر تحریر ہے کہ:-

"حیدرعلی نے جب زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو رانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس حیدرعلی کے خلاف تائید حاصل کرنے کیلئے اپنے ایک معتمد رائی ورگ سرینواس راؤ کو مدراس روانہ کیا۔ اس وقت لارڈ پیکاٹ گورنر تھا۔ اس نے تائید دینے کا وعدہ کرلیا"

دوسری سازش
۱۷۶۵ء

لیکن باوجود وعدہ کے جب انگریزوں کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو رانیوں نے اپنا ایک ایلچی ۱۷۶۵ء میں مرہٹوں کے پاس پونا روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ میسور کو حیدرعلی کی سرپرستی سے نجات دلائی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا مادھو راؤ نے حیدرعلی پر فوج کشی کردی۔ لیکن پے در پے مشکلات نے اس کو مجبور کر دیا کہ حیدرعلی سے صلح کرلے کر واپس ہو جائے۔

تیسری سازش
۱۷۶۸ء

نواب حیدرعلی کے خلاف یہ سازش والاجاہ محمد علی (ارکاٹ) نظام علی خاں (حیدرآباد) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ آگے بتلایا جاچکا ہے کہ والاجاہ محمد علی ارکاٹ کا خود مختار حکمران ہونا چاہتا تھا۔ اور انگریز اسکے ایجنٹ تھے۔ صوبہ دار دکن کی ارکاٹ پر سیادت کا خاتمہ کرنے کے

لئے حیدر آباد میں سازشیں ہو رہی تھیں۔ حیدر آباد کا وزیر اعظم رکن الدولہ اور میر عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کمپنی نے حیدر آباد سے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ حیدر آباد میں ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء میں ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے :۔

(۱) والا جاہ محمد علی کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کرتے ہوئے نذرانہ اور پیش کش سے بھی معافی دیدی گئی۔

(۲) نظام علیخاں دریائے کرشنا سے نیچے تمام ملک سے دست برداری دیدی۔

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی کو والا جاہ محمد علی کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کر لیا گیا۔

(کتاب سندس انڈ ٹریٹیز جلد ۹ صفحہ ۲۸)

والا جاہ محمد علی یا صوبہ ارکاٹ کا معاملہ طے کرنے کے بعد کمپنی نے صوبہ سرا کا معاملہ بھی اسی معاہدہ میں طے کر لیا۔ اس معاہدہ کی شرط (۱۰) کی رو سے نظام علیخاں نے صوبہ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپئے سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دیا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ صوبہ سرا پر نواب حیدر علی قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بہ حیثیت صوبہ وار دکن نظام علیخاں نے اس معاہدہ کی شرط ۹ سے انہیں غاصب قرار دیا۔

اس معاہدہ کے بعد یعنے اندرونی طور پر سازش کو مکمل کر لیکر ایسٹ انڈیا کمپنی۔ والا جاہ محمد علی اور نظام علی خاں نے حیدر علی پر فوج کشی کر دی۔ جو تاریخ میں میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سازش پر حیدر آباد کی مطبوعہ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتی ہے :۔

"حیدر علی خان کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے اور دوسری طرف سرکارِ نظام، تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک کے پردے میں دراصل انگریز کرناٹک پر حکمران تھے۔ جن کی نظر میں حیدر علی خاں کی روزافزوں طاقت کھٹک رہی تھی اور انہیں کوئی خطرہ تھا تو حیدر علی خان ہی سے تھا۔ اور حیدر علیخان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ اس اجنبی قوم کو علاقہ دکن سے نکال باہر کردیں۔ لیکن نواب کرناٹک کی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس قوم کے قدم علاقہ کرناٹک میں مستحکم طور پر جم گئے تھے۔ ایک حد تک انہیں کے ذریعہ اس قوم نے نظام علی خاں کے پاس اچھا رسوخ پیدا کرلیا۔"

(نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۴۰)

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کیلئے نہایت مایوس کن نکلتا ہے۔ جنگ کا خاتمہ ۱۷۶۹ء میں انگریزوں کی شکست اور صلحنامہ مدراس پر ہوتا ہے۔

چوتھی سازش ۱۷۷۰ء

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تیسری سازش میں میسور کے قدیم خاندان نے کس قدر حصہ لیا تھا یا بالکل ہی نہیں لیا۔ لیکن جب انگریزوں کو اس جنگ میں شکست ہوچکی تو رانیوں نے ہمت نہیں ہاری اور اس دفعہ یعنے ۱۷۷۰ء میں انہوں نے اپنے پردھان ترمل راؤ کو پیشوا مادھوراؤ کے پاس پونہ روانہ کیا۔ اس وقت رانیوں کی درخواست کے علاوہ مرہٹوں کے پیش نظر اور دو امور تھے۔

(۱) میسور کو اپنے قبضہ میں کرنا۔

(۲) اپنی شکستوں کا حیدر علی سے انتقام لینا۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مادھوراؤ اور اس کے سپہ سالار ترمل راؤ نے

۱۷۷۴ء میں پھر میسور پر فوج کشی کی۔ اس جنگ کا سلسلہ چار سال تک رہا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ مرہٹے واپس ہو گئے۔ اور اس طرح اس دفعہ بھی ہندو راج قایم کرنیوالوں کے توقعات بر نہ آئیں۔

نوٹ :۔ حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ اس سازش کا سرغنہ ترمل راؤ ہے۔ جو رانیوں کا پردھان یعنے دیوان ہے۔ حیدر علی نے اس کو گرفتار کر لیا۔ لیکن بعد میں عفو و ترحم سے کام لیکر اسکو رہا کرتے ہوئے کڑپہ میں نواب عبدالحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ (محمود)

پانچویں سازش
۱۷۷۹ء

اوپر کی نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ حیدر علی نے ترمل راؤ کو کڑپہ میں اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ یہاں ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اسکو معلوم ہوا کہ مدراس میں لارڈ پیگاٹ کمپنی کا گورنر مقرر ہو کر آیا ہے۔ یہ وہی گورنر تھا جس نے ۱۷۶۱ء میں رانیوں کو تائید دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں ترمل راؤ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لارڈ پیگاٹ ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخل دے رہا ہے۔ اس لئے ترمل راؤ اور اسکا بھائی نارائن راؤ کڑپہ سے فرار ہو کر تنجاور پہونچے۔ جہاں انکی خوش قسمتی سے تنجاور کا راجہ اور رزیڈنٹ جان سلیوان ان کے ہمراز بن گئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام کے تمام اسوقت میسور کی اندرونی حالت سے ناواقف تھے۔ اس لئے مدراس کی حکومت نے سی۔ ٹی شوارٹز کو ایلچی بنا کر حیدر علی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک پادری تھا۔ بظاہر پادری شوارٹز نے مدراس کے گورنر کی جانب سے حیدر علی کے نام ایک خط لایا جس میں لکھا گیا تھا کہ حکومت حیدر علی سے تلافی مافات کرنے، اور بہت زیادہ دوستی کی خواہاں ہے۔ اسی خط میں گورنر نے حیدر علی سے یہ بھی درخواست کی تھی، کہ شوارٹز کو پادری ہونے کی حیثیت سے مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔ ۲۵ ر اگسٹ ۱۷۷۹ء کے دن پادری شوارٹز سرنگاپٹم پہونچا۔ نواب حیدر علی نے اس کو مذہبی راہنما سمجھ کر تبلیغ

کی اجازت دیدی. اس آزادی سے فائدہ اٹھاکر اس نے سرنگاپٹم میں میسور کی رانیوں سے ملا۔ اور کل حالات سے واقف ہوکر تنجاور کو واپس پہونچا۔ یہاں اس نے میسور کی رانی کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی اہم شرائط کتاب سندس انڈر ٹیز جلد نہم کے صفحہ ۲۰۰ اور ۲۰۱ سے یہاں دی جاتی ہیں.

میسور میں ہندو راج قایم کرنے کے لئے معاہدہ

مورخہ ۲۸ راکتوبر ۱۷۸۲ء

شرایط

ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے	رانی لکشمّا کی جانب سے
	ایسٹ انڈیا کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک ہم کو واپس لیکر دیدے تو:۔
	(۱) انگریزی فوج جب حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کریگی تو انگریزوں کو تین لاکھ کنٹی رایا پگوڈا (طلائی سکے) دئے جائیں گے.
	(۲) جسوقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالاگھاٹ پر بڑھے گی اور ادمیلی یا دیسی برم کے مقامات پر قبضہ کریگی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے.
	(۳) جس وقت انگریزی فوج میسور پر قبضہ

کرکے اس ملک کو ہمارے قبضہ میں دیدیگی تو پھر ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔

(۴) جسوقت سرنگاپٹم کو تسخیر کرلیا جائیگا تو مزید ۵ لاکھ پگوڈا دے جائیں گے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے۔

(۵) سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد جس تاریخ سے رانی لکشما کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا تو اس تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پانچ لاکھ پگوڈا بطور خراج دے جائیں گے۔ اور اسکے علاوہ سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دیجائیگی۔ اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کیلئے یہاں رکھنا ضروری ہوگا۔

کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے۔ لیکن رقم کے متعلق اس وقت تعین نہیں کیا جاسکتا معلوم نہیں کہ ملک کی حفاظت کیلئے کس قدر فوج کی ضرورت ہوگی۔

(۷) کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم ونسق میں کوئی دخل نہ ہوگا۔

کمپنی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیگی۔ لیکن وہ خراج جو مرہٹوں یا شہنشاہ مغلیہ کے صوبہ داروں کو میسور کی جانب سے دیا جاتا ہے اس کو کمپنی کے ذریعہ ادا کیا جائے۔ براہ راست خراج ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا۔

(۸) حیدر علی کی تمام املاک، مال وزر، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جس قدر سامان ہو وہ میسور کے حوالے کردینا ہوگا۔

یوروپی قاعدۂ جنگ کے مطابق تمام مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہوجاتا ہے۔ اگر اس مال غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کی جائے تو کمپنی

اپنے افسروں کو ہدایت کریگی کہ وہ رقم لیکر مال غنیمت چھوڑ دیں۔

(۹) حیدرعلی اور دوسرے تمام افسر جو میدان جنگ میں اسیر ہوں۔ میسور کے راجہ کے حوالے کردئے جائیں۔

کمپنی حیدرعلی کے خلاف بطور حریف جنگ آزما ہو رہی ہے۔ اس لئے اس شرط کو منظور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ میسور کی راجدھانی کے فوائد مدنظر رکھے جائیں گے۔

دستخط (۱) سی۔ ٹی۔ شوارٹز
(۲) ترمل راؤ (برائے رانی میسور)

دستخط جان سلیوان
رزیڈنٹ تنجاور (برائے ایسٹ انڈیا کمپنی)

اسی سلسلہ میں کتاب پروہانس آف میسور کے صفحات ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ پر علاوہ اس معاہدہ کے اور تین خطوط دئے گئے ہیں۔ ان خطوط میں ایک خط ترمل راؤ اور اسکے بھائی نارائن راؤ کا ہے۔ جس میں انہوں نے جان سلیوان اور تنجاور کے راجہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کہ انکی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ دوسرا خط لارڈ مکارٹنی مدراس کے گورنر کا ہے۔ جو میسور کی مہارانی لکشما کے نام ہے۔ اس خط میں لارڈ مکارٹنی نے رانی کو تائید دینے کا یقین دلایا ہے۔ تیسرا خط بھی لارڈ مکارٹنی کا ہے۔ جس میں اول الذکر معاہدہ کی تصدیق کی گئی ہے۔ بہرطور جب مدراس اور تنجاور میں یہ سازشیں ہو رہی تھیں تو اسی زمانہ میں پایۂ تخت سرنگاپٹم میں بھی سازشیں شروع کردی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ میسور کی دوسری جنگ حیدرعلی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہو رہی تھی۔ سازش حیدرعلی کے خلاف کی گئی تھی۔ لیکن اتفاقاً اسی زمانہ میں حیدرعلی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہی سازش اب ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال ہوتی

ہے. اس سازش کا مفصل بیان میسور گزیٹیر جلد دوم کے حصہ سوم کے صفحات ۲۵۵۲ سے ۲۵۵۷ تک دیا گیا ہے. اوراسی سے یہاں اقتباس لیا جاتا ہے :-

اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوشش

۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۴ء

حیدر علی کی میدان جنگ میں وفات اور ٹیپو سلطان کی پایۂ تخت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس جماعت نے جو اس سلطنت کا خاتمہ کرنیکا بیڑا اٹھائے ہوئی تھی. اپنا کام شروع کی. اس سازش کے سرغنے انچے شامیا، رنگیا، نرسنگ راؤ، اور سنگیا تھے. انچے شامیا کا پورا نام شاما اینگار تھا. اس شخص کو حیدر علی نے ۱۷۷۹ء میں محکمۂ ڈاک کا افسر اعلےٰ بنایا تھا. رنگیا جس کا پورا نام رنگا اینگار تھا انچے شامیا کا حقیقی بھائی تھا. نرسنگ راؤ سرنگاپٹم میں بلدیۂ شہر کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا. سنگیا ضلع کوئمبتور کا آصف تھا. ان تمام سازشیوں کے درمیان طے ہوا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے ہندو راج قایم کیا جائے. اس سازش کو عمل میں لانے کیلئے مندرجۂ ذیل دو تجاویز سوچی گئیں :-

(۱) موقع ملنے پر ٹیپو سلطان کو بھی میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے. یا انگریزوں سے مدد حاصل کر کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں. جس سے ٹیپو سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے.

(۲) ایک مقررہ دن خاص پایۂ تخت میں علم بغاوت بلند کر کے قلعہ پر قبضہ اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے.

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کیلئے ترمل راؤ اور شوارٹز کے معاہدہ نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ بمبئی سے انگریزی فوج کرنل ہمبرٹن کی ماتحتی میں ساحل ملیبار پر اتر چکی تھی۔ لیکن مشرقی محاذ میں ہمراٹر کوٹ نے اس تجویز سے نااتفاقی ظاہر کی۔ اور کہا کہ بمبئی کی فوج بھی مشرقی محاذ کی فوج کے ساتھ ملکر پالگھاٹ (کوئمتور) کے راستہ سے میسور پر چڑھائی کرے۔ ابھی یہ تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ٹیپو سلطان نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کرلیا۔ جو کرنل ہمبرٹن کے ماتحت تھی۔ اس لئے اس تجویز کا پہلا حصہ ناکامیاب رہا۔ اغلب گمان ہے کہ اس کی خبر بروقت سرنگاپٹم میں نہیں پہونچی۔ اور وہاں سازش کے دوسرے حصہ پر عمل شروع ہو گیا۔ اس کیلئے یہ تجاویز کی گئی تھیں کہ :۔

(۱) تنخواہ کے دن جب فوج کے مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہرہ داروں کے ذریعہ گرفتار کرکے قتل کر دیا جائے۔ یہ اس لئے ممکن سمجھا گیا کہ اس وقت فوجی سپاہی نہتے ہوتے ہیں۔

(۲) رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کرتے ہوئے خزانہ کے علاوہ تمام فوجی میگزین یعنی گولہ بارود اور ہتھیار پر قبضہ کرلیا جائے۔

(۳) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے فوج کے ہندو سپاہی اور پہرہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

(۴) ضلع کوئمتور کے آصف سنگیا کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ انگریزی فوج کی نقل وحرکت میں مدد دے۔

(۵) رنگیا برادر شامیا کے ذمہ یہ کام تھا کہ قلعہ میں جو انگریزی قیدی اسیر ہیں انہیں آزاد کرکے انکی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ (رنگیا نے اس مقصد

کے لئے دس دن پیشتر تمام قیدیوں جن میں جنرل میاتھوذ بھی تھا۔ ملاقات کی۔

(۶) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے ۲۴ جولائی ۱۷۸۴ء کا دن مقرر کیا گیا۔"

اس کے ایک دن پہلے ہندو سپاہیوں، پہرہ داروں وغیرہ کو ہتھیار تقسیم کئے گئے۔ لیکن اسی شب یعنے ۲۳ اور ۲۴ کی درمیانی شب جب قلعہ دار سید محمد خاں اپنے دفتر سے مکان کو جارہا تھا۔ تو کسی نے آکر آہستہ سے کہا کہ وہ ایک اہم راز کا افشا کرنے والا ہے۔ قلعہ دار نے نہایت توجہ سے اسکی بات سنی۔ اور فوراً اسی وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ مقرر کردیا۔ اور اس ہرکارے کو بھی گرفتار کرلیا جو انگریزی فوج کے نام خط لے جارہا تھا۔ خط کے ملتے ہی سب سے پہلے نرسنگ راؤ کو گرفتار کرلیا گیا۔ جس نے تمام حال کہہ سنایا۔ اور اس کے بعد ہی اسی شب اپنجے شامیا اور رنگیا اور دوسرے سرغناؤں کو بھی گرفتار کرکے منگلور روانہ کردیا گیا۔ ستاب رائے جو سابق قلعہ دار تھا۔ اسکو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے تو اس کو رہا کردیا گیا۔

منگلور پہونچنے پر یہ تمام سرغنے قتل کردئیے گئے۔

اس طرح یہ چوتھی لیکن رانیوں کی جانب سے تیسری سازش جو سلطنت خداداد کے خلاف تھی ناکام رہگئی۔ اور انگریزوں نے بھی ۱۷۸۴ء میں سلطان سے معاہدہ کرلیا۔ یہ عہدنامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً قبول کیا۔ اس سے جنوبی ہند میں انکے اقتدار کو سخت دھکا لگا۔ جنوبی ہند کے باشندوں اور ریاستوں میں ان کی ساکھ ختم ہوگئی۔ انگلستان میں ایک کہرام مچ گیا۔ انس منرو جو اس جنگ میں شریک تھا۔ لکھتا ہے :-

"مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ جو اس جنگ میں اٹھانی پڑیں۔"

(میسور گزیٹیر صفحہ ۲۵۰۶)

گویا اب اس معاہدہ کے بعد انگریز اپنا ذاتی انتقام بھی لینے پر آمادہ ہو گئے۔

چھٹویں سازش
۱۷۸۴ء

میسور کی دوسری جنگ جو چار سال تک رہی اور جس کا خاتمہ ۱۷۸۴ء میں ہوا۔ حیدرآباد میں نظام علی خاں اور پونا میں مرہٹوں کے دلوں میں یہ امید پیدا کر دی تھی۔ کہ اس جنگ میں سلطنتِ خداداد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید جب سلطان مظفر و منصور نکلا تو پھر ان دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کرتے ہوئے اپنی قوت آزمانی چاہی۔ اور اس کیلئے انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا۔ جو تاریخ میں معاہدۂ ایت گیر ۱۷۸۴ء کے نام سے مشہور ہے۔

(نوٹ :- یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ معاہدہ صلح نامۂ منگلور کے چند ہی دن بعد ہوتا ہے)۔

شاید مرہٹوں اور نظام علی خاں کو یہ خیال تھا کہ مسلسل چار سالہ جنگ سے سلطنتِ خداداد کی فوجی طاقت گھٹ گئی ہو۔ اس معاہدہ پر مرہٹوں کی جانب سے نانا فرنویس اور حیدرآباد کی جانب سے خود نظام علی خاں نے دستخط کئے تھے۔ حیدرآباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوی۔

کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۴۳ پر تحریر ہے :-

"جب پیشوا کو یہ علم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدۂ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت وصول چوتھ اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ ان کے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوائے کوئی اور چیز متروکہ میں نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و پر دل

ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں کے ساتھ اتحاد قایم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا"

ایت گیر کے معاہدہ کو خود نظام علی خاں کا مصنف حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر اس طرح لکھتا ہے :۔

"اس موقع پر ٹیپو سلطان کے خلاف عمل جارحانہ اختیار کرنے میں نظام علیخاں کو حق بجانب قرار دینے کیلئے صاحب توزک آصفیہ ٹیپو سلطان کی زیادتیوں کو بیان کرتا ہے اور اسکے بعد نظام علیخاں کی فہمایش۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ۱۱۹۰ھ کے اوائل میں ٹیپو سلطان نے اپنا روپیہ (جو وزن میں دو تولے اور جس میں انکے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ شامل تھا) مسکوک کر کے میسور کے علاقے میں جاری کرنیکے علاوہ ممالک محروسہ بندگان عالی میں بھی جاری کرا دیا۔ چنانچہ ایسا بہت سا روپیہ حیدر آباد میں بھی پہونچکر کرچہ بکوچہ رائج ہو گیا۔ اور یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی۔ کہ وہ بندگانعالی کے مقابلہ میں خروج کر رہے ہیں ان کے مراسلات جو اسی زمانہ میں بندگان عالی کی خدمت میں وصول ہوئے۔ اسکی تائید کرتے تھے کہ خلاف رسم قدیم اپنے باپکے طرز عمل کے خلاف انہوں نے مراسلات میں عرضی کی مد نکال کر مساویانہ طریقہ پر خطوط بھیجے۔ اور ان قلعہ جات و پرگنوں کو جنہیں ان کے باپ حیدر علی خان کھو بیٹھے تھے۔ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا"

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان نے نئے سکّے مسکوک کیا تھا اور ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انکا رواج حیدر آباد میں بھی ہوا ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا تھا کیونکہ تمام ہندوستان میں اسوقت اسکا ہم پلّہ کوئی نہیں تھا۔ لیکن صاحب توزک آصفیہ کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ ٹیپو سلطان نے حیدر آباد کے علاقہ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا۔ کیونکہ معاہدہ ایت گیر کی تاریخ ۱۰ ر مارچ ۱۷۸۴ء ہے اور صلحنامہ منگلور کی تاریخ ۱۱ ر مارچ ۱۷۸۴ء ہے۔ اور اس تاریخ تک سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا

بہر طور نظام اور مرہٹوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہ جنگ مسلسل تین سال یعنے ۱۷۸۶ء تک جاری رہی آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام علیخاں اور مرہٹوں کو شکست ہوتی ہے سلطنت خداداد کے حدود دبڑ کر آدہونی سے اس پار تین تک، ادھر مرہٹی ملک میں بلگام تک کا علاقہ سلطان کے ہاتھ آجاتا ہے۔

ساتویں سازش
۱۷۸۸ء

اس تمام عرصہ میں یعنے ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک تنجاور میں نرمل راؤ جورانیوں کا ایجنٹ تھا۔ مذکورۂ بالا جنگ کے نتیجہ کا بے صبری سے انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب جنگ کا نتیجہ اسکے حسب مراد نہیں نکلا تو اس نے پھر انگریزوں سے سازشیں شروع کر دیں۔ گو ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اندر ہی اندر سلطان کے خلاف ہندوستان اور انگلستان میں شدت سے پروپاگنڈہ کر رہی تھی۔ اسکو اپنی گذشتہ شکستوں کا انتقام لینا تھا۔ تمام انگریزی مورخین متفق ہیں کہ اس وقت انگریز اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور انکا جذبۂ عناد وحشت اور جنوں کی حد تک جا پہنچا تھا۔ چنانچہ کیپٹن لٹل اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:۔

"گذشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالا جا رہا ہے۔ جن سے ٹیپو سلطان کو بدنام کیا جا سکے۔ لغات میں ذیل سے ذیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں۔ باوجود اس کے بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں۔ اس لئے وہ نئے اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔" (سیاحت نامہ کیپٹن لٹل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لنڈن ۱۷۹۴ء)

انگلستان میں اس زمانہ میں مسٹر پٹ وزیر اعظم تھا۔ اس کو انگریزی مقبوضات

وسیع کرنیکی دھن لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوںکی ناکامی دیکھکر اس نے گورنر جنرل کے عہدہ کیلئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا۔ دونوں کے دونوں ماہر جنگ تھے۔ پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اسکی تلافی ہندوستان میں کر سکیگا۔ اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت وشہرت کو قایم رکھنے کیلئے ضرور تھا کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے۔ اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس، ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں۔

غرض جنرل میڈوز مدراس پہونچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۹۰ء میں حملہ کر دیتا ہے (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کی جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کیلئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کردی۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل وحرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا۔

کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے:۔

"اس موقع پر پردھانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے۔ اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہوگئے۔ کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے۔

اسی کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے:۔

"جب پردھانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان بیس ہزار سوار اور چالیس ہزار

پیدل سپاہ کے ساتھ درۂ گجل ہٹی کو عبور کر کے ستی منگل پر حملہ کرنے والا تھا۔ تو انہوں نے کرنل فلائیڈ کو اس کی اطلاع دیدی۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج شکست سے محفوظ ہو گئی"

باوجود اس کی جنگی فراست اور تدابیر و سازشوں کے جنرل میڈوز کو متواتر شکستیں ہوتی ہیں۔ جن سے جھنجلا کر سنہ ۱۷۹۰ء میں وہ ترمل راؤ کے ذریعہ میسور کی رانی کو خط لکھتا ہے

" جنرل میڈوز گورنر چینا پٹن (مدراس) کا سلام قبول ہو۔ آپ کا خط آپ کے ایجنٹ ترمل راؤ کے ذریعہ پہونچا اور مضمون سے آگاہی ہوی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ٹیپو کب مریگا۔ اور ملک کو اس سے نجات کب ملیگی۔ فتح خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم آپ کا ملک آپ کو واپس لیکر دیدیں تو اس سے بڑھکر ہمیں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی" دستخط ولیم میڈوز

(کتاب پرد ہانس آف میسور صفحہ ۳۰)

آٹھویں سازش
سنہ ۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس کو امید تھی کہ جنرل میڈوز کی جنگی قابلیت سلطان کو شکست دیدیگی۔ لیکن خلاف توقع جب جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں نصیب ہوئیں تو اس نے اپنے مغربی دماغ سے کام لیکر یہی مناسب سمجھا کہ ملک کی تمام طاقتوں کو یعنے نظام علی خاں (حیدر آباد) اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیکر سلطان کے خلاف جنگ کرے۔ ورنہ کوئی ایک طاقت بھی علیحدہ طور پر سلطان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حیدر آباد اور پونا میں رزیڈنٹوں کے ذریعہ سازشوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور سلطان کو ہر طرح سے بدنام کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حیدر آباد اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔

انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کی خبر جب سلطان کو پہونچی تو اس نے بھی اپنے سفیروں کو پونا اور حیدر آباد روانہ کیا۔ اور ملک کی آزادی اور سربلندئ اسلام کا واسطہ دلاکر مرہٹوں اور حیدر آباد کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہا۔ بلکہ اس نے اس معاملہ میں یہاں تک ایثار سے کام لیا کہ مرہٹوں اور نظام کے تمام مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ اور نظام الملک سے رشتہ داری کی بھی تجویز کی (اگرچہ پہلے ایک وقت جب حیدر علی نے یہ تجویز پیش کی تھی تو نظام علی خاں نے مسترد کردی تھی) کہ کسی طرح ملک و ملت کی آزادی کیلئے مسلمان متحد ہو جائیں۔ کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۵۸ پر اسکے مصنف نے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے ایلچی محمد غیاث و قطب الدین خاں و علی رضا خاں ٹیپو سلطان کے خط اور تحائف لیکر آئے۔ اور باریاب حضور ہوئے۔ نظام علیخاں چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے بھی اتحاد قایم کرلیں۔ اور ٹیپو سلطان بھی اس تخیل سے متفق تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ باہمی تعلقات میں مزید استحکام ہو۔ انہوں نے نظام علیخاں کے ساتھ سمدھاوے کے رشتۂ اتحاد کے قیام کی تحریک کی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت بر سر دربار سفیروں نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو نظام علیخاں کے چہرے سے رضامندی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ جن کو ٹیپو سلطان کے ان مخالفین نے جو حاضر دربار تھے۔ محسوس کر کے محل میں اسکی اطلاع کرادی اور ٹیپو سلطان کی غیر واقعی برائیوں کو بھی گوش گذار کرادیا۔ جس پر محل میں ایک بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور قبل اسکے کہ سفراء ٹیپو سلطان کو کوئی تشفی بخش جواب دیتے۔ نظام علی خاں کو محل میں جانا پڑا۔ جہاں محلات نے ٹیپو سلطان کی سنی

سنائی برائیوں کو دھرا کر اس رشتہ سے ناراضی ظاہر کر دی. جس سے بندگان عالی سخت متاثر ہو گئے. اور باہر آ کر اس پیغام کو اس امر کے اظہار کے ساتھ کہ وہ ایک ادنیٰ نایک کے بچے کے ساتھ قرابت قایم نہیں کر سکتے. مسترد کر دیا. اس کے ساتھ ہی نظام علیخاں نے اپنے ان ممالک کے قبض و تصرف کا سوال پیش کر دیا۔ جن پر ٹیپو سلطان متصرف تھے. اس انکار سے انگریزی کمپنی کو بڑا فائدہ ہوا. اس واسطے کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ دکن ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی رئیس اپنے نواحی رئیس سے متحد رہے. تاکہ ہر دو کی باہمی مخالفت سے فریق ثالث (انگریزی کمپنی) کو اس کا فائدہ حاصل ہو."

بہر طور انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی. اس زمانہ میں جب ٹیپو سلطان کے سفیر حیدر آباد میں مقیم تھے. ایسٹ انڈیا کمپنی کا وکیل جان کناوے بھی یہاں موجود تھا. اس نے ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائیوں سے لارڈ کارنوالس کو اطلاع دی. اور اس نے اپنی سرگرمیاں اور بڑھا دیں. نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علی خاں، ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل گیا. چنانچہ کتاب نظام علیخاں کے صفحہ ۱۶۲ پر تحریر ہے:-

"ٹیپو سلطان کے سفیروں کے حیدر آباد آنے کے بعد غالباً انگریزی کمپنی کے ہوا خواہوں کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں. جن کی تائید سے انگریزی کمپنی کو کامیابی ہو گئی."

اسی طرح پونہ میں مسٹر مالٹ کے ذریعہ سازشیں جو کی گئیں. ان میں بھی انگریزوں کو کامیابی ہوی. اور وہاں سے بھی سلطان کے سفیر ناکامیاب واپس آئے. ورنہ سلطان تو ہندوستان کی آزادی کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔

سلطان کے سفیروں کو بے نیل ومرام واپس بھیجدینے کے بعد مرہٹے اور نظام علیخاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی تاریخ ۱۷۹۰ء ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری شرط اس طرح لکھی گئی :۔

"ٹیپو باوجود ہر تین سرکاروں سے عہد کرنے کے بھی نقض عہد کیا ہے۔ اسس لئے تینوں سرکار متفق ہو کر اس کی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس میں بدعہدی کرنے کی کوئی طاقت نہ رہے۔ اور ٹیپو کا جو ملک اور مال بطور غنیمت ملیگا۔ اس کو مساوی طور پر تقسیم کر لیا جائیگا"

نوٹ :۔ یہ پورا عہدنامہ کتاب سندس انڈسٹریس کے صفحہ ۴۸ پر درج ہے۔ اور کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۶۳ پر بزبان فارسی دیا گیا ہے (محمود)

اس اتحاد ثلاثہ کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین نہیں تھا کہ جنگ میں اس کو کامیابی ہوسکیگی۔ اس لئے اس نے سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشیں کرنے کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ کرنل ریڈ کو محکمۂ جاسوسی کا افسر اعلیٰ بنا کر اسکے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ سلطان کے تمام امراء و وزراء کے علاوہ ان تمام پالیگاروں اور زمینداروں کو بھی اپنا بنا لیا جائے۔ جو سلطنت خداداد کے اندر تھے۔ ان پالیگاروں یا زمینداروں میں تو سب کے سب ہندو تھے۔ اور صرف دو اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کا نام شاہنورا اور بنگن پلی ہے۔ ان میں اول الذکر ہمیشہ مرہٹوں کی اور دوسری نظام حیدرآباد کی طرفدار رہی۔

میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ سازشیں کس وسیع پیمانے پر کی گئیں تھیں۔ سیم وزر کی بارش اور مستقبل کے وعدوں نے سلطان کے بہت سے ہندو اور مسلمان امراء و وزراء کو انگریزوں کی جانب مائل کر دیا۔ اس سے پہلے سلطان کے تمام

مسلمان و ہندو امراء و وزراء (سوائے چند ہندو افسروں کے جو میسور میں ہندو راج کے حامی تھے) سلطان کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو امراء و وزراء میں پورنیا اور کرشنا راؤ قابل ذکر ہیں اور مسلمانوں میں میر صادق وغیرہ انہیں افسروں نے حیدر علی کی وفات پر انکی موت کی خبر اس وقت تک چھپا رکھا تھا جبتک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہیں آچکے تھے۔ لیکن کرنل ریڈ کا بے پناہ پروپگنڈا اور عیاریوں نے انہیں اپنی جانب ملالیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل نوائط، سادات اور مہدوی بھی انگریزوں کی جانب مائل ہوگئے۔ نوایط کا مقصد اپنی ذاتی توہین کا انتقام لینا تھا۔ جو ان کے خیال میں سلطان کے ہاتھوں انہیں اٹھانی پڑی تھی۔ (اس کا بیان بدرالزماں خاں کے حال میں دیا گیا ہے) سادات اور مہدویوں کی مخالفت کی وجہ سلطان کے مذہبی اصلاحات تھیں جو کسی اور جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

بہرطور کرنل ریڈ کے پروپاگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو تمام سلطنت خداداد میں سلطان کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سلطان کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو ملتی رہتی ہے۔ بلکہ شہر چاپور، بالاپور) دیون ہلی وغیرہ کے باشندے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ جس کا معاوضہ آج تک بھی چراغی کے نام سے بعض خاندانوں کو مل رہا ہے۔ ان سازشوں میں کرشنا راؤ کی سازش سب سے خطرناک سازش تھی۔ جس نے جنگ پر نہایت برا اثر ڈالا۔ اس سازش کا حال ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔

"اتفاقاً (میدان جنگ میں) کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا۔ جس کے پاس محمد عباس کے نام ایک کنڑی خط تھا۔ اس جاسوس نے اس خط کو ایک بانس میں

جس کو وہ بطور عصا استعمال کرتا تھا. چھپا رکھا تھا. اس خط میں شیشا گری راؤ کا بھی نام تھا جو کرشن راؤ کا حقیقی بھائی تھا. راز کے افشا ہونے پر سلطان نے شیشا گری کو گرفتار کرنا چاہا. لیکن وہ بچکر سرنگاپٹم چلا گیا. جہاں اسکے بھائی کرشنا راؤ نے قلعہ پر قبضہ کر لینے کی سازش کی ہوی تھی۔"

اس سازش کا راز سرنگاپٹم میں سلطان کی والدہ کو معلوم ہو چکا تھا. انہوں نے سلطان کو اسکی اطلاع دیدی. یہ اطلاع سلطان کو ایسے وقت ملی. جب میدانِ جنگ میں وہ انگریزی فوج پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا. سلطان نے سپہ دار سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجا. جہاں اس نے کرشنا راؤ وغیرہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا. کرشنا راؤ نے مرتے دم یہ بالکل سچ کہا کہ :-

"میں نے جو آگ لگائی ہے. وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی۔"

غرض ان سازشوں کی وجہ سے سلطان کو ہر جگہ شکست ہوتی ہے اور وہ پایۂ تخت میں محصور ہو جاتا ہے. لیکن انگریزی پروپاگنڈا یہیں نہیں ختم ہوتا. سلطان کی اس محصوری سے فائدہ اٹھا کر اسکے خلاف رعایا میں اس سے بد دلی پھیلائی جاتی ہے.

ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

"سلطان کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔"

اس کے علاوہ لارڈ کارنوالس نے اس وقت جس حربہ سے کام لیا. اس کا ادنےٰ نمونہ اس سے نظر آسکتا ہے کہ :-

"ایام محرم میں اس نے سلطان کی تمام مملکت میں منادی کر دی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے. اس لئے جو مسلمان محرم مناتا اور شیر، ریچھ وغیرہ کا سوانگ بھرنا

چاہیں خوشی سے بھریں. بلکہ اس نے یہاں تک کیا کہ ان سوانگ بھرنے والوں کو انعامات دیتا اور کھڑے ہو کر علموں کی تعظیم کرتا تھا. جس کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگے کہ انگریزی قوم اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے بھی اچھی ہے"۔

(تاریخ حمید خانی)

(نوٹ :- سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی اصلاحات کے سلسلہ میں محرم کی ان بدعات کو جو جنوبی ہند میں شیعی سلطنتوں یعنے احمدنگر اور بیجاپور کے زمانہ سے رائج تھیں بند کر دئے تھے۔ اس کا مفصل بیان سلطان کے مذہبی اصلاحات میں دیا گیا ہے)

غرض یہ تھا وہ پروپاگنڈا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطان کے خلاف کام لیا اور اسکی وجہ سے سلطان کو شکست ہوی. اور سرنگاپٹم کا معاہدہ لکھا گیا۔

نوٹ :- یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج بھی یوروپین اقوام اسی پروپاگنڈہ سے کام لے رہی ہیں. اور اس میں انگلستان کو جو ید طولی حاصل ہے. اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کے پروپاگنڈہ سے نپولین اعظم ایسے شہنشاہ نے پناہ مانگی تھی ۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم میں قیصر جرمنی اس کی تاب نہ لاسکا. ترکان احرار، حجاز و عراق چھوڑنے پر مجبور ہو گئے. غازی امان اللہ خان کو افغانستان کے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا. لہذا اگر اقتدار سلطانی کو بھی لارڈ کارنوالس کے بے پناہ پروپاگنڈہ سے صدمہ پہونچا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو ایک ایسی اجنبی قوم سے سابقہ پڑا تھا. کہ جنگی چالوں کی گہرائیوں تک پہونچنا ان کے لئے سخت مشکل تھا. اس وقت ایک سلطان ہی تھا. جس کی نظروں میں اس قوم کی سیاست پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی. مگر افسوس! اس وقت سلطان کی شخصیت کا سمجھنے والا ہی کون تھا. اغیار تو اغیار ہی تھے. اپنے پرایوں سے بھی بدتر ثابت ہوے (محمود)

اس تیسری جنگ کے بعد سلطان کو بھی پتہ لگ گیا کہ اسکی شکست اسکے غدار امراء و وزراء کی رہین منت ہے۔ لیکن وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے عفو و ترحم سے کام لے کر تمام کو معاف کرتے ہوئے ملک کی آزادی کیلئے ہر ایک سے مسجد اعلیٰ میں قسم لی۔ لیکن جس طرح کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"ان نمکحراموں کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے اپنی سازشوں کو نہ چھوڑا"

اور جب میسور کی چوتھی جنگ چھڑ گئی۔ تو انہوں نے نہایت فراخ دلی سے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اگر مقامی روایات پر اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کی ہوی تھی تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریزی افسروں کو پلاؤ اور مٹھائی پکا کر بطور تحفہ بھیجے جاتے تھے۔

میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر تمام امراء وزراء اور افسروں سے قسم لینے کے بعد سلطان مطمئن ہو گیا۔ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی۔ کہ ملک کا انتظام رعایا خود اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اور آپ نئے سرے سے بری اور بحری فوجی تنظیم اور ملک کی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کے وسائل سوچنے میں منہمک ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے پھر ایک بار کوشش کی کہ سر بلندئ اسلام کیلئے تمام مسلمانوں کو متحد کرے۔ اور ادھر ہندوستان کی آزادی کیلئے تمام ہندوستانی رئیسوں کو متفق کرلے۔

نویں سازش
۱۷۹۶ء

سرنگاپٹم کو فتح کئے بغیر کارنوالس کی واپسی سے اس جماعت کو جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتی تھی۔ مایوسی ہو گئی۔ اس کا اظہار رانی نے اپنے خط میں اس طرح کیا ہے:۔

"... گورنر اور انگریزوں سے عرض کیجئے کہ اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو

نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے فرانس والوں کو پہونچنے سے پیشتر سلطان سے بھگت لیں۔ انگریزی فوج جس راستے سے بھی بڑھے گی۔ اس کو سامان رسد اور پانی افراط سے ملیگا۔ اور ہم اپنی جانب سے ایک کروڑ روپیہ بطور اخراجاتِ جنگ ادا کریں گے (اقتباس از کتاب پروبانس آف میسور صفحہ ۳۶)

رانی نے یہ خط ترمل راؤ کو ۱۷۹۶ء میں لکھا تھا۔ اس وقت کمپنی کا گورنر جنرل سر جان شور تھا۔ اس نے اس خط پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو افسوس کے ساتھ لکھا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ٹیپو کی روز افزوں طاقت کو توڑ نہ سکا" (تاریخ بامو)

سر جان شور کے مذکورۂ بالا جملہ میں الفاظ "روز افزوں طاقت" بے وجہ استعمال نہیں ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ تیسری جنگ کے بعد سلطان کے دل میں بھی انگریزوں سے انتقام لینے کی آرزو پیدا ہوگئی تھی۔ اور وہ بحری اور بری طاقت کو ترقی دینے میں حد درجہ مصروف ہوگیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے نئے سرے سے پھر آزادئ ہند اور اتحادِ بین المسلمین کی کوششیں کرنے لگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس سے غافل نہیں تھی۔ اور اس کی خوش قسمتی سے سر جان شور کے عوض لارڈ ولزلی گورنر جنرل بنکر آیا تھا۔ جو انگلستان ہی سے سلطان اور فرانس والوں کے خلاف جذبات لیکر آیا۔ ہندوستان پہونچتے ہی اس نے ایک طرف تو میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط وکتابت شروع کردی تو دوسری طرف مرہٹوں اور نظام علی خاں کو اپنی جانب ملا لینے کی کوشش شروع کردی۔ لارڈ ولزلی کو اس وقت بہت زیادہ خوف نپولین سے تھا۔ جو اس وقت مصر آچکا تھا۔

بہر طور لارڈ ولزلی کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ نظام علیخاں ٹیپو سلطان کے خلاف

فوج کشی پر آمادہ ہوگیا۔ اس معاہدہ پر حیدر آباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے دستخط کیا۔
سلطان کو جب ولزلی کی اس جد وجہد کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی جانب سے نظام علیخاں اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لینا چاہا۔
ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

"اس سلسلہ میں ہندوستان کی کوئی چھوٹی یا بڑی ایسی ریاست باقی نہیں رہی جہاں ٹیپو سلطان کے ایلچی اور خطوط نہ پہونچے ہوں۔ نیپال، کشمیر، جے پور، اور جودھ پور کی چھوٹی ریاستوں میں تک سلطان کے خطوط پائے گئے"۔

ان خطوط میں اس نے ہندوستان کے تمام رئیسوں کو ہندوستان کی آزادی کا واسطہ دیکر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف صف آرا کرنا چاہا۔ لیکن ملک کی قسمت بدل چکی تھی۔ کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس کے برخلاف حیدر آباد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فوجوں سے مدد کی۔ کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدر آباد کے صفحہ ۴۲ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے :-

"یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ صرف اپنے منتزعہ حصۂ ملک کو انگریزوں سے واپس لیں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کریں۔

بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہوسکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دئے۔

اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریسیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علیخاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔"

ایک طرف تو لارڈ ولزلی حیدر آباد سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اور اسی وقت دوسری طرف سلطان کے خلاف سازشوں کا وسیع جال پھر ایک بار بچھایا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے ایک خط میں اس نے مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:۔

"چونکہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لفٹنٹ کرنل آگنیو، کپتان ماکم، اور کپتان مکالے کو تجویز کرتا ہوں۔"

ان افسروں نے سازشوں کا جو وسیع جال پھیلایا اور جو بے پناہ پروپاگنڈہ کیا۔ اس میں پھر سلطان کے ہندو مسلمان افسر پھنس کر رہ گئے۔ ۱۷۹۲ء کی جنگ نے میدان صاف کر رکھا تھا۔ زیادہ جد و جہد کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ نظام سے معاہدہ اور سازشوں کے انتظام سے فارغ ہونیکے بعد انگریزی اور حیدر آبادی فوجیں سرحد سلطنت خداداد پر بڑھتی ہیں۔ ان سازشوں کا اثر جو کچھ ہوا۔ اس کے متعلق خاص حیدر آباد کی تاریخ "نظام علیخاں" کے صفحہ ۲۱۶ پر اس طرح لکھا گیا ہے:۔

"واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزعہ ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں۔ چنانچہ قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی انکو صحیح خبریں نہیں پہونچائی جاتی رہیں۔ اور مقابلہ سے پہلو تہی کرتے رہے۔"

کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے سلطنتِ خداداد کا زوال کوئی تعجب انگیز ہے؟

آخر میں مورخ اس حقیقت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظام علیخاں، مرہٹے، والاجاہ محمد علی اور میسور کی رانیوں کا چاہے اس وقت کچھ بھی خیال ہو۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال صرف اپنی ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا۔ اس کو کسی سے ہمدردی نہیں تھی۔ یہ لارڈ ولزلی کی ایک پالیسی تھی کہ سلطان کی شہادت کے بعد اپنے سیاسی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے میسور میں ہندو راج قایم کیا گیا۔ ورنہ اگر لارڈ ولزلی کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان باجگذار بنجاتا تو ہندو راج کبھی قایم نہ ہو سکتا۔

اب ذیل میں سلطان کے امراء و وزراء کے ذاتی حالات دئے جاتے ہیں۔ جو سازشوں میں آلۂ کار بنکر سلطنت خداداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

میر صادق

پہلے سرا میں مقیم تھا۔ بعد میں ارکاٹ چلا گیا۔ جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنت حیدری میں ملازم ہو گیا۔ ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا۔ عہد سلطانی میں آصف کے درجہ پر ترقی پائی۔ بعد اسکے سلطان کا چیف سکرٹری اور وزیر بنا۔ میسور میں عام طور پر مشہور رہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سیّد تھا۔ (نوٹ: لغت میں لکھا ہے کہ میر فارسی لفظ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کیلئے بجائے سیّد کے جو عربی لفظ ہے۔ میر کا خطاب اختیار کر لیا۔)

دشمنی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایکدفعہ اس کو معزول کر دیا تھا لیکن بعد میں پھر بحال کر دیا۔ لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا در پردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔"

ولکس اور بورنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"میسور کی تیسری جنگ کے بعد اس نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ رعایا کو سلطان سے بددل بنا دیا جائے۔"

یہ کہیں لکھا جا چکا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے جو اصلاحات جاری کیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے ملک میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) قائم کرتے ہوئے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدیا تھا۔ سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا تھا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیگی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی۔ اور رعایا حکومت کو اپنی سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی میں ساعی رہیگی۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ:۔

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بے کار بنا دیا تھا۔"

اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ:۔

"یہ میرزادہ جب کبھی سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ اس لئے سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف بحوالۂ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"میر صادق سلطان تک کوئی خبر پہونچنے نہیں دیتا تھا۔"

اسی لئے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں سلطان کو شکستیں اٹھانی پڑیں۔ سرنگاپٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنے ۴ رمے کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ کو اندر سے بند کرا دیا۔ اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آکر انگریزوں سے صلح نہ کرلے۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد اسی غدار نے

فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کردی۔ اور سلطان شہید ہوگیا۔ میر صادق کی اس سازش کا ثبوت اس تصویر سے بھی ملتا ہے۔ جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ سلطان کے آگے میر صادق گھوڑے پر ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ "سلطان یہی ہے"۔ اس تصویر میں اور غداروں کو بھی بتلایا گیا ہے۔ جو داہنے اور بائیں سے انگریزی فوج کو اشارہ کرتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ سلطان یہی ہے۔ یہ تصویر کرنل ولزلی کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

نوٹ :- میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے وہ بالکل سطحی ہے۔ اسکی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالہ کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔ چونکہ یہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کا دن ہی مارا گیا اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا ہوا رہ گیا۔ (محمود)

میر غلام علی (لنگڑا)

جب نواب حیدر علی کے ہاتھوں ارکاٹ پر تباہی آئی تو میر صادق کا یہ دست بازو میر غلام علی بھی نواب کی سلک ملازمت میں داخل ہوگیا۔ مذہبًا شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ عہد سلطانی میں قلعہ جات اور افواج کا ناظر اعلیٰ (انسپکٹر جنرل) تھا۔ بعد میں میر یم (لارڈ آف دی ایڈمیر لٹی) اور وزیر بنا۔ میر غلام علی حد درجہ طرار اور چالاک و تیز فہم تھا۔ اس کی یہی تیز فہمی تھی۔ جس کے سبب سے اس کو سفیر بنا کر سلطان ترکی کے دربار میں اور دیگر مقامات پر بھیجا گیا۔ حاضر جوابی میں شہرۂ آفاق تھا۔ چنانچہ ایک وقت جب یہ قسطنطنیہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا تو بارش

آگئی۔ بارش سے پناہ لینے کیلئے یہ بھاگنے لگا۔ ساتھ والے ترکی افسر نے کہا کہ:۔

"بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ اس سے کیوں بھاگے جا رہے ہو؟"

اس کی حاضر جوابی ملاحظہ فرمائیے۔ جواب دیتا ہے:۔

"واقعی بارش رحمت الٰہی ہے۔ مگر میرا بھاگنا اس سے یہ مقصد رکھتا ہے کہ کہیں رحمتِ الٰہی قدموں تلے نہ آجائے۔ اور یہ اس کی بے حرمتی کا باعث ہو؟"

غلام علی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ سے براہِ مصر و عرب واپس ہو رہا تھا تو شریف مکہ نے کاروانِ سلطانی کا جاہ و تجمل دیکھکر غلام علی سے یہ تجویز کی کہ سفارت کے خزانے میں جو روپیہ ہے وہ بطور قرض دیا جائے۔ غلام علی نے سمجھ لیا کہ شریف اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے رہیگا۔ اس لئے اس نے ایک جعلی خط بنا کر چند آدمیوں کو باہر بھیجدیا۔ یہ لوگ اس جعلی خط کو جو غلام علی کے نام تھا۔ لیکر مکہ پہونچے۔ یہاں حسب توقع شریف مکہ نے ان نوواردوں کی تلاشی لی اور یہ خط برآمد ہو گیا۔ خط بظاہر سلطان کی جانب سے تھا۔ اس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ خدا کے فضل و کرم سے تمام ہندوستان فتح ہو گیا ہے۔ اور ایک زبردست فوج سے عنقریب ساحل عرب پر حملہ کیا جائیگا۔ تا کہ اماکنِ مقدسہ پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ رہے۔ اس خط کو دیکھ کر شریف مکہ کے عزم و ارادے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلکہ اس نے غلام علی کی حد درجہ تواضع کرنا شروع کر دی۔

اس کے لنگڑے ہونیکا سبب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حد درجہ متکبر اور خوددار تھا۔ کبھی کسی کے آگے جھکنا اس کو گوارا نہیں ہوا۔ اس خیال سے اس نے کوئی دوا استعمال کر کے پیر خشک کر لیا۔ جب کبھی دربار میں آتا تو چوکی میں بیٹھکر آتا۔ اس لئے انگریزوں میں اس کا نام "غلام آف دی سلور چیر" (نقرئی چوکی کا غلام) مشہور تھا۔

نواب حیدرعلی کے زمانہ کی طرز معاشرت کچھ اور تھی۔ اور سلطانی دربار کا جاہ وجلال کچھ اور ہی تھا۔ اور یہی وجہ اسکے پیر خشک کر لینے کی تھی۔ کہ دربار میں تعظیم بجالانے سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ لارڈ کارنوالس سے شرائط طے کرنے کیلئے میر غلام علی ہی کو منتخب کیا گیا تھا۔ جب یہ انگریزی کیمپ میں آیا تو طلائی چوکی پر آیا خیمہ میں جہاں لارڈ کارنوالس مرہٹہ سردار اور میر نظام علی خاں تھے۔ چوکی سے اتر کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ لنگڑا ہے۔

قسطنطنیہ سے جس وقت واپس آیا تو اسکے خلاف شکایت ہوی کہ بہت سا سامان تحائف جو سلطانِ ترکی نے سلطان کو بھیجا تھا۔ چھپا رکھا ہے۔ سلطانی حکم سے خانہ تلاشی ہوی۔ اور اسباب بھی مل گیا۔ جس پر غلام علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ غلام علی جب قسطنطنیہ گیا ہوا تھا۔ تو اس نے سلطان کے منصوبوں سے وہاں کے انگریزی سفیر کو اطلاع دیدی تھی۔

چند دن کی نظر بندی کے بعد سلطان نے عفو و حلم سے کام لیکر معافی دیدی۔ اور اس کو وزیر بحر بنالیا۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ پارسنس لکھتی ہے کہ :۔

"سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا"

لیکن باوجود نوازش ہائے سلطانی کے میر غلام علی اپنی نظر بندی کیلئے سلطان سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اور اسکی دشمنی یہاں تک ترقی کر گئی کہ شہادت کے بعد جب سلطنت کی تقسیم ہونے لگی اور سلطان شہیدؒ کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے کی تجویز زیر غور ہوی تو کمیشن کے روبرو یہی غلام علی تھا جس نے :۔

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

کہکر سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کر دیا۔

نوٹ :- اس جملہ سے اسکے خبث باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ اپنے آقا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے اسکے بچوں کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ ان غداروں کو خوف تھا کہ اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو دیگئی تو اس غداری کا انتقام ضرور لیا جائیگا (محمود)

اس کی قبر اسی کے بنائے ہوئے مقبرے میں موجود ہے۔ مقبرہ بالکل سادہ اور ویران پڑا ہوا ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ بڑی قبر غلام علی کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے یہ بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ وضع پر بنی ہوی تھی۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ مس کاٹلنس ای پارسنس نے بھی ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ یہاں صرف زنانہ قبریں ہیں۔ اس لئے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی قبر ویلور یا حیدرآباد میں ہوگی۔ جہاں اسکے عزیز واقربا ابھی موجود ہیں۔ لیکن اب حال میں جب مصنف نے ۱۹۳۹ء میں یہاں جاکر دیکھا تو بڑی قبر مردانہ وضع پر بنی ہوی ہے۔ اس سے دس سال پہلے یہ قبر زنانہ طرز کی تھی۔

غلام علی غالباً انتزاع سلطنت کے دس بارہ سال تک بھی زندہ رہا۔ کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۹ء میں اس کو سرنگاپٹم میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتے تھے۔

بدر الزماں خاں نائطہ

کرنل ولکس لکھتا ہے :-

" اہل نوائط ارکاٹ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم آئے اور حیدر علی کی ملازمت قبول کرلی۔ سب سے پہلے حیدر علی کے افسروں میں انہوں نے

ہی بددلی پھیلائی۔ فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اہل نوائط میں آداب نشست و برخاست و آداب گفتگو وغیرہ کا حد درجہ خیال رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے حیدر علی کے زمانہ ہی میں درباری آداب وغیرہ میں انقلابات پیدا کر دیئے۔ اس سے پہلے حیدر علی کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔ اہل نوائط کو اپنے ذاتی حسب و نسب پر بہت بڑا فخر ہے۔"

بدرالزماں بن مراد خاں بھی اہل نوائط سے تھا۔ حیدر نگر کا گورنر مقرر ہوا۔ بعد میں سلطان کا وزیر بن گیا۔ بدرالزماں اور دوسرے اہل نوائط سلطان سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ سلطان نے بدرالزماں کی بیٹی کا نکاح اپنے نسبتی برادر برہان الدین سے کرنا چاہا۔ اس کو اہل نوائط نے اپنی توہین سمجھی۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خود کشی کر لی تھی۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہل نوائط کو سلطان کا دشمن بنا دیا۔ وہ جوش انتقام میں تڑپ رہے تھے۔ **اپنی عالی نسبی کے آگے ایک اسلامی سلطنت کی ہستی بھی کچھ چیز نہ سمجھی گئی۔**

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میر صادق نے سلطان سے اسکی شکایت کرتے ہوئے اس کو پندرہ دن تک نظر بند کرادیا تھا لیکن سلطان نے پھر معافی دیکر اس کو وزیر بنا لیا۔

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبۂ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا تو مہدی علی نائطہ نے عید گاہ کا مورچہ غداری کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان چیلدرگ جانا چاہا تو بدرالزماں نے اس کو جانے سے روک دیا۔ اس لئے میسور کے مسلمان اس سلطنت کی تباہی کے ذمہ دار تمامتر اہل نوائط کو گردانتے ہیں۔

زوال سلطنت کے بعد بدرالزماں خاں ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ ولکس اپنی تاریخ مرتب کرنے میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ اسکی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔

میر معین الدین

تمام انگریزی تاریخوں میں اس کا نام صرف سید صاحب لکھا گیا ہے۔ اور اسی نام سے مشہور بھی تھا۔ نواب حیدرعلی کی ملازمت میں آنے سے پیشتر کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدہ پر مامور تھا۔ میسور کی پہلی جنگ کے بعد سلطنت خداداد میں ملازم ہوا۔

مورخ رئیس لکھتا ہے :-

"نواب حیدرعلی کے وقت اس (میر معین الدین) نے غداری کر کے مرہٹوں سے مل گیا تھا۔ اور اس کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی"

مرہٹوں کے جانے کے بعد حیدرعلی نے اس کو معاف کر دیا۔

نوٹ :- گرم کنڈہ۔ گرم کنڈہ نواب حیدرعلی کی جاگیر تھی۔ نواب بسالت جنگ جب سرا کی صوبہ داری حیدرعلی کو دلوادی تو یہ جاگیر بھی حیدرعلی کے نام لکھدی تھی۔ لیکن ولکس لکھتا ہے کہ گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانے سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ میر علی رضا نواب حیدرعلی کے نسبتی برادر تھے۔ یعنے حیدرعلی نے میر علی رضا کی حقیقی بہن سے شادی کی تھی۔ جب میر علی رضا کی محمود بندر میں شہادت ہوگئی تو اس جاگیر کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا گیا۔

گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ جنگی نقطۂ نظر اور اس کے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور و پائین گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ یعنے جو طاقت بھی اس پر قبضہ رکھتی تھی۔ اس کے لئے آسان تھا کہ میسور و کرناٹک پر اپنا اثر ڈالے۔ میر معین الدین اس قلعہ کی جنگی اہمیت سے واقف

اور اپنی ایک علیحدہ حکومت قایم کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے مرہٹوں سے سازش کی تھی
میسور کی چوتھی جنگ میں بھی یہی ہوا۔ یعنے اس جاگیر کی ہوس میں اس نے سلطان سے غداری کی۔
یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب حیدر علی نے اسکو معاف کرتے ہوئے پھر اس کو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ میں یہ نہایت وفادار رہا۔ اسکی یہی وفاداری کی وجہ تھی۔ کہ سلطان نے اسکو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی ۔ ۱۷۹۵ء میں سلطان نے اسکی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے نکاح کیا۔ اس بیگم سے ۱۷۹۶ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن چند ہی دن بعد زچہ اور بچہ کا انتقال ہو گیا۔

میسور کی تیسری جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے وفادار کون اور غدار کون ہیں۔ میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں نے ان تمام وفاداروں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ انگریزوں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ میر معین الدین اور میر قمر الدین گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں ہیں۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس جاگیر کے وعدے پر اس کو اپنا بنا لیا۔ اور اس نے پورنیا سے مل کر وہ غداری کی جو اگلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ یعنے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر میں پورنیا کا شریک ہو کر فوج کو فصیل قلعہ پر سے ہٹا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ پر قابض ہو گئی۔

میر قمر الدین

میر علی رضا (گرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اور اس لحاظ سے گویا سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا۔ گرم کنڈہ کی جاگیر پر شروع ہی سے اسکی نظر تھی۔ بلکہ اس کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ خود سلطنت خداداد کا حکمران ہونا چاہتا تھا۔ جس کے لئے اس نے کوششیں بھی کیں۔ اسی ہوس میں میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں یہ بھی انگریزوں سے

مل گیا۔ اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی۔

نوٹ:۔ یہاں یہ کہا جائیگا کہ جب میر معین الدین اور میر قمرالدین دونوں گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں تھے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں سے ایک ہی جاگیر کے متعلق کس طرح معاہدہ کیا ہوگا۔ لیکن مغربی سیاست اور تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان وعدوں کی معنی کیا ہوتے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں فلسطین کے معاملہ کو ہی لیا جائے۔ تو یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انگلستان کی حکومت نے اس ملک کا ایک ہی وقت میں یہودیوں سے بھی وعدہ کیا تھا اور عربوں سے بھی۔ اس کو اگر مدنظر رکھا جائے تو معین الدین اور قمرالدین سے ایک ہی وقت میں گرم کنڈہ کا وعدہ کرنا کوئی تعجب خیز نہیں رہتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معین الدین سے کوئی اور وعدہ کیا گیا ہو۔ لیکن اسکی اسی وقت موت نے اس راز کو یونہی سربستہ رکھدیا ہے۔ اور قمرالدین نے گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کرلی۔ (محمود)

میر قمرالدین کی غداری کی وجہ کرمانی یوں لکھتا ہے:۔

"میر قمرالدین کی غداری کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ وہ سلطان کی دختر کا خواستگار تھا لیکن سلطان نے اس رشتہ کو منظور نہیں کیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اس غدار کے دل میں سلطان کے خلاف عناد پیدا ہوگیا۔ اور اس نے سلطان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔"

قمرالدین کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ فتح نرکنڈہ کے وقت حیدرآباد سے خط وکتابت کررہا تھا۔ جس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے حضور سلطانی میں کی تھی۔ اور سلطان نے چند دن کیلیے اسکو نظربند کردیا (کرمانی)، لیکن کرنل ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۱ پر ایک اور واقعہ لکھتا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"جس وقت سلطان ادہونی پر حملہ کررہا تھا۔ تو سراج الدین محمود خاں مفتی ارکاٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور انکا جنازہ تزک واحتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا۔ تمام ملک

بیں یہ خبر پھیل گئی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر ہندوستان بھر میں اس سرعت سے شہرت پذیر ہوئی کہ مسٹر مکفرسن جو عارضی گورنر جنرل تھا۔ میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے۔ جس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی تو اس وقت میر قمرالدین جو کسی اور جگہ تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو اپنی جانب ملا کر خود تخت نشین ہونے کیلئے سرنگاپٹم آیا۔ سلطان نے بمشکل اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس موقع پر سلطان نے قمرالدین کو دو سال تک نظر بند کر دیا۔"

میر قمرالدین کو یہ بھی حسد تھا۔ کہ سلطان کے پاس برہان الدین کی (جو سلطان کا نسبتی برادر تھا) بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ سلطان نے برہان الدین کا درجہ بڑھا کر اس کو بھی سپہ سالار اور قمرالدین کا ہم رتبہ بنا دیا تھا۔

برہان الدین سے اس کو اس لئے بھی عداوت تھی کہ اس نے فتح ترکنڈہ کے وقت اسکی سازش سے سلطان کو آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر اس نے میسور کی چوتھی جنگ میں اس غداری سے کام لیا۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں آچکا ہے۔ یعنے میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بمبئی سے آنیوالی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کے عوض اس فوج کو قلعہ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ اور سلطان کی شہادت تک بھی باوجود قلعہ سے باہر رہنے کے کچھ کارروائی نہیں کی۔

نوٹ :- میر صادق کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر کرنل ولزلی نے آخری سازش کی جو تصویر اپنے حکم سے کھنچوائی تھی۔ اس میں جہاں میر صادق کو سلطان کے روبرو بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی تصویر میں سلطان کے بائیں جانب میر قمرالدین کو سبز لباس میں گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اس کو توہین سے بچانے کیلئے عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلطان کے

پیر کی تصویر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ کوئی نام بتلایا جاتا ہے اور نہ کوئی ثبوت دیا جاتا ہے۔ میدانِ جنگ اور سازش میں سلطان کے پیر کو سلطان کے ساتھ بتلانے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ صرف قمرالدین کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے۔ یہ تصویر حقیقت میں میر قمرالدین کی ہے۔ میر قمرالدین ایک نہایت قوی اور گرانڈیل جوان تھا۔ اس کا ثبوت اس تصویر سے ملتا ہے ونیز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی کتاب سرنگاپٹم میں بھی اس تصویر کو میر قمرالدین کی تصویر ہی بتلایا گیا ہے۔

میر قاسم علی بن پٹیل میر نورالدین

اسکی تمام عمر ملازمت سلطانی میں بسر ہوئی اس کا وطن ریاست حیدرآباد کی سرحد پر تھا۔ اور یہ بھی میر صادق و میر غلام علی کی طرح عجمی النسل اور مذہباً شیعہ تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم علی سلطان سے رخصت لیکر اپنے وطن جاتا ہے۔ اسکے جانے کے بعد میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ وہ بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔ جس پر احکام جاری ہوئے کہ اس کو پکڑ کر واپس لایا جائے۔ اس کو واپس لایا گیا۔ تلاشی پر اسکے پاس کوئی مال نہ نکلا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا کہ وطن جا کر آئے۔ مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف عناد بیٹھ گیا۔ اور وہ انتقام کیلئے موقع کا منتظر تھا۔ واپس آنے کے بعد اس کو سرنگاپٹم کی قلعداری پر مامور کیا گیا۔

چند سال بعد یعنے اپریل ۱۷۹۸ء میں قاسم علی نے سلطان سے اجازت چاہی کہ وطن جا کر اپنے آخری ایام وہیں بسر کرے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلطان نے ایک دن دربار عام میں میر قاسم علی کو مخاطب کر کے فرمایا :-

"تم نے اپنے بادشاہ سے نمک حلالی کی ہے۔ تمہارا سلطان تمہاری وفاداری سے

خوش ہے۔ اور اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جاکر آرام کی زندگی بسر کرو۔ جو لوگ کہ نمک حلالی اور وفاداری سے ملازمت کرتے ہیں انکی قدر دانی لازمی ہے۔ اس لئے سلطان کے دل میں تمہاری قدر و منزلت ہے۔ کہ آئندہ یہ نہ کہا جائے۔ کہ سلطان کے نزدیک تمہاری قدر نہیں تھی" (میڈوز ٹیلر)

اس خطاب کے بعد سلطان نے اپنے دستِ خاص سے میر قاسم علی کو دو زریں شال ایک ڈوپٹہ، ایک مرصع زیور، ایک گھوڑا (خاص سلطانی اصطبل کا) ایک مرصع تلوار اور ایک ڈھال عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"تمہارا سلطان وفاداروں کی قدر دانی کرتا اور انعام بھی دیتا ہے"

میر قاسم علی آداب بجالاکر رخصت ہوا۔

نوٹ :- عجب نہیں کہ میر قاسم علی کا اس وقت وطن جانے کی درخواست کرنا پورنیا، میر صادق و دوسرے غداروں کے ایماء سے ہو۔ (محمود)

یہ وہ وقت تھا کہ انگریزی سازشوں کا جال ہر طرف پھیل رہا تھا۔ میر قاسم کو موقع ملا کہ سابقہ توہین کا بدلہ لے۔ سلطان کے اس الطافِ شاہانہ و قدر دانی کا بدلہ جس طرح اس نمک حلال میر زادے نے دیا۔ وہ میڈوز کی اس تحریر سے ظاہر ہے :-

"میر قاسم علی، بجائے حیدر آباد جانے کے انگریزوں سے جاکر ملتا ہے۔ اور انکی فوج کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے۔ جہاں سے انگریزی فوج ہم پر حملہ آور ہوئی۔ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو جس شخص نے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا۔ وہ یہی میر قاسم علی تھا۔"

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں
جس نے دی تعلیمِ غدّاری وہ پیغمبر ہوں میں



پورنیّاؔ



میر صادق در یا دولت باغ کی ایک تصویر سے

بوجہل وبولہب کے اس ذریات کی کارروائی اسی پر منتہی نہیں ہوتی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہوچکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہوکر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا۔ اور اسکی رہنمائی کیلئے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ شخص میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

غرض اس تمام سازش کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمکحراموں کی کارروائی پر اعتمادِ کلی تھا۔ کہ وہ سلطان کو ضرور دھوکہ دینگے۔ اس لئے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ:۔

"جبتک سرنگاپٹم پر قبضہ نہ ہو جائے۔ صلح کی گفتگو نہ کرے۔"

اپنے اس خط میں لارڈ ولزلی لکھتا ہے:۔

"اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی قسمت کا دروازہ ہمارے لئے کھل جائیگا۔"

جنرل ہارس نے سلطان کو جو شرائط بھیجے وہ کامل اطاعت کے تھے۔

اگر مندرجہ بالا سطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے پیشتر ہی لارڈ ولزلی کو اس سازش کی کامیابی کا کسدرجہ یقین تھا۔

پورنیا نواب حیدر علی کے زمانہ میں سلک ملازمت میں داخل ہوا۔ کمسریٹ (ٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ اسکے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا۔ بہ حیثیت دیوان اور وزیر مالیات سلطنت کے کل محکموں پر اسکو دسترس حاصل تھی۔

اس لئے اکثر غدار اس کے اشاروں پر رقصاں تھے۔ سلطان کے محکمۂ جاسوسی کو بیکار کرنے اور اخیر حملے کے وقت تنخواہ تقسیم کرنے کی غرض سے فوج کو علم بتیری سے عین وقت پر ہٹا کر جو غداری اس نے کی اس کا حال آگے آچکا ہے۔

پورنیا کے حال میں ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"پورنیا ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچنا پلی میں موضع تروکمبور میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کا نام کرشنا چاری ہے۔ اور ماں کا نام لکشمی اما۔ پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اس وقت اس کا باپ فوت ہو گیا۔ خاندان بالکل غریب تھا۔ اس لئے گذر اوقات کے لئے اسکی ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ جس کا نام ونکٹا راؤ تھا۔ ۱۷۶۰ء میں یہ خاندان تروکمبور چھوڑ کر ستی منگل میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنئے (رنگیا) کی ملازمت کر لی۔ اس بنئے کے تعلقات سرنگاپٹم کے ایک اور بنئے سے تھے۔ جو محلات شاہی سے تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ ان تعلقات کی وجہ سے پورنیا اکثر سرنگاپٹم آیا جایا کرتا تھا۔ اور بعد میں اسی بنئے انند استی کے پاس ملازم ہو گیا۔ اب اسکی آمد و رفت محلات شاہی میں ہونے لگی۔ یہاں داروغۂ محلات شاہی کرشنا راؤ سے اسکی شناسائی ہو گئی۔ جس نے نواب حیدر علی سے سفارش کر کے اس کو سرکاری ملازمت دلوادی۔ یہاں سے اسکی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ اس کو نوبت، نقارہ، پالکی و عماری کے علاوہ طلائی چتر پکڑنے کی بھی اجازت تھی۔"

بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ جب اسکے حال پر سلطان کی اس قدر نوازش تھی تو

اس نے غداری کس وجہ سے کی۔ ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۳۳۱ پر لکھتا ہے :۔

"میسور کی رانی لکشمانے اس سے درخواست کی کہ میسور میں دوبارہ ہندو راج قایم کرنے میں وہ (پورنیا) اسکی مدد کرے تو وہ اس تجویز کا مخالف نہیں تھا۔ لیکن اس نے کھنڈے راؤ جیسی کھلی بغاوت بھی نہیں کی۔ اسکی اس پالیسی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کو میسور کا دیوان منتخب کیا۔ اور رانی نے بھی قبول کر لیا۔"

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پورنیا کی غداری کس قدر گہری تھی۔ اخیر وقت تک بھی سلطان کو اسکے خیالات کا پتہ نہ چل سکا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے اپنے اخیر وقت میں سلطان کے نام ایک خط لکھا تھا۔ جس میں سلطان کو تاکید کی تھی کہ پورنیا اور میر صادق کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ ان پر اور نوازشیں کرنی شروع کر دیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان نمک حرام غداروں کی وجہ سے اسکی سلطنت تباہ ہو گئی۔

ماڈرن میسور کی اس تحریر سے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پورنیا کے دل میں ہندو راج قایم کرنے کا شروع ہی سے ارادہ تھا۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ملازمت کیلئے اسکی سفارش کرشن راؤ نے کی تھی۔ اور جب کرشن راؤ کے آخری جملہ پر "دین نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے بجھ نہ سکیگی" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کرشن راؤ کو پورنیا پر کامل اعتماد تھا۔ کہ اسکے بعد پورنیا ضرور سازش کو کامیاب کر کے رہیگا۔ یہ تمام سازشیں سری رنگا کے مندر میں ہوتی تھیں۔ ایک مصنف نے بالکل صحیح لکھا ہے "اگر اس بت کی زبان ہوتی تو وہ کہہ سکتا کہ کس قدر راز اسکے سینے میں محفوظ ہیں۔" یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر پورنیا جیسا غدار نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ میسور کی رانی کو اس

عہد نامہ (جو فرانس اور سلطان کے درمیان ہوا تھا) کی نقل ملجاتی۔ اور جس کو رانی نے مدراس کے گورنر کو ترمل راؤ کے ذریعہ بھیجا تھا۔

پورنیا کی غداری اخیر وقت تک بے نقاب نہیں ہوتی۔ جب سب کچھ ہو چکتا ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے تو یہ اب اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ کر علانیہ نمک حرامی کرتا ہے یعنے شگاف اور جنوبی فصیل کی متعینہ فوج کو تنخواہ کے بہانے سے مسجد اعلیٰ کے پاس بلاکر انگریزی فوج کو قلعہ پر چڑھ آنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح انچے شامیا اور کرشن راؤ نے جو تجویز کی تھی۔ اس کو اب پورنیا عملی جامہ پہناتا ہے۔

بہر طور پورنیا کی گہری پالیسی کامیاب ہوی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اسکے صلہ میں میسور کی نئی حکومت کیلئے پورنیا کو دیوان مقرر کیا گیا۔ مورخ باسو اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۳۲ پر لکھتا ہے:۔

"یہ اسی سازش کا صلہ تھا جو پورنیا کو میسور کا دیوان بنایا گیا"

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۸۴ پر لکھتا ہے:۔

"جب سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا تو پورنیا کو نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا گیا اگرچہ ترمل راؤ کو رانی کی سفارش حاصل تھی۔ مگر مسٹر وب نے رانی کو ایک خط لکھ کر سمجھا دیا۔ یہ خط مرہٹی زبان میں تھا اور اس پر "سری وب" دستخط تھے۔"

پورنیا کے متعلق مورخ باسو لکھتا ہے:۔

"پورنیا نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو دونوں کی ملازمت میں رہ چکا تھا۔ لیکن وہ بغیر کسی حسرت و افسوس کے اب اپنے نئے ہندو آقا کی ملازمت میں اس طرح منسلک ہوگیا۔ جیسا کہ ملک میں کوئی انقلاب ہی رونما نہیں ہوا۔"

نمکحرامی اور غداری چاہے مسلمانوں میں ہو یا ہندوؤں میں بدترین گناہ ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں جس طرح میر صادق کا نام بطور منافق و نمک حرام مشہور ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں پورنیا کا نام مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ایک کنڑی زبان کے شاعر نے اسکی اور میر صادق کی غداری کے حالات نظم میں لکھے ہیں اور یہ نظم ہر جگہ گراموفون پر گائی جاتی ہے۔

جہاں تک معلومات نے اجازت دی۔ غداروں کے ذاتی حالات اور انکی دشمنی کے وجوہات لکھدی گئی ہیں۔ اگر مسلمان امراء و وزراء کی غداری پر غور کیا جائے تو جو وجوہات دی گئی ہیں۔ وہ بالکل سطحی و معمولی ہیں۔ آج بھی ہر جگہ یہی ہوتا اور ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے سلطنتوں میں انقلاب نہیں آتا۔ تاوقتیکہ ایک دوسری طاقت ان کی پشت و پناہ بنکر انہیں غداری پر آمادہ نہ کرے۔ حیدر آباد، ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کا طرز عمل اس سلطنت کے ساتھ کیا رہا ہے۔ اسکی تشریح پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اب رہا سلطان کے ہندو امراء و وزراء، ان کے مدنظر ایک خاص مقصد تھا۔ جس کے حصول کیلئے انہوں نے غداری کی۔

اصلاحاتِ سُلطانی

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کے عنوان کے تحت کہیں لکھا جا چکا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پروپاگنڈہ سے متاثر ہوکر بہت سے پالیگار (جاگیردار) اور زمیندار، سلطان کے وزراٗ و امراء، سادات اور اہل نوائط بھی انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے ملک میں چند ایسی اصلاحات جاری کیں جو ان لوگوں کو ناگوار گذریں یہ اصلاحات دو قسم کی تھیں۔ ایک ملکی اور دوسری مذہبی۔

(۱) ملکی اصلاحات

تمام ملک میسور بلکہ جنوبی ہند میں زمانۂ قدیم سے فیوڈل طرز کی حکومت چلی آتی تھی یعنے ہر جگہ چھوٹے چھوٹے جاگیردار جنہیں پالیگار کہا جاتا تھا۔ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار چلے آتے تھے۔ اسکے عوض وہ سلطنت کو ایک مقررہ رقم دینے کے علاوہ ضرورت کے وقت سپاہ سے کمک دیتے تھے۔ یہ پالیگار اندرونی طور پر بالکل خود مختار تھے۔ کسانوں سے بطور خود لگان وصول کرتے اور اپنے علاقہ کی درآمد و برآمد پر محصول لگاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ قسم قسم کی ٹکسیں وصول کی جاتی تھیں۔ اس قسم کی زمینداریاں ملک میں اس کثرت سے تھیں کہ بعض بعض مقامات پر بقول کرنل ولکس بیس میل کے اندر اندر دو تین پالیگار رہتے تھے۔ اور ایک مسافر کو جو ملک میں سفر کرنا چاہتا تھا۔ دوران سفر میں ہر پانچ دس میل پر محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسکے علاوہ یہ پالیگار ہمیشہ ایک دوسرے سے

لڑتے رہتے تھے۔ وجیانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت جو قریباً تین سو سال تک حکومت کرتی رہی اس نے بھی اسی طرز حکومت کو قایم رکھا تھا۔ اسکے بعد بیجاپور والوں نے بھی اس کو بحال رکھا۔ بیجاپور کے بعد مغلیہ سلطنت بھی اسی اصول پر کاربند رہی۔ لیکن طاقتور پالیگاروں کا زور توڑنے کیلئے عالمگیر نے یہ کام کیا کہ انکی قدیم جاگیرات لے کر انہیں دوسرے غیر آباد علاقے دئے گئے۔ عالمگیر کی اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ غیر آباد علاقے بھی آباد ہوجائیں۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا اقتدار بالکل کم عرصہ تک رہا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو افتراتفری اور طوائف الملوکی پھیلی اسکی وجہ سے پالیگاروں میں اور اضافہ ہوگیا ملک کی یہ حالت نواب حیدرعلی کے زمانے تک بھی چلی آتی تھی۔ گو حیدرعلی نے چند بڑے بڑے پالیگاروں کا خاتمہ کردیا۔ لیکن چھوٹے پالیگاروں یا زمینداروں کا جال ملک میں بدستور پھیلا ہوا تھا۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی جاگیرداری کا یک لخت خاتمہ کردیا۔ زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی۔ کسان براہ راست سرکار کو لگان دینے لگے۔ اور یہ قانون نافذ ہوگیا کہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھے۔ اس کو زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ اور زمین کو دواماً اسی کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس اصلاح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسان جو زمانہ ہائے دراز سے ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا تھے۔ آزاد اور فارغ البال ہوگئے۔ زمین کی تقسیم از سر نو ہونیسے مزدور بھی کاشتکار اور خوشحال بنگئے۔ سلطان کا یہ بھی فرمان تھا۔ کہ جو شخص بھی زمین آباد کرنے کے لئے درخواست دے۔ اس کو زمین مفت دی جائے۔ اور اس وقت تک اس سے لگان نہ لی جائے۔ جبتک زمین میں پیداوار نہ ہو۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"یہ ایک تسلیم شدہ امر تھا کہ جبتک کاشتکار اور اسکے ورثا زمین کو آباد رکھیں اور مقررشدہ لگان ادا کریں۔ زمین ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اور جب یہ زمین کو آباد کرنا ترک کر دیں اور مقررہ لگان ادا نہ کریں تو اس وقت حکومت زمین کو دوسرے کاشتکار کے حوالے کرتی تھی۔ زمین گو سرکار کی ملکیت تھی۔ لیکن جب تک کاشتکار لگان ادا کرتا تھا زمین اسی کی سمجھی جاتی تھی۔" (صفحہ ۳۰۱)

"لگان کے تعین کرنے میں زمین کی وسعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ پیداوار کس قدر ہوئی ہے۔ لگان ہر جگہ زرنقد کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ رقم اس وقت اناج کی قیمت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی تھی۔ اور جب کبھی کاشتکار اور عاملان حکومت میں رقم کے تعین کرنے میں اختلاف ہوتا تھا تو عاملان حکومت کو حکم تھا کہ اناج لے لیا جائے۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جن کیلئے انہار یا تالابوں سے آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھیں کہ ان میں اگر پیداوار ہو تو لگان ادا کیا جائے۔ اور یہ لگان پیداوار کا آٹھ فی صدی حصہ ہوتا تھا۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑے تھے۔ اور جنہیں کوئی آباد کرنے راضی نہ ہوتا تھا۔ کاشتکاروں کو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ اس طریقہ کو شرا کہا جاتا تھا۔ کرایہ پہلے سال بالکل معاف تھا۔ دوسرے سال سے پانچویں سال تک پیداوار کا چوتھائی حصہ اور پانچویں سال کے بعد پورا کرایہ لیا جاتا تھا (صفحہ ۳۱۰)

"تری زمین کے کاشتکاروں کو خشک زمینات بغیر لگان دی جاتی تھیں۔"
(صفحہ ۲۹۶)

سلطان کے ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا چپہ چپہ آباد اور ہر جگہ زراعت ہونے لگی۔ اور جاگیروں و زمینداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی لئے آج بھی کل میسور علاقے میں کہیں زمینداری یا جاگیرداری نہیں ہے۔

کیاپٹن ٹل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے اسکی تمام رعایا اس سے بیزار ہے۔ لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے۔ ان پر کھیتیان لہرا رہی ہیں۔ ایک انچہ زمین بھی بیکار نہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت اتم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے۔"

نوٹ :- کیاپٹن ٹل بمبئی کی اس انگریزی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ جس کو حکم تھا کہ بمبئی سے بلگکر دھاڑواڑ کے راستے سے ہوتے ہوئے سرنگاپٹم تک پہونچے۔ اس کی یادداشتیں ایک کتاب کی صورت میں ۱۷۹۴ء میں لنڈن میں طبع ہوی تھیں۔ اور اس کا مرتب للے بتو ہے۔

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :۔

"جس وقت انگریزی فوجیں ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئیں تو دیکھا گیا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوشحال ہے۔ تمام ملک سرسبز ہے۔ زراعت اچھی ہو رہی ہے

کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے۔ جس وقت انگریزی فوج سرنگاپٹم میں داخل ہوئی۔ تو ان لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھدی۔ کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی ہر دلعزیز تھا۔"

مسٹر ڈبلیو ٹارنس۔ ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب ایمپائر ان ایشیا میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور۔ تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔ اسکے خلاف انگریزی اور انکے باجگذار مقبوضات کرناٹک اور اودھ وغیرہ بلکہ بنگال بھی صفحۂ دنیا پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ اور رعایا قانونی شکنجے میں کسے ہوئی بالکل پریشان حال تھی۔"

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار یعنے وہ لوگ جو پالیگار اور جاگیر دار تھے۔ سلطان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان میں بہت سے ملک چھوڑ کر کرناٹک میں جاکر آباد ہوئے۔ اور موقع کے منتظر تھے۔ میسور کی تیسری جنگ کے آغاز میں کرنل ریڈ نے انہیں پالیگاروں سے فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں سبز باغ دکھا کر ملک میں جاسوسی کرنے اور انگریزی فوج کو رسد اور چارہ فراہم کرنے پر متعین کیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے بیان میں بہت سے ان پالیگاروں کے نام دئے گئے ہیں۔ جو انگریزوں سے مل گئے تھے۔

نواب حیدر علی سے پیشتر ملک میں یہ رواج جاری تھا۔ کہ ضلعوں کے بڑے افسروں کو تمام محکموں پر اختیارات حاصل تھے۔ اور ان تمام افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیرات دی جاتی تھیں۔ سلطان نے اس رواج کو موقوف کرتے ہوئے فوجی اور سیول محکمے علیحدہ کر دیئے۔ اور ہر افسر کی تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ جس کی وجہ سے وہ تمام افسر

جو اس رواج کی وجہ سے جاگیر دار بنے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں سلطان کے خلاف ہو گئے میر معین الدین، قمر الدین، میر آصف شیر خاں وغیرہ کی غداری کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔ اسکے ثبوت میں کرنل بیاری کلوز کے خط کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔ سرنگا پٹم کے زوال کے بعد لارڈ ولزلی نے سلطنت کی تقسیم سے پہلے سلطان کے افسروں کے رجحان کو دریافت کرنا چاہا۔ اس خط کے جواب میں کرنل بیاری کلوز نے لکھا تھا:۔

"ٹیپو کا طرز حکمرانی اس طرح کا تھا کہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو موروثی یا مستقل عہدے نہیں تھے۔ کہ وہ حکومت مسلطہ کے خلاف کچھ کر سکیں۔ اس لئے سلطان کے آصفوں و دیگر عہدہ داروں سے خوف کرنے کیلئے وجوہات نہیں ہیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۷)

(۲) مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کی اس وقت کی حالت

عالمگیر اورنگ زیب نے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ہی مغلیہ فوجیں جنوب کی طرف بڑھیں۔ اور انکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر آبادی دکن کی اسلامی سلطنتوں سے نکل نکل کر جنوب میں آباد ہونے لگی۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کا آغاز ہوا، مسلمانوں کو یہاں آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ یہ مسلمان اپنے ساتھ دکن کے تمام رسم و رواج اور روایات کو لیکر آئے تھے۔ دکن کی چارسو سالہ رہائش اور مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول نے ان مسلمانوں کی معاشرت پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا۔ جسکی وجہ سے بہت سے مرہٹی و ہندی رسوم انکی شادی بیاہ وغیرہ میں رائج ہو چکے تھے۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :۔

"جب عادل شاہ کے لڑکوں کی ختنہ ہوئی تو دکنی رسم و رواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے۔ انکے گلے میں پھولوں کے ہار اور سر پر سہرا تھا۔ باجے کے ساتھ شب گشت نکالا گیا تھا۔ تمام راستے میں آتش بازی ہو رہی تھی۔ اور طوائف ناچ رہے تھے۔"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں کی معاشرت کس قدر بدل چکی تھی۔ لوگ عیش و آرام کے خوگر اور ہر قسم کی عیش و عشرت کے دلدادہ بن چکے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے بچانے کیلئے مرہٹوں سے بہت زیادہ مل چکے تھے۔ اور اپنے آپ کو ملکی کہتے ہوئے مغلوں کو غیر ملکی کے نام سے منسوب کرنے لگے۔ گویہ ایک سیاسی چال تھی۔ اور اس سے انکا مطلب ہندوؤں اور مرہٹوں کی تائید حاصل کرنا تھا۔ لیکن اس کا اثر یہ پڑا کہ معاشرت کے لحاظ سے جو فرق ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقی تھا۔ وہ بھی مٹنا شروع ہو گیا۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں جیسے احمد آباد، گولکنڈہ اور بیجاپور بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں۔ انہوں نے محرم کو بہت زیادہ رواج دیا۔ علموں اور تعزیوں کے لیئے عاشور خانے بنائے۔ اور انہیں جاگیرات دی گئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی اننت پور، بلاری، کڈپہ، میسور، گدگ اور ہوبلی وغیرہ ضلعوں میں ہر جگہ گاؤں اور دیہات میں مسجد تو نہ ہو گی۔ لیکن عاشور خانے ضرور ملیں گے۔ جن کے لئے جاگیریں وقف ہیں۔ حکومت وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسومات میں شامل ہونے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسوم محرم میں

شامل ہو گئے۔

غرض یہ تھی وہ معاشرت اور رسم و رواج جو دکنی مسلمان جنوب میں اپنے ساتھ لائے۔ اگر عالمگیر کے بعد سلطنت مغلیہ کو استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔ لیکن دہلی میں بادشاہوں کے عزل ونصب اور صوبہ داروں کی غداریوں نے مسلمانوں میں حددرجہ افتراتفری پیدا کردی اور ایک مضبوط مرکز کی نگرانی نہ ہونیکی وجہ سے مسلمان دن بدن مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی افتراتفری کے زمانہ میں نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ اور اس جانباز سپاہی نے سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی ۲۲ سالہ مدت حکومت ہمیشہ جنگ و جدال میں گذری۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت خداداد کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی اس کمزور حالت کا احساس کرتے ہوئے:۔

(۱) منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ (یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کیلئے تھا)۔

(۲) ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے۔ جن کے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو مذہب آشنا بنانے کیلئے کتاب فتح المجاہدین کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں تقسیم کیں۔

نوٹ:۔ اس کتاب کا پہلا باب "مسائل عقاید و نماز و جہاد و ترکہ وغیرہ" پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کیلئے نئے خطبات تدوین کئے گئے۔ جن میں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔ ان میں ایک خطبہ اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

(۴) ان لوگوں پر جو صرف پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ پابندیاں عاید کردیں۔

(۵) محرم کی ان رسومات کو جو دکن کی اسلامی شیعہ سلطنتوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں ممنوع قرار دیا گیا۔ (یعنے شیر، ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ اور گروہ بنانا)

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طبقہ جو پیری مریدی اور مروجہ محرم کی رسومات روٹی پیدا کر رہا تھا سلطان کے خلاف ہو گیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے خاص طور پر محرم منانے کی اجازت دی اور خود بھی تعزیوں اور علموں کی تعظیم کی۔ جس پر جاہل ملاؤں نے یہ مشہور کر دیا کہ اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان بادشاہوں سے فرنگی بہت اچھے ہیں۔ پیری مریدی پر پابندیاں اہل سادات کو نہایت گراں گذریں۔ ان حضرات نے دکن کی اسلامی سلطنتوں میں اور بعد میں ارکاٹ اور سرا میں اپنی تعظیم و توقیر دیکھی ہوی تھی۔ کہ کس طرح ان کے صرف سیّد ہونے کے لحاظ سے انہیں جاگیریں اور وظائف ملتے تھے۔ سلطان نے ان جاگیروں اور وظائف کو بند کرتے ہوئے انہیں تجارت اور ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس میں اس نے نہایت فراخدلی دکھائی۔ اس کی سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو اس میں کثرت سے سادات کے نام ملیں گے۔ اور شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سلطان سیّد پرست تو نہیں تھا؟

مسلمانوں میں حسب و نسب کا غرور اور خون کا امتیاز حد درجہ ترقی کر گیا تھا۔ سلطان مساوات کا دلدادہ تھا۔ اس نے اس برائی کی اصلاح کرنی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ذاتی قربانیوں سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدرالزماں نائطہ کی لڑکی سے کی۔ اسی لئے اہل نوائط جنہیں اپنے حسب و نسب پر بہت زیادہ فخر تھا۔ سلطان کے خلاف ہو گئے۔

ان ملکی و مذہبی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے پروفیسر جاے سرکی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ:

"ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"

میسور گزیٹیر کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۸۴ پر تحریر ہے:۔

"ابھی تک ملک میں اس (ٹیپو سلطان) کے اصلاحات پر وہ نظر نہیں ڈالی گئی۔ جس کی وہ مستحق ہے۔ یقیناً اسکے یہ اصلاحات حد درجہ قابل تعریف و توصیف ہیں۔ یہ ایک بدقسمتی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے روشن پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹیپو کی اصلی شخصیت ابھی تک دنیا پر ظاہر نہیں ہوئی۔"

زوال سلطنت کا ایک اور سبب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب میں اندرونی و بیرونی سازشوں کے ساتھ ساتھ سلطان کے امراء و وزراء کی غداریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اب یہاں فرانس اور سلطان کے تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تعلقات تھے جو الیسٹ انڈیا کمپنی کو مضطرب بنا کر لارڈ ولزلی کو فوری کارروائی کرنے پر آمادہ کر دئے تھے۔ جس کا نتیجہ میسور کی چوتھی جنگ اور زوال سلطنت میں نکلا۔

آزادیٔ وطن کیلئے سلطان کی جدوجہد

فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات

گذشتہ اوراق میں تبلایا جا چکا ہے کہ جب

۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے عہدنامے پر دستخط ہو چکے۔ تو مرہٹوں اور نظام نے سلطان کے خلاف معاہدۂ ایت گیر کرتے ہوئے سلطنت خداداد پر چڑھائی کی تھی۔ سلطان کو اس وقت یقین ہو گیا کہ اہل وطن میں نہ مرہٹوں کو اپنے وطن کے تحفظ کی فکر ہے اور نہ نظام الملک نظام علی خاں کو۔ ۱۷۶۱ء سے وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح نظام اور مرہٹے بار بار سلطنتِ خداداد پر چڑھائی کرتے رہے ہیں۔ اور حیدر علی کے ان ارادوں میں مزاحم ہوتے رہے۔ جو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے کر رہے تھے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی حلیف نہیں تھا۔ سب کے سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس سے بے خبر تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ تنہا ایک سلطان ہی تھا جس نے اس راز کو سمجھ لیا تھا۔ اور بار بار مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی۔ اگر حالات یہیں تک محدود رہتے تو اور بات تھی۔ لیکن یہ طاقتیں انگریزوں سے ملکر اسکی سلطنت کو مٹانا چاہتی تھیں اس لئے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے حلیفوں کی تلاش کرے۔ اسکی نظریں بیرون ہندوستان ترکی، ایران، افغانستان اور فرانس پر اٹھیں۔ ان میں فرانیسی پہلے ہی سے ہندوستان میں موجود تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سوائے تجارت کے ہندوستان میں انکا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ گو انہوں نے جنوبی ہند میں ارکاٹ کے معاملہ میں دخل دیا تھا۔ لیکن تاریخ دان جانتے ہیں کہ انہوں نے بمجبوری ایسا کیا تھا۔ فرانسیسوں اور انگریزوں میں تجارتی رقابت تھی اور اسی لئے دونوں قوموں میں جنگیں برپا ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں والاجاہ محمد علی نے انگلستان کو مدد دینی شروع کی۔ فرانیسی گورنر مسٹر ڈوپلے نے

محمد علی کو تنبیہ بھی کی کہ ان معاملات میں دخل نہ دے۔ لیکن اس نے نہیں سنی۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی مجبور ہو گئے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔ (اس کا مفصل بیان کتاب کے شروع میں آچکا ہے۔ (محمود)

اسکے بعد فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیکر ہندوستانی معاملات سے ایک حد تک کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف تجارت پر قانع ہو گئی۔ لیکن اہل فرانس کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف جذبات باقی رہے۔

سلطان فرانسیسیوں کے ان جذبات سے واقف تھا۔ اس نے جہاں ایران، افغانستان اور ترکی کو سفارتیں روانہ کیں۔ فرانس کو بھی ایک سفارت روانہ کی۔ اس سفارت کو سلطان نے اختیارات دئے تھے کہ شاہ لوی سے مندرجۂ ذیل شرائط پر معاہدہ کرے۔

قلم اول:۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال ہو گی۔ یہ معاہدہ انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ قلعہ چینا پٹن (مدراس) مع ملک کرناٹک اور دیگر بندرگاہیں یعنے بمبئی اور بنگالہ پر قبضہ ہونے تک انگریزوں سے صلح نہ کی جائے۔

قلم دوم:۔ اس معاہدہ کی تحت فرانس کو چاہئے کہ دس ہزار سواران کلاہ پوش کو ہندوستان روانہ کرے۔ یہ فوج جب پلچیری (پانڈیچری) یا کلیکٹ یا سلطنت خداداد کی جس بندرگاہ پر بھی اتریگی۔ اس وقت سے انکی رہائش، خوراک، تنخواہ وغیرہ کا انتظام سلطنت خداداد کے ذمہ ہو گا۔ اور تمام جنگی سامان بارود اور گولہ سرکار خداداد فراہم کریگی۔

قلم سوم:۔ تمام فرانسیسی سردار و سپاہی جنگی معاملات میں سرکار خداداد کے حکم کی اطاعت کرینگے۔ اور اگر کسی سے تقصیر ہو جائے تو انصاف کے مطابق انہیں سزا

دی جائیگی۔ اور اس میں فرانسیسی سرداروں سے مشورہ لیا جائیگا۔

قلم چہارم:۔ تمام ملک کرناٹک اور قلعہ چیناپٹن پر قبضہ کرنے کے بعد قدیم الایام سے جن بندرگاہوں پر تجارت ہوتی ہے۔ اور انکی متعلقہ زمین اور ملک کنارا کی بندرگاہیں سردارانِ فرانس کے حوالے کی جائیں گے۔ اور قلعۂ ترچناپلی، تنجاور اور ملک کرناٹک جو قدیم الایام سے اہل اسلام کی ملکیت ہے۔ سرکار خداداد کے مقبوضات متصور ہوں گے۔

قلم پنجم:۔ بندرگاہ بمبئی اور کلکتہ کی تسخیر کے بعد تمام بندرگاہیں اور انکی متعلقہ زمین فرانس والوں کے حوالے کی جائیگی۔ اور دوسرے علاقہ جات جن پر انگریز قابض ہیں۔ سرکار خداداد کی ملکیت متصور ہوں گے۔

(ان ہدایات کو سلطان کی ایک قلمی بیاض سے لیا گیا ہے۔ اور اسکی تصدیق اس اعلان سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرانسیسی گورنر ملارٹی نے مراشس میں کیا تھا۔)

فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم نے اس سفارت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس خوشی میں خاص تمغے دئے گئے۔ جن کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"ایلچیان ٹیپو سلطان غازی محمد درویش خاں و اکبر علی خاں و محمد عثمان خاں
با لویس بادشاہ فرانسیس ملاقات کردند ششم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ ہر سہ ایلچیاں
بدار الضرب اشرفی در ملکہ پریس تشریف کردند بتاریخ ہفتم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۲ ۱۸۸ء"

(از صفحہ ۴۷،۴۸ سیاحت نامہ کیاپٹن مٹل مطبوعہ لنڈن)

فرانس کے لوئی کے وزرا، ٹیپو سلطان کی ان شرائط کو دیکھکر اسکی دریادلی اور جود و کرم سے بہت خوش ہوئے۔ انہیں ٹیپو کی آزادانہ ذہنیت نے متحیر کردیا۔ اور وہ فرانسیسی سپاہیوں کو بھیجنے پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن لوئی نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس نے

صرف دوستانہ تعلقات رکھنا کافی سمجھا۔ اس لئے کہ اس کو اپنے ملک میں انقلاب کا ڈر لگا ہوا تھا۔

فرانسیسی مورخ بجا طور پر لوئی کو الزام دیتے ہیں کہ اس نے اس زرین موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔"

بہر طور سفارت بے نیل ومرام واپس ہوی۔ اس ناکامیابی سے سلطان مایوس نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ سلطان نے پھر ایک اور سفارت بھیجی۔ اس دفعہ سمندر کی موجیں اسکی کامیابی کی راہ میں حائل ہوگئیں۔ اور جہاز خراب ہوکر منگلور واپس ہوگیا۔

اس عرصہ میں میسور کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے ملکر سلطنت خداداد پر چڑھائی کی۔ سلطان کو شکست ہوئی۔ اور معاہدۂ سرنگاپٹم کی رو سے اتحادیوں نے سلطان کا نصف ملک لے لیا۔ اس جنگ کے حالات میں بتلایا جا چکا ہے کہ کس طرح سلطان نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی کوشش کی۔ کس طرح اس نے انکا وہ ملک جس پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ ہوچکا تھا۔ انہیں واپس کرنے پر آمادہ ہوچکا تھا۔ اور کس طرح اس نے اس اتحاد کو دیرپا بنانے کیلئے نظام سے رشتہ داری کی تجویز کی۔ لیکن اس کو مایوس ہونا پڑا۔ جنگ میں شکست کے بعد اسکی زندگی صرف انتقام لینے کیلئے رہگئی۔ لیکن وہ مرہٹوں اور نظام سے انتقام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو تڑپ تھی تو یہی کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اس لئے اس نے پھر نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کرنا چاہا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور سفارت فرانس کو روانہ کی گئی۔ اس سفارت میں حسین علی اور شیخ ابراہیم تھے۔ ۱۹ جولائی ۱۷۹۸ء کو جہاز پورٹ لوئی مراشس میں لنگر انداز ہوا۔

جب جنرل ملارٹی کو معلوم ہوا کہ یہ ٹیپو سلطان کے سفیر ہیں تو انکے اعزاز میں ۱۵ توپ

کی سلامی دی گئی۔ رعایا نے انکے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور ان پر چو طرف سے پھول برسائے گئے۔ سلطان کے خطوط کا پاس رکھتے ہوئے جنرل ملارٹی نے معاہدہ کیا۔ لیکن ماریشس کی گورنمنٹ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔

جنرل ملارٹی اپنے معزز مہمانوں کو مایوس ہوتے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ "وہ ہندوستان کو فرانسیسی فوج روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور برطانیہ کو نکال باہر کرنے میں سلطان کا ساتھ دیگا۔ اور ایک جنگی جہاز معہ سلطان کے خطوط کے پیرس روانہ کر کے فوری امداد کا مطالبہ کریگا" سفراء کی روز افزوں مایوسی سے اسے تکلیف ہونے لگی اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو کوئی سلطان میسور کی امداد کیلئے ہندوستان جانا چاہے اسے بخوشی روانہ کیا جاتا ہے۔ اعلان کی عبارت ذیل میں درج ہے:۔

" آزادی اور مساوات! جمہوریہ فرانس یہی چاہتی ہے۔

اعلان۔ منجانب اینی جوزف ہولنٹ ملارٹی امیر اعظم و گورنر جنرل جمہوریہ فرانس حکومت متحدہ و نو آبادیات و راس امید۔

شہریو! ہم نے ہمیشہ سے تم میں جوش اور ملک و قوم کی خدمات کا جذبہ پایا ہے اسی جذبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم تمہارا ٹیپو سلطان سے تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری ایک معمولی سی امداد کے لئے اس نے کیا کیا شرائط قبول کئے ہیں۔ اس نے کئی خطوط نظارت عاملہ کو لکھے ہیں۔ اور یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ فرانسیسی اسکے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور اسکے منشا کے موافق کام کریں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم جب تک ہندوستان میں ٹھہرے رہیں گے۔ وہ ہمارے اخراجات کیا مالی، کیا معاشی اور کیا جانی برداشت کریگا

جتنے بھی اسلحہ ہم یوروپیوں اور خصوصاً فرانسیسیوں کیلئے ضروری ہیں۔ اس نے مہیا کرنے کا اٹل وعدہ کیا ہے۔ لیکن شراب و کباب یقیناً یہ چیزیں وہ ہمارے لئے مہیا نہ کرسکے گا۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا بالکل رواج نہیں۔ اور نہ اُسے یہ مشروبات کہیں مل سکتی ہیں۔ اس نے ہمیں خطوط میں لکھا ہے کہ ہمارے استقبال کا اس نے بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا ہے۔ اور یہ کہ وہاں پہونچنے کے بعد فرانسیسی عہدہ دار اپنی ضروریات کی وہ تمام چیزیں تیار پائیں گے جو ایک یوروپی کو بوقت جنگ رکھنی ضروری ہیں۔ بہرحال وہ صرف اس گھڑی کا منتظر ہے جبکہ فرانسیسی اسکی امداد کیلئے پہونچیں۔ اور برطانیہ کی جڑ اکھیڑنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ اس کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ رہے۔ بلکہ خود ہندوستانی اپنے ملک سے مستفید ہوں۔ ۱۵۸ ویں رجمنٹ بندرگاہ فرانسائٹ پر متعین ہے۔ اس لئے ان کا بھیجا جانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے شہریو ہماری تم سے التجا ہے کہ ٹیپو کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ سلطان ٹیپو نہ صرف افواج شاہی کا استقبال کریگا۔ بلکہ ہمارا ہر وہ شہری جو میسور جائے گا۔ مہر و عنایت کے دروازے اس کے لئے کھولدئے جائیں گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص چاہے وہ فوجی ہو یا معمولی شہری میسور جائیگا۔ ٹیپو اسے اس فوری امداد کے صلہ میں ایک بڑی رقم دیگا۔ اسکے سفرا سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کا مطلب برآنے پر ان تمام فرانسیسیوں کو واپس کردیا جائیگا۔ جو اپنے وطن کو واپس ہونا چاہتے ہیں۔"

بندرگاہ نارتھ وسٹ　　۳۰ رجولائی ۱۷۹۸ء　　"ملارٹی"

اس اعلان کے بعد جنرل ملارٹی نے حسب وعدہ مرکزی گورنمنٹ (پیرس) کو متوقع فوائد کے زیر نظر توجہ دلائی اور سلطان کے خطوط پیرس روانہ کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریزی جاسوسوں نے جو اس سفارت کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اسکی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ راستے میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جو سلطان کے خطوط پیرس لیجا رہا تھا۔ فرانسیسی جہاز تباہ ہوگیا۔ اور اس طرح فرانس کی نظارت عاملہ کو ٹیپو سلطان کے یہ خطوط پہونچ نہ سکے۔

لیکن سلطان پھر بھی پست ہمت نہ ہوا۔ اس نے پھر ایک سفارت روانہ کی۔ اب فرانس میں نپولین کا دور دورہ تھا۔ اس سفارت میں دو میسوری سفیر اور ایک فرانسیسی امیر البحر ڈیوبک تھا۔ فرانس کی نظارت عاملہ نے اس سفارت کا شاندار استقبال کرتے ہوئے نپولین کے آگے ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی گذارش پیش کی۔ نپولین نے اس گذارش کے جواب میں ٹیپو سلطان کے نام مصر سے ایک خط لکھا:۔

" آزادی! مساوات!! بونا پارٹ!!!

ممبر آف دی نیشنل کنونشن۔ جنرل ان چیف

صدر مقام۔ قاہرہ

۷ر تاریخ

سال ہفتم۔ جمہوریت

میرے سب سے زیادہ عظیم الشان سلطان میرے سب سے عزیز دوست ٹیپو سلطان کی خدمت میں!

آپ کو یہ اطلاع تو غالباً پہونچ گئی ہوگی۔ کہ ہماری فوج ظفر موج نے آج کل

بحر قلزم کے سواحل پر اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میری اور میری فوج کی دلی خواہش اور تمنا ہے کہ کسی طرح آپ کو برطانیہ کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا دلایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مستعا اور موخا کے راستے آپ تک پہونچوں۔ لیکن اس سے قبل آپکے ملک کی سیاسی حالت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنے ایک سر برآوردہ اور دیانتدار عہدہ دار کو جس پر آپ پورا اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہیں، سویز یا قاہرہ کے راستے روانہ کریں۔ جس کے ساتھ میں گفتگو کر سکوں۔" "نپولین"

ابھی یہ خط سلطان کو پہونچا بھی نہیں تھا کہ مصر میں انگریزی بیڑے نے اگست ۱۷۹۸ء میں اس فرانسیسی بیڑے پر انجان طور پر حملہ کر دیا۔ جو خلیج ابو قیر میں لنگر انداز تھا۔ (اس جنگ کا نام جنگ نیل ہے) نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی بیڑا تباہ ہو گیا۔ نپولین یہ دیکھکر شام کی جانب بڑھا۔ جہاں ترکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ بندرگاہ عکہ میں محصور ہو گیا۔

اس طرح سلطان کی ان تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے کی تھیں۔

نوٹ:۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اس قسم کا کوئی خط جو نپولین کی جانب سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سلطان کے کاغذات میں نہیں ملا۔ اگر اس خط کی کوئی حقیقت ہوتی تو میجر اسٹوارٹ (جو داروغہ کتب خانہ تھا) ضرور اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کرتا

نپولین کا یہ خط جعلی ہو یا اصلی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انگلستان اسوقت ہندوستان میں ٹیپو سلطان اور یورپ میں نپولین سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ انگلستان کی فضا میں نپولین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے فرانس کی پارلیمنٹ میں کہے تھے:۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا راستہ مصر ہی ہے۔ اس پر قابض

ہو کر ہم انگلستان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اس قبضہ سے بحیرۂ روم ہمارے قبضہ میں آ جائیگا اور وہ گویا فرانیسی جھیل بن جائیگا۔ مصر پر قابض ہو جانے سے دو باتیں ہمارے اختیار میں ہو جائیں گے۔ خواہ مصر کو فرنچ نوآبادی اور میگزین بنائیں اور خواہ یہ کام لیں کہ انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو فتح کرنے کیلئے بحیرۂ قلزم میں زبردست بیڑا بنائیں۔ ہندوستان کی تجارت راس امید کے راستے زیادہ عرصہ نہیں ہوتی رہے گی۔ اور وہ ضرور مصر کی طرف عود کریگی۔ شام، عرب اور کل آفریقہ کی تجارت کی منڈی تو اس وقت بھی قاہرہ ہی ہے ان سب کی تجارت ہمارے ہاتھ میں آ جائیگی۔ مصر بہت زرخیز ملک ہے۔ اور ہر قسم کا اناج وہاں بافراط پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا قبضہ امریکہ کی فرنچ نوآبادیوں کے چھن جانیکا خاصہ معاوضہ ہو جائیگا"

(تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

یہ تھے وہ الفاظ جو لارڈ ولزلی کو سلطنت خداداد کا جلد از جلد خاتمہ کرنے پر آمادہ کر دیئے تھے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ اگر ایک طرف نپولین اور دوسری طرف ٹیپو سلطان اشتراک کر لیں تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسکی سلطنت تباہ ہو گئی۔ سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اسکو اختیار تھا کہ جس سے چاہے دوستانہ تعلقات بڑھائے۔

آجکل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں یہی کرتی ہیں۔ اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں سے معاہدے کیے جاتے ہیں۔ اگر سلطان نے بھی یہی کیا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ اور نہ کسی معاہدے

سے اس کو پابند کیا گیا تھا کہ کسی سے تعلقات نہ بڑھائے۔ فرانس سے اگر اس نے تعلقات بڑھائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ نظام، مرہٹے اور انگریز بار بار بغیر کسی وجہ کے اسکے ملک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نظام نے انگریزوں سے دوستی حاصل کرنے کیلئے اس کا ملک ۱۷۶۸ء میں ایک سند کی رو سے انگریزوں کو دے چکا تھا۔ جنرل میڈوز نے بلاوجہ اور بغیر اعلان جنگ فوج کشی کر دی تھی۔ لارڈ کارنوالس نے بھی یہی کیا۔ ان حالات میں سلطان کیلئے ایک حلیف کی ضرورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کا ملک اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ خالص اپنی حفاظت کیلئے۔ اس نے فرانس کو یہ نہیں لکھا کہ حیدرآباد اور مرہٹوں کا ملک انہیں دیا جائے گا۔ اسکی شان آزادی کی جھلک اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے انگریزوں کو ملک سے بدر کرنے کے بعد فرانسیسیوں کو اختیار دیدیا تھا کہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں وہ ہندوستان کی ایک انچ زمین بھی سوائے ان تجارتی کوٹھیوں کے جہاں انگریزوں کا قبضہ تھا۔ فرانس کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ فرانس اس وقت آزادی و جمہوریت کا دلدادہ تھا نپولین نے سلطان کو مدد دینا چاہا تو نہ صرف انگریز بلکہ ترک بھی اس کے سدِ راہ ہو گئے۔ قسطنطنیہ اور مصر میں انگریزی رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سلطان کی سفارت ناکام رہ گئی اور مملوکوں اور ترکوں نے انگریزوں سے ملکر نپولین کے راستے میں حائل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے سلطان کی توقعات آزادئ ہند کے متعلق بر نہ آئیں۔

نپولین کی جس تقریر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کیلئے اس صفحہ کی پشت پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ سلطان کی ان تجاویز کو بھی سمجھنے میں مدد دیگا۔ جو اس نے ایران و ترکی کے آگے اسلامی ممالک و ہندوستان کی حفاظت کیلئے پیش کیا تھا۔



نقشہ. جس میں یوروپ سے ہندوستان کا راستہ براہ راس امید دکھایا ہے. موجودہ راستہ براہ جبرالٹر سویز و عدن ہے
ٹیپو سلطان نے ہندوستان سے براہ عمان. بصرہ و استنبول تجویز کیا تھا.

انتظامِ سلطنتِ خداداد

انتظامِ سلطنتِ خداداد

سلطان نے جس اصول پر سلطنت خداداد کا انتظام کیا تھا۔ اسکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:-

سلطان بحیثیت بادشاہ ہونے کے حاکم اعلےٰ تھا۔ اور ہر فرمان پر سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

انتظامِ سلطنت کیلئے سب سے بڑا محکمہ صدر الصدور تھا۔ جس کا صدر دیوان اور اسکے بعد دوسرے وزرا تھے جنکے ماتحت مختلف محکمے تھے۔ سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو راج میں یہ محکمے اٹھارہ کچہری کہلاتے تھے۔ اور ان اٹھارہ کچہریوں کو بلحاظ انکی نوعیت کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے تھے۔ حیدر علی اور سلطان نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ ان میں اور محکموں کا اضافہ کر دیا۔ گو بڑے محکمے اٹھارہ ہی تھے۔ دراصل یہ محکمے باب حکومت تھے۔ جسکو آجکل سکرٹریٹ کہا جاتا ہے۔ اور ہر محکمے کیلئے ایک میر آصف مقرر تھا۔ جو اپنی رپورٹ وزراء کو دیتا تھا۔ تاریخ نشان حیدری میں ان محکموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ ننانوے اسمائے الٰہی کے صفات کے لحاظ سے جو نظام قدرت کے قیام کیلئے قادر مطلق نے خود قایم کیا ہے۔ سلطان نے بھی ۹۹ محکمے قایم کئے۔ اور ان ہی محکموں سے تمام عاملان حکومت کے نام احکام جاری کیئے جاتے تھے۔ جن پر صدر محکمہ کے دستخط کے بعد وزیر یا دیوان اور سب اخیر میں سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

ان محکموں سے جو فرمان جاری ہوتے وہ تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی۔ کنٹری،

اور مرہٹی۔ بعض مقامات کیلئے مرہٹی کے عوض دکھنی زبان کا رواج تھا۔ ہر فرمان آصف ضلع کے پاس روانہ کیا جاتا۔ اور وہ اسکی نقل اپنے دستخط سے عاملان تعلق کو بھیجدیتا تھا۔ جہاں سے وہ طرفداروں (شیخداروں) میں تقسیم ہوتے تھے۔

زمانۂ قدیم سے میسور میں قصبوں اور دیہات کا انتظام پٹیل اور شانبھوگ کرتے آئے ہیں سلطنتِ خداداد کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوی اور آج بھی یہی طریقہ جاری ہے۔ (نوٹ:۔ ہندوستان میں شانبھوک اور پٹیل کو پٹواری اور ذیلدار کہا جاتا ہے۔)

سلطنتِ خداداد میں سلطان نے علاوہ معمولی کاموں کے یہ کام بھی انکے ذمہ کردیا تھا۔ کہ اپنے علاقوں میں جو شاہراہیں اور دوسرے اہم راستے ہوں انکی دیکھ بھال کریں اور سایہ کیلئے دوطرفہ درخت لگاتے رہیں۔ راستوں کی مرمت اور دیہاتوں کی حفاظت کیلئے جو دیواریں یا جھاڑیاں ہوں ان کو اچھی حالت میں رکھیں۔

انتظام ضلع و تعلقہ

نواب حیدر علی کے بعد جب سلطان تخت نشین ہوا تو اس نے تمام ملک کو پانچ ہزار ہن کے تعلقوں پر تقسیم کردیا۔ اور انتظام کیلئے مندرجۂ ذیل عملہ رکھا گیا:۔

ہر تعلقہ کیلئے:۔ ایک عامل۔ ایک سررشتہ دار۔ تین محرر۔ چار طرفدار (شیخدار) چھ اٹھاونی[ف] چپراسی

ماہانہ تنخواہ:۔ ۱۰ ہن ۵ ہن ۲ ہن ۲ ہن ۱ فلم

ایک گلہ[ف۲]۔ ایک صراف ایک فارسی منشی ایک چپراسیوں کا نایک (دفعدار)

۸ فلم ۸ فلم ۲ ہن ۸ فلم

ف اٹھاونی:۔ وجیانگر کے زمانہ میں میسور میں مالگذاری کے چپراسیوں کو اٹھاونی اور فوجی سپاہیوں کو کنڈاچار کہا جاتا تھا۔

ف۲ گلہ:۔ جنکے ذمہ روپیہ رکھنا اور مہر ڈالنے کا کام تھا۔ آج بھی میسور کے تعلقوں اور قریوں میں خازن کو گلہ یا گولربی کہا جاتا ہے تعلقوں اور شہروں میں جو قاضی مقرر تھے انکی تنخواہ ۲ ہن سے ۸ ہن تک ماہانہ تھی۔ انکے علاوہ جہاں خزانہ وغیرہ رہتے تھے وہاں داروغہ بھی مقرر تھے (محمود)

وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ہر بیس سے تیس تعلقوں پر ایک آصف مقرر ہوتا تھا جس کا دفتر ضلع کے صدر مقام میں رہتا تھا۔ اور اسکے تحت میں مندرجہ ذیل عملہ تھا۔

ہر ضلع کیلئے :۔ آصف اول، آصف دوم ۔	دو سررشتہ دار	دس محرر	چالیس چپراسی	ایک صراف
ماہانہ تنخواہ :۔ ۵۰ سے ۶۰ ہن تک	۲۵ سے ۳۰ ہن	۶ سے ۸ ہن	۶ سے ۸ فلم	۲ ہن

ایک منشی	ایک مشعلچی	ایک فارسی دان سررشتہ دار	ایک فارسی دان محرر	ایک گلہ (خازن)
۸ ہن	۶ سے ۸ فلم	۲۵ سے ۳۰ ہن تک	۸ ہن	۲۰ ہن

سول لسٹ

سلطنت خداداد میں تمام سرکاری ملازمین کی ایک فہرست یا سول لسٹ رکھی جاتی تھی۔ یہ فہرستیں ضلع وار تیار ہوتی تھیں۔ انکی ایک نقل محکمۂ صدر الصدور میں اور ایک نقل ضلع کے میر آصف کے دفتر میں ہوتی تھی اس قسم کی ایک سول لسٹ جو ضلع جعفر آباد سے متعلق تھی مصنف کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کس قدر جامع اور وقت ضرورت مطلوبہ شخص کے حالات کا پتہ لگانے میں کس قدر ممد و معاون ہوسکتی ہے۔

کچہری جعفر آباد

(۱) عاملِ اتی بیادہ باسم سید محمد ولد سید جلال الدین ابن سید سلطان مذہب حنفیہ قوم سادات حسینی پیدایش فرخیاب حصار و پیدایش والد ایشاں شاہ نور و پیدایش جد ایشاں بیجاپور۔

اقارب	واقف کار
(۱) میر بحر سید سلطان	(۱) منشی حبیب اللہ
برادر حقیقی	در حضور

(۲) سید امام برادر حقیقی عملدار ہوسدرگ	(۲) سیّد غلام محی الدین میر میراں

نسبت ایشاں درخانۂ شیخ محی الدین باشندۂ دورگ ونسبت والدایشان درخانۂ شیخ ندیم باشندۂ بیجاپور ونسبت جدایشاں درخانۂ علاؤالدین باشندۂ بیجاپور

پنجاہ پنج سالہ

(۲) عامل عالمباری باسم سید امام ولد سید حسین ابن سید بودہن قوم سادات حسینی مذہب حنفیہ پیدایش پنکنڈہ وپیدایش والدہم وپیدایش جدہم پنکنڈہ

اقارب	واقف
(۱) سید رسول عامل دویم گلشن آباد برادر حقیقی	(۱) سید رسول عملدار بلے ہنور - کچھری نگر
(۲) شیخ محمد عامل تعلقۂ مصطفےٰ آباد برادر نسبتی	(۲) عملدار برکے باسم سید احمد

نسبت ایشان درخانہ سید حسین باشندۂ پٹن نسبت والدایشان درخانہ سید مصطفےٰ باشندۂ پٹن نسبت جدایشان درخانۂ سید میجن باشندۂ کولار ۔ سی سالہ

(اقتباس از کتاب " دریافت حسب و نسب عمالان میر آصف کچھری

روبروی سید محمد میر آصف و میر فخر الدین میر میراں و شیخ اسمٰعیل میر خازن")

محکمۂ پولیس

نواب حیدر علی خاں کے زمانہ میں محکمہ پولس اعلیٰ درجہ پر تھا۔ اس پولس کے ساتھ خفیہ پولس بھی تھی۔ جو مشتبہ لوگوں کی نقل وحرکت پر نگرانی رکھتی تھی اور یہ اکثر سرحدوں پر متعین تھی۔ نواب حیدر علی ان سے اکثر یہ کام بھی لیتے تھے کہ اپنے امراؤ وزراء کے خیالات سے آگاہ ہوں۔ سلطان کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوی۔ پولس اپنے کام میں اس قدر مستعد رہتی تھی کہ ایک مرتبہ ایک خونی مجرم سرنگاپٹم سے فرار ہوا۔ اور تین دن کے اندر اندر اس کو دوبارہ ماگڑی کے جنگلوں میں گرفتار کرلیا گیا۔ پولس کے ذمہ خصوصًا رعایا کے امن وامان کا کام تھا۔ رعایا کے امن وآسائش کا سلطان کو اس قدر خیال تھا کہ اس نے پولس کو رعایا کے جان ومال کی سلامتی کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کہیں چوری ہوجائے تو افسران پولس اسکے ذمہ دار گردانے جاتے تھے۔ اور جو نقصان کہ رعایا کو ہوتا تھا۔ اسکی تلافی ان افسرانِ پولس کی تنخواہ سے کی جاتی تھی۔ جو اس جگہ مامور ہوتے تھے۔

اور جس جگہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا خوف رہتا تھا۔ وہاں رعایا کو بھی ہتھیار رکھنے کیلئے لائسنس دئے جاتے تھے۔

پولس کو ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کی جاتی تھی۔ اور نئے ملازموں کو پیشگی رقم دیکر ان سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وصول کرلی جاتی تھی۔

تمام محکموں میں ملازموں کو ہر ۳ سال پر ترقی دی جاتی تھی اور ہر تین سال کے خاتمہ پر یکمشت رقم بھی بطور انعام دی جاتی تھی۔ اور اس مبلغ سے وہ رقم جو بطور پیشگی دی جاتی تھی۔ وضع کرلی جاتی تھی۔

مذکورہ بالا بیان کے ثبوت میں سلطان کے اس فرمان کی نقل دیجاتی ہے جو اسنے محکمہ پولس کے

نام جاری کیا تھا:۔

تصدیق باسم
عامل کولار

سواری بقیمت چہار صد روپیہ بداده وجہ کشتی باید کرد۔ اگر ندارد
منجملہ تحریر کہ در صدر مسطور است طالے نخواہد شد و تاریخ داشتند
اسپ در دفاتر متصدیاں باید نویسانید.

موازی یک صد و پنجاہ نفر را مبلغ یک صد و شصت و نہ راجتے درماہ مقرر فرموده شد
باید کہ بعد انقضاع ایام مذکور قسم زر موافق نرخ بازار در وجہ طلب و تحریر بموجب تفصیل
صدر تقسیم باید نمود۔ منجملہ مردمان قدیم کسانیکہ مثل حضور وکچہری شده منشور و رقم کچہری
آورده باشند آنہارا من ابتدائے غرۂ ماه احمدی سال ساھر سنہ ۱۲۲۱ محمد موافق تصدیق
طلب بدہند و آئنده کسانیکہ از حضور پُر نور وکچھری مثل شده رقم و منشور لامع النور
بیارند۔ از روز داخل شدند تعلقہ و حاضر بودند بکار سرکار خداداد موافق نوشتۂ
صدر طلب باید داد و در تعلقہ مذکور مردم قدیم مثل عامل را از تاریخ مذکور
مذکور الـ ۲۱ سنہ طلب داده و تو ملازم را از تاریخ نو ملازمی وجہ درماه دست بدست تقسیم
نمایند و عوض زر تقسیم شده را ماه بماه قبض الوصول می گرفتہ باشند و وجہ درماه ماه
نماید کہ بعد ۳ سنہ سال یکدفعہ می آید دادند درکار نیست و از پیاده ہائے متعینہ قلعہ نوشتہ
صدر و تحصیلے اگر ہنگامۂ دزد ان وپالیگاران غیره شود و جمعیت آنہا از بیں و دو چند باشد از
پیاده ہائے مذکور و رعایائیکہ برائے داشتن تفنگ آنہا حکم فرموده شد تنبیہ دزداں باید

نمود۔ بدیں موجب اگر بندوبست نہ نمود، تغافلے کرد بآرام خواہند نشست۔ نصیحتے کہ
بہ وزداں مقرراست بشما خواہد شد وطلب مردمان صدر از ابتدائے نوملازمی از شما
گرفتہ خواہد شد۔ ایں معنے یقین دانستہ بندوبست باید نمود۔ سوائے آں اگر ہنگامہ دزداں
ازیں افزودہ شود تحقیق کرد۔ بدستخط ومہر شما کہ فلانے بجمعیت ایں قدر آمدہ است
بحضور عرض داشت نوشتہ بفرستید بندوبست آں از حضور نمود خواہد شد
ومرمت قلعہ بروقت از رعایائے تعلقہ بعمل آوردہ درست دارند۔ چوکی وپہرہ
قلعہ از پیادہا متعینہ بعمل آوردہ باشند۔ منجملہ پیادہائے کنڈاچار ہر قدر کہ بعلاقۂ
قلعہ مقرر گشتہ وہر قدرا کہ باقی باشند آنہارا معمور کار زراعت سازند

تحریر فی السلخ

بست وپنجم ماہ احمدی سال ساحر سنہ ۱۲۲۱ محمد پرمادیچہ سنہ ہندی

(نبی مالک)

الواثق باعطاف السلطان المہیمن
السید محمد صادق آصف حضور پُرنور

الواثق باعطاف المہیمن
السید محمد آصف حضور پرنور

سنہ ۱۲۲۱ محمد
سال ساحر ۱۵ بہاری
ملاحظہ
نقل
میر اسمٰعیل علاقہ
آصف کچہری
حضور
۱۲۲۱ محمد
سال ساحر ۱۵ بہاری

(نوٹ:۔ جہاں کہیں فرمان میں الفاظ مٹ گئے تھے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا ہے (محمود))

محکمۂ ڈاک

رسل ورسائل کیلئے محکمۂ ڈاک قایم تھا۔ اس زمانہ میں ایک شہر کو دوسرے شہر سے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جاتی تھی۔ ڈاک کو جلد از جلد پہنچانے کیلئے سلطان نے محکمۂ ڈاک کے ملازموں کو تین گروہ پر تقسیم کیا۔ جن میں سب سے تیز رو قاصدوں کو انچلی اور ڈاک تقسیم کرنے والوں کو انچے کا نام دیا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔

نوٹ :۔ آج بھی ریاستِ میسور، ملیبار و ٹراونکور کے دیہات میں چٹھی رسانوں کو انچل ہی کہا جاتا ہے اور بہت سے خاندان انچلی کے نام سے موسوم ہوگئے ہیں۔ (محمود)

مالگذاری منشیات

حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی، افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان تخت نشین ہوا تو نشہ کی چیزیں فروخت کرنے کیلئے لائیسنس (سرکار سے منظوری) حاصل کرنیکا فرمان جاری کردیا اور بغیر لائیسنس کوئی شخص انکی خرید و فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اس طرح منشیات پر جب پابندیاں عاید ہوگئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال بالکل ممنوع قرار دیدیا۔ اس سلسلہ میں سن اور خشخاش کی کاشت کرنا بند کردی گئی۔ اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی انکے بونے کی اجازت نہیں تھی۔ صندولے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے۔ تمام سلطنت میں کٹوا دیے گئے اور احکام جاری ہوئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بویا جائے۔ منشیات کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطنت کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہوگئی۔ لیکن سلطان کو رعایا کی اخلاقی ترقی اور مفاد اس درجہ عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پرواہ نہیں

کی۔ بورنگ لکھتا ہے :۔

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا"

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"منشیات کو ممنوع قرار دینے سے سلطنت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی۔ اس کو سلطان نے دوسرے طریقوں سے پورا کیا"

لگان کی وصولی

زمین کی تقسیم اور مالگذاری کے متعلق سلطان کے ملکی اصلاحات کے زیر عنوان مفصل لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف مورخ رئیس کی کتاب سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ ہر علاقہ میں سلطنت کی جانب سے دو برہمن ہرکارے خفیہ اطلاعات بھیجنے کیلئے مامور تھے۔ انکے ذمہ یہ کام تھا کہ کاشتکار کو اگر حاکم ضلع یا تعلقہ سے کوئی شکایت ہو تو اسکی اطلاع صدر دفتر میں دیجائے۔ اور ہر سال تمام بنجر زمینوں کی بھی اطلاع دیں۔ حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان انہیں خوف تھا کہ عمالانِ حکومت کاشتکار سے بنجر زمین کا لگان بھی وصول نہ کریں۔ یہ ہرکارے حاکم ضلع یا تعلقہ کے ماتحت نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے انکی تمام اطلاعات براہ راست صدر دفتر میں موصول ہوتی تھیں۔ اسکی وجہ سے عمالان حکومت کو رعایا کو ستانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

تقسیم تنخواہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں ہر ملازم کو ماہانہ تنخواہ وقتِ مقررہ پر ملتی تھی۔ اسکی پابندی کا سلطان کو حد درجہ خیال تھا۔ کہ ملازمین کو تکلیف نہ پہونچے۔ اس کا ثبوت لارڈ ولزلی کے خطوط سے بھی ملتا ہے۔ جو اس نے تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جنرل ہارس کے نام لکھا تھا :۔

"آپ فوراً تمام قلعداروں اور امینوں کی تنخواہ فیصل کرنے کی طرف توجہ کریں اور

جہاں تک ہوسکے۔ اپریل و مے کی تنخواہیں بے باق کردیں۔"

نوٹ:۔ اپریل میں سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے ذمہ صرف اپریل کی تنخواہ تھی۔ اوائل مے میں سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشوت کا سدّباب

میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے:۔

"سلطان کو رشوت سے اس قدر نفرت تھی کہ ۵ رجون ۱۷۹۴ء میں سلطان نے اپنے تمام ۳۷ آصفوں اور انکے عملے کو دارالسلطنت میں طلب فرمایا اور یہاں اٹھارہ کچہری (سکرٹریٹ) کے عملے کے ساتھ انہیں محل میں مدعو کر کے ان سے اقرار لیا کہ وہ کبھی سے رشوت نہ لیں گے۔ مسلمان قرآن پر، برہمن اپنی شاستروں پر اور بعض دوسرے دودھ اور چاول پر قسم کھائے۔"

اسی جرنل میں لکھا ہے کہ:۔

"باوجود حلف اٹھانے کے بھی بہت سے افسروں نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

لیکن جب کبھی سلطان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ کسی افسر نے رشوت لی ہے تو وہ بالکل سخت سزا دیتا تھا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"میر صادق ایسے واقعات سلطان تک پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اس لئے کہ وہ خود ہی لوگوں پر ظلم کرتا تھا۔"

عاملانہ حکومت کی مجلس مشاورت

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان نے اپنے افسرانِ ضلع کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال وہ پایۂ تخت میں جمع ہو کر انتظامی معاملات میں

مشورہ کریں"۔

آج انگریزی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ چند سال سے ہر صوبہ کے کلکٹروں کی ایک کانفرنس صوبہ کے کسی ایک مقام میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں تبادلۂ خیالات کے علاوہ انتظامی معاملات پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے۔

عدالت و انصاف

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچائت مقرر تھی۔ قدیم دستور کے مطابق ہر گاؤں میں پٹیل معمولی تنازعات کا پنچائت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا۔ تعلقوں اور ضلعوں میں عامل اور آصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقینِ مقدمہ کو اس فیصلہ سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اسکے بعد سلطان تک پہونچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کیلئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے۔ اور یہ بھی پنچائت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مندرجۂ ذیل کام بھی تھے۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"قاضیوں کا یہ کام بھی تھا کہ خصوصاً جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں اور مسلمانوں کو منشیات سے دور رکھیں (یعنے فرائض محتسب بھی ادا کریں) اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر ہی فیصلہ کے لئے آتے تھے۔ کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ جن سے دوسروں کو

ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہوتی تھی"۔

چوری کے متعلق رئیس لکھتا ہے :۔

"چور کا پتہ چلانے سے پیشتر چوری گیا ہوا اسباب تلاش کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملانِ حکومت کی تنخواہ سے پوری نہ کی جائے"۔

مقدمات کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے :۔

" اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذ ونادر ہوتے تھے۔ جب مقدمہ پیش ہوتا۔ تو مدعی و مدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہوکر اپنے بیانات دیتے۔ اور تائید میں سندات پیش کرتے۔ گواہوں کا بیان لیا جاتا۔ مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سن کر پنچائت کے لوگ اس کی تحقیق کرتے۔ اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ فریقین سے مچلکہ یا ضمانت لے لی جاتی تھی کہ پنچائت کے فیصلہ پر وہ راضی ہیں"۔

مذکورۂ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ مقدمات پر فریقین کی ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ اور مقدمے عدالت میں جس دن داخل ہوتے تھے فیصل ہو جاتے تھے۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں اسٹامپ کورٹ فیس وغیرہ کے مصارف ہرگز نہیں ہوا کرتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ

مجلسِ وطنی

بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصہ دینے کیلئے پارلیمنٹ یا مجلس وطنی بھی قایم کی تھی۔ اس مجلس کا نام" زمرۂ غم نباشد" تھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ

کرتے ہوئے ملک کی زمامِ حکومت رعایا کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ اور بادشاہ ایک کانسٹیٹیوشنل (آئینی حکمران رہے۔ اس مجلس کو "زمرہ غم نہ باشد" کا نام دینے سے اسکی مراد یہ تھی۔ کہ پھر سلطنت کو کسی طرح کا اندرونی خطرہ باقی نہ رہیگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک اس وقت اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ مگر اس مجلس کے قیام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دل میں جمہوریت اور مساوات کا کس قدر احساس تھا۔ اس سلسلہ میں کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی وہ یہاں ٹیپو کے پاس کوئی نئی یا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی"۔

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں ملک اس مجلس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایسے لوگ منتخب ہوئے جو حکومت کے نااہل تھے۔ مورخ کرمانی نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ:۔

"یہ لوگ میر صادق کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔"

اور اس طرح یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نوٹ:۔ اسلامی مورخین نے جو زوال سلطنت کے بعد ہی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے بھی یہ سمجھا ہی نہیں، کہ یہ مجلس یا پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے گو اس کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن قسم قسم کی تاویلات سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فوجی دستہ تھا۔ اور کسی نے اور کچھ لکھا ہے۔ کرمانی بھی اسکی تہ کو نہیں پہونچا۔ ورنہ وہ ضرور اسکی اہمیت کو نمایاں کر دکھاتا۔ اس نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ غم نباشد کے حروف تہجی سے مراد مندرجۂ ذیل قومیں لی گئی تھیں:۔
غ = غیر وطنی۔ م = مغل اور مرہٹے۔ ن = نوائط۔ ب = برہمن اور ہندو۔ ا = افغان۔ ش = شیعہ۔ د = اہل دائرہ (مہدوی)

فوجی انتظام

(فوجی انتظام کے متعلق اردو فارسی تاریخوں میں کچھ مواد نہیں ہے۔ اس لئے
تمام مضمون انگریزی تاریخوں سے لیا گیا ہے)

بری فوج

جس طرح ملکی انتظام کیلیئے مختلف محکمے قایم کئے گئے۔ اسی طرح فوجی انتظام کے لئے بھی علیحدہ محکمہ قایم ہوا۔ اور اس کے ماتحت دوسرے محکمے تھے۔

یہ تمام محکمے گیارہ سپہ سالاروں کے ماتحت تھے۔ جن کا صدر مقام سرنگاپٹم تھا۔

فوجی محکمے

(۱) پیادہ فوج (۲) تعمیر قلعہ جات (۳) سوار فوج (۴) توپ خانہ (۵) کمسریٹ۔
(۶) چراگاہیں (۷) تنخواہ (۸) بحری فوج (۹) تعمیر جہازات (۱۰) تیاری سامان حرب وغیرہ (۱۱) محکمۂ نظارت (انسپکٹر)

سلطنت کے کل رقبہ کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر رقبہ ایک سپہ سالار کے ماتحت تھا۔ جس کے ماتحت ۲۰ سے ۳۰ سپہ دار ہوتے تھے۔

بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے سلطان فوج کا سب سے بڑا افسر یا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔
ولکس لکھتا ہے:۔

"میر غلام علی (لنگڑا) وزیر فوج اور انسپکٹر جنرل قلعہ جات اور میر یم بھی تھا"

سلطنت خداداد میں کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار تھی۔

سلطان کی بری فوج کے انتظام کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے:۔

" سلطان نے ایک فرمان کی رو سے بری فوج کو جس کا نام "پیادہ عسکر" تھا۔ پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر ڈویژن میں ۲۷ قشون یا رجمنٹیں تھیں۔ اور ہر رجمنٹ میں ۱۳۹۲ سپاہی تھے۔ جن میں ۱۰۵۶ سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں۔ ہر رجمنٹ کے ساتھ اسکے باربرداری کے جوان بھی تھے۔ ہر رجمنٹ میں دو توپیں اور گولنداز بھی رہتے تھے۔

سوار فوج کو سلطان نے تین محکموں میں تقسیم کیا تھا۔

باقاعدہ کیولری۔ سلحدار۔ کازک۔

ان میں اوّل الذکر کو سوار عسکر کہا جاتا تھا۔ اس عسکر کے تین ڈویژن تھے۔ جن میں ہر ایک میں چھ رجمنٹیں اور ہر رجمنٹ میں ۳۷۶ سوار متعین تھے۔ ان سواروں کو گھوڑے دئے جاتے تھے۔ لیکن سلحدار اور کازک جو تعداد میں چھ ہزار اور آٹھ ہزار تھے۔ اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے۔"

اس فوج میں نوسو ہاتھی۔ چھ سو اونٹ۔ تیس ہزار گھوڑے اور چار لاکھ باربرداری کے بیل تھے۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتا ہے:۔

" ملک کی مدافعت کے لئے ایک لاکھ اسی ہزار کی بہترین منظم و باقاعدہ فوج تھی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار پانچسو کی امدادی فوج تھی۔ جو مختلف فوجی کاموں پر مامور تھی۔

(۱) مستقل سوار فوج

(۲) پنڈاروں کی سوار فوج

(۳) سلحدار جن کے اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے۔

(۴) صناع جیسے معمار وغیرہ

(۵) بار یعنے باقاعدہ پیادہ فوج

(۶) باڈی گارڈ یعنے محافظ فوج

(۷) مختلف شہروں اور قلعوں کی محافظ فوج

(۸) افریقی (حبشی) فوج

(۹) ہرکارے اور جاسوس

(۱۰) پائنیر یا سفرمینا۔

(۱۱) بھیرا اور خیمہ و باربردار

(۱۲) لوہار و بڑائی۔ جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔"

اوپر جو مختلف مورخوں کی تحریروں سے اقتباسات دئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنت کا فوجی محکمہ کس قدر بڑا اور باقاعدہ تھا۔ یہی نہیں کہ سلطنتِ خداداد کی فوج اس زمانے میں نہایت ہی منظم تھی۔ بلکہ اس زمانے کے جدید سے جدید اسلحہ سے بھی مسلح تھی۔ اور یہ اسلحہ سلطنت خداداد میں اس قدر تیار ہوتے تھے کہ جنگی نقطہ نظر سے فوج میدان جنگ کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ ان اسلحہ کیلئے سلطنت خداداد یوروپین یا دوسرے کسی ملک کی محتاج نہیں تھی۔ بلکہ تمام کے تمام چھوٹے بڑے اسلحہ ملک کے اندر ہی تیار ہوتے تھے (نوٹ:۔ انکا بیان صنعت وحرفت کے باب میں دیا گیا ہے)

سلطان نے تمام فوجی انتظام یوروپین طرز پر رکھا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کی تربیت کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور پایۂ تخت میں ایک معمل (لیبا بوریٹری) بھی تھا۔ فوج کے لئے ایک خاص وضع کی وردی تھی۔ گو مختلف رجمنٹوں کیلئے مختلف رنگ تھے۔

سلطان نے اپنے فوجی محکمے کیلئے اپنی زیر نگرانی ایک کتاب لکھوائی۔ جس کا نام تحفۃ المجاہدین تھا (لیکن یہ کتاب فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ مصنف تاریخ سلطنت خداداد کی نظر سے اس کتاب کی ایک نقل گذری ہے۔ جس پر سلطان کی مہر تھی۔ اور ہر مضمون کے اخیر میں سلطان کا دستخط بھی تھا۔ اس کتاب پر نام تحفۃ المجاہدین لکھا ہوا تھا۔) اس کتاب میں تمام فوجی قواعد وضوابط کے علاوہ قلعہ کشائی، تعمیر قلعہ جات، سامان حرب کی تیاری۔ فوجی تنظیم اور سپاہیوں کی ضروریات تک درج ہیں۔ یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھی۔

ناظرین کی آگاہی کیلئے اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ذیل میں دئے جاتے ہیں:۔

باب اول :۔ مسائل عقائد ونماز، منع تمباکو، نمک حرامی، ترکہ وجہاد وغیرہ

باب دوم :۔ فالنامہ ادنیٰ علی، واسمائے نو مقرری برائے تقسیم حساب ولفظ وزن وتعداد مقررہ کردہ حساب گز شرعی۔

باب سوم :۔ دربیان تدابیر حرب۔ جس میں اکیس (۲۱) عنوان ہیں۔ جن میں جنگ ومحاصرہ کرنا اور قلعہ سازی کے تمام اصول وغیرہ آگئے ہیں۔

باب چہارم :۔ دربیان احکام بنام سربخشی ومتصدیان تعلق وکچہری حضور وغیرہ۔ جس میں نو دعنوان ہیں۔ ان میں دفتری کاموں کے تمام احکام ہیں۔

باب پنجم :۔ دربیان ضابطۂ تفویض خدمات۔ جس میں گیارہ عنوان ہیں۔

باب ششم :۔ دربیان سام قواعد ولام داران حضور یعنے سپر برداران چھ عنوان ہیں تمام نیزہ برداران وغیرہ کے قواعد ڈرل اور طریقے آگئے ہیں۔

باب ہفتم :۔ دربیان قواعد سواران تعلقۂ عسکر۔ چودہ (۱۴) عنوان ہیں۔

باب ہشتم :۔ قواعد پیادہ تعلقۂ عسکر۔ پندرہ (۱۵) عنوان

ضمیمہ :- ایسے نسخہ جات جو بوقت ضرورت فوج کیلئے کارآمد ہوں۔
اسی کتاب سے وہ فوجی ترانے جو بیانڈ اور بگل کیلئے وضع کئے گئے تھے۔ نقل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ نسخے بھی جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ لکھے گئے ہیں۔

درنغمۂ ابیض۔ بیت وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد دماں گردید ظلمت منتشر　　از عروج دیں شدہ مخذول کفار جہاں

بیت۔ وقتِ دویم نہضت

وصفِ عزمِ لشکرِ شاہنشہ دارا غلام　　می نماید صفحہ را چوں مہرِ تاباں راہوار

بیت۔ وقت سویم نہضت

ہر کجا گرد و سپاہت جلوہ گر اے شاہ دہر　　نصرت و فتح و ظفر گردد ز گردش آشکار

درنغمۂ اصفر بیت وقت چاشت وتبدیل منقلا

چو راکب گشت فوج و لشکر شاہ جہاں آئیں　　کند بر منقلائے او فلک فتح و ظفر تعبیر

بیت وقتِ سرور و فرحت

چو گیرد رعد در کف چابک برق ابر میگرید　　ز ہول شاہ زنبیاں کافراں غرق اندر شاشا

بیت وقتِ اجتماع

ز حکم محکم شاہنشہِ خورشید ومہ آسا　　عجب بنود کہ گردد اجتماع روز و شب یکجا

درنغمہ احمر بیت وقت جلد قدم

سپاہ شاہ باشد جلد زاں ساں　　کہ زُو شد شرمگیں برق درخشاں

بیت۔ وقتِ تشہیر

ز عدل شاہ گردد فتنہ بیروں　　نہ از عالم ز زیرِ چرخ گردوں

بیت۔ وقتِ ضرب نانی

کند ضرب سِناں فوج سلطاں   عدو را در زماں نابود و بے جاں

در نغمہ زبرجد۔ بیت وقت آہستہ قدم

نالے بہر کار بہتر بود   کہ از صبر ہا آب گوہر شود

بیت روز عید

دلِ خلق لبریز شد از نشاط   کند وامِ گلشن از و انبساط

در نغمہ ورد۔ بیت وقت شان

شانِ خورشید و فلک پیش توا ے شاہِ جہاں   نیست زاں گونہ کہ در خاطرش آرند کساں

بیت وقت نشانی در روزخش شام

زنشان گفتن واز توپ نشاں خصم بسوخت   زانکہ ایں راز دہد خانۂ او را برباد

در نغمۂ عباسی۔ بیت وقت درخش یکپاس شب

از توپ شاہ گردد دلِ خستہ کافراں را   سوزاں تراست از برق برجانِ مشرکاں را

بیت وقت اول نہضت

ہر کہ قلم نویسد عزمِ سپاہ سلطاں   سرعت کند از دوام خورشید و ماہِ تاباں

اُردو ترانے

وقتِ طلوعِ آفتاب

وصفِ حسنِ خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار
بے گماں ہر بیت ہووے مطلع صبح بہار

وقت یکپاس

جاہ تیرا دیکھے اے جمجاہ جب عرض حشم | تنگیٔ جا کے سبب ہفت آسماں ہو شہر مسار

در وقت نری اول نہضت

ابر کے مانند بر بر روئے ہوا ہووے رواں | عزم تیرے کے صفت کہئے اگر با کوہسار

در وقت تری دویم یعنے زین بندی

جب ترے سیں (سے) زیب پاوے خانۂ زین ہے عجب | جلوہ کر کر مہر ہو بر ابلق لیل و نہار

در وقت نری سیوم یعنے سوار شدہ راہ رفتن

مہر و ماہ روپوش ہو جوں زنگ آلود آئینہ | جب ترا گلگوں گرد انگیز ہو در کارزار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہووے جب وہ برق تگ ہاموں نوا | چشمۂ آئینہ سیں (سے) سیراب ہووے مور و مار

در وقت شمشیر کشیدن

اژدہا دم تیغ تیری جب علم ہو در مصاف | برق جھانکے ابر کے پردہ سیں (سے) پنہاں بار بار
جا کرے جس طرح وہ افعیٔ روئیں در نیام | اژدہا اس ونہج (وضع) ستی ہرگز نہ لاوے رو بغار

در وقت جنگ

برق جاں کوہِ گراں، پیک اجل دستِ قضا | تیغ و گرز و تبر و خنجر کے ترے ہیں نام چار

در وقتِ فتح

ہر ملک کوں (کو) ورد ہوا انّا فتحنا دمبدم | جب تو ہو پا در رکاب از بہرِ قصد کارزار

بجہتِ اجتماع مردم

حکم محکم سیں (سے) ترے اے مہر تاباں کیا عجب | گر نبات النعش یکجا جمع ہو پروین وار (پروانہ)

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہت نشان

کس طرح کہئے تجھے جمجاہ اے یکتائے دور ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہے کمیں بندہ (سے) بیں تیری شان کسری آشکار

وقت یکپاس شب گذشتہ

حکم تیرا گر کرے امریزگداری بچرخ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ماہ ہو باخیل انجم در پہ تیرے پاسدار

وقت نہضت در ساز نز برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیائید وقت جہاد است ایں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ غنیمت شمارید وقت چنیں

وقت راہ رفتن ورساز نز برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

خدایا جہاں پادشاہی تراست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زما خدمت آید خدائی تراست

وقت جنگ ورساز نز رسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیائید اے زمرۂ مسلمیں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ در درک اسفل ہمہ مشرکیں

فرسید واجرِ عظیم از خدا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بیابید بے شبہ روز جزا

نوٹ:۔

سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد ۱۸۰۱ء میں تمام سرکاری دفاتر فارسی سے کنڑی اور انگریزی میں بدل دئے گئے۔ مندرجۂ بالا ابیات سے اس زمانہ کی اردو کا پتہ چلتا ہے۔ میسور میں فارسی تو بالکل مفقود ہو چکی ہے، اور اب اردو کو مٹانے کی کوشش خود چند مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ بہت سے گراجویٹ بجائے اردو کے کنڑی زبان لیکر پاس ہو رہے ہیں۔ (محمود)

کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ

نسخہ جات

علاج۔ سانپ، بچھو، دیوانہ کتا اور کوئلے کے زہر کا

۱۔ جس شخص کو سانپ کاٹا ہو۔ اس کو انکولے کی جڑ جس میں کانٹے نہ ہوں ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر پلائیں اور یہی جڑ پیس کر زخم پر لیپ کریں۔

۲۔ شالی کی جڑ سوکھی ہو یا کچی دھو کر صاف کر کے کوٹ کر شیرہ نکال کر پلائیں۔ اگر جڑ خشک ہو تو ٹھنڈے پانی میں کوٹ کر شیرہ نکالیں (نوٹ) یہ جڑ ایک کدہ سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ ایک کدہ سے زیادہ ہو تو زہر کی خاصیت پیدا کرتی ہے۔ اور انسان مر جاتا ہے

۳۔ چھچھوندر جس کا منہ لمبا ہوتا ہے۔ پکڑ کر اس کا پوست نکال لیں۔ پوست پر سے بال نکال کر خشک کریں۔ سانپ کاٹے ہوئے کو ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر کھلائیں زہر دفع ہو جائیگا۔

۴۔ سمندر پھل۔ ایک ہون وزن ٹھنڈے پانی میں گھس کر مار گزیدہ کو کھلائیں۔ اور جس جگہ سانپ کاٹا ہو۔ وہاں گھس کر لگائیں۔ یہی علاج بچھو کیلئے بھی کریں۔ گھوڑے کو بھی اگر سانپ کاٹا ہو تو یہی علاج کریں۔ مگر گھوڑے کیلئے مقدار دوائی ۴ ہون ہے اسی کا سفوف بنا کر نسوار کی طرح گھوڑے کی ناک میں پھونکیں۔

۵۔ اگر کسی کو چوہا یا گھونس کاٹے اور بدن گھاٹی دار ہو جائے، تڑک جائے۔ یا پیپ جاری ہو۔ اس کو سانپ کا پوست ایک قلم یا دو قلم وزن پیس کر گڑ (قند سیاہ) میں ملا کر چار وقت کھلائیں۔ شفا ہو گی۔

۶۔ **علاج دیوانے کتے کے زہر کا:**۔ چھوٹا سیاہ ببول۔ جسکی پھلی چار انگل کے مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ اور پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پھلی مع پوست و بیج گائے کے دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ دن تک کھلائیں۔ غذا دہی کھانا کھائیں۔ اور پیاس لگے تو دہی پئیں۔ پانی ہرگز نہ پیا کریں۔

اگر دیوانہ کتا یا کولا گھوڑے کو کاٹے تو ایک ایک پوری پھلی دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ روز کھلائیں۔

۷۔ **علاج نارو:**۔ ایک قلم یا دو قلم وزن سانپ کا پوست باریک پیس کر پرانے گڑ (قند سیاہ) میں صبح کا وقت سات دن تک کھلائیں۔

۸۔ **علاج بچھو کاٹے کا:**۔ اگر کسی کو بچھو کاٹے تو تین پتے کسوندے کے کھلائیں اور تھوڑا پتہ ہاتھ سے ملکر زخم پر لگائیں۔ (از کتاب فتح المجاہدین)

کیا کتاب فتح المجاہدین دیکھکر بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ سلطنت کا انتظام کس درجہ ترقی یافتہ تھا۔ اور اس کے علاوہ تمام مملکت میں حکام کی آگاہی کیلئے مندرجہ ذیل کتابیں تقسیم ہوی تھیں:۔

۱۔ منتخب ضوابط سلطانی (سول اور فوجی ضوابط)
۲۔ رسالہ کچہری (دفاتر کے نظم و نسق کیلئے احکام)
۳۔ ضابطۂ امثال راہ رفتن سواری (سوار فوج کیلئے احکام)
۴۔ وقائع منازل۔
۵۔ حکم نامہ

اس کتاب میں خاص طور پر ایک باب میں تمباکو نوشی کے مضرات دکھلاتے ہوئے فوجی سپاہیوں اور رعایا کو تمباکو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے باب میں تاجروں اور دوکانداروں کو ناپ اور تول میں خیانت کرنے سے منع کرتے ہوئے مذہب کی رو سے بھی خیانت کو مذموم بتلایا گیا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق جو احکام دئیے گئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر افسرانِ ضلع کو ہدایت دیگئی ہے۔ کہ شہروں اور دیہاتوں میں ایسے درخت لگائے جائیں جو غلیظ ہوا کو جذب کرلیں۔ دھوبیوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کو جنکی طرف سے گندگی پھیلنے کا احتمال ہو شہر سے باہر مکانات دئیے جائیں۔

بحری فوج کا انتظام

حالات نواب حیدرعلی میں لکھا جاچکا ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے نواب حیدرعلی نے بحری طاقت کی طرف توجہ کی۔ اور جہازات بنانے کی ابتدا بھی کردی تھی۔ نواب حیدرعلی کی وفات کے وقت چند جہازات موجود تھے۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اس جانب اپنی پوری توجہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑا بنایا جائے جو ساحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے۔ جن سے ہوکر مغربی قومیں ہندوستان کو آرہی تھیں۔ اس مقصد کیلئے اس نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا۔ سلطان کی دوربین نظر اسی زمانے میں پہچان چکی تھی۔ کہ جب تک ان مقامات پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہو۔ ہندوستان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان بندرگاہوں کے حصول کی کوشش

کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بحری طاقت کو بھی ترقی دینے کیلئے احکام جاری کئے۔
رئیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔
"بحری بیڑہ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے ماتحت رکھا گیا۔ اس سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ کہ بحری قزاقوں سے ساحل کی حفاظت کرے۔ ان میں باربرداری کے جہاز بھی تھے۔ اور یہ جہاز تجارتی سامان لیکر ایران و عرب کی بندرگاہوں تک جاتے تھے ۱۷۹۲ء میں جب سلطان کو شکست ہوی اور سلطنت کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان کو معلوم ہوا کہ بحری بیڑے کی کمزوری کی وجہ اس کو شکست ہوی ہے۔ سلطان نے اس کو محسوس کرتے ہوئے اسکی تنظیم شروع کی۔ کہ انگلستان کی بحری فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کے بعد ۱۷۹۳ء میں سلطان نے بھٹکل میں بحری مدرسہ قایم کیا۔ طرز تعلیم انگریزی طرز جہازرانی پر رکھی گئی۔ بحری فوجی تعلیم کے لئے ایک کتاب لکھی گئی (افسوس ہے کہ اس کتاب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ محمود) جس میں جہاز کے ایک کیل سے لیکر پورے جہاز کی ضروریات۔ جہازوں کی تعمیر، جنگ کے قواعد، جہاز چلانا، سپاہیوں کی خوراک ہاربر (جہازوں کا پناہ گاہ) بنانا وغیرہ کے متعلق مفصل اور مشرح احکام موجود تھے۔ جہازی بیڑے کو بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) کے ماتحتی سے نکالکر ایک خاص بحری کمیشن کے سپرد کیا گیا۔ اس میں گیارہ میر یم (لارڈ آف اڈمیرلٹی) اور تیس میر بحر (اڈمیرل) تھے۔ جن میں دس ساحل پر اور بیس جہازوں پر رہتے تھے۔

اسی سال سلطان نے سو جنگی جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ ۱۷۹۴ء میں سلطان نے بیس جہازوں کو ناقابل ٹھہرا کر ڈبو دینے کا حکم دیا۔ سلطان کی بحری فوج میں دس ہزار پانچ سو بیس ملاح تھے۔ جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۷۲ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۷۲ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

۴۶ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۶۶ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"سلطان کے احکامات پر ۱۷۹۶ء تک عمل نہیں ہوا"

نوٹ :۔ آج بھی ریاست میسور بھٹکل کو اپنا بندرگاہ بنانے کیلئے انگریزی گورنمنٹ سے خط و کتابت کر رہی ہے۔ سلطان کی وسیع النظری نے اسی زمانہ میں اس کو انتخاب کر لیا تھا۔

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی و ٹیپو سلطان کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھتا ہے :۔

"اسکی وہ آنکھیں جو ہمیشہ بیدار رہتی تھیں۔ ان سے ایک زبردست بحری بیڑے کی ضرورت بھی چھپی نہیں رہی۔ اسکے متعلق اس نے ایک فرمان جاری کیا۔ جس میں جہازات بنانے کے طریقے، لکڑی کا انتخاب اور تمام بحری قواعد و ضوابط درج تھے۔ اس نے اس فرمان میں جزئیات پر تک بحث کی تھی۔ یہاں تک کہ جہازوں کے پیندوں کیلئے کس قسم کی دھات اور کیلیں لگائی جائیں اس میں لکھا ہوا تھا۔ اس فرمان کی رو سے اس نے ایک محکمۂ بحری (بورڈ آف اڈمیرلٹی) قایم کیا تھا۔ جس میں گیارہ میر یم اور ۳۰ میر بحر تھے۔ اس فرمان میں حکم کیا گیا تھا کہ مندرجۂ ذیل جہازات بنائے جائیں :۔

۲۰ اول و دوم قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر علی الترتیب ۷۲ اور ۶۰ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

۲۰ تیسری قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر ۴۶ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

سلطان نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب کبھی میر یم معائینہ کے لئے آئے تو سرکاری خرچ پر جہازوں کے ملازم اس کی دعوت (ڈنر) کا انتظام کریں۔

اس بیڑے کی تقسیم سلطان نے اس طرح کی تھی :۔

اول و دوم قسم کے جنگی جہازات میں

۶ بندرگاہ جمال آباد (منگلور) میں

۷ " واجد آباد میں

۷ " مجید آباد (سداسیو گڑھ) میں

مقیم رہیں۔

مندرجۂ بالا تجویز کے مطابق جہازات کا بنانا شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ تجویز تکمیل کو نہیں پہونچی تھی کہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا "

تجارت

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ " رعایا کی فارغ البال اور ملک کی عام خوشحالی حکومت مسلطہ کی طرز حکمرانی پر منحصر ہے " اس لحاظ سے سلطنت خداداد یقیناً کل ہندوستان میں یگانۂ روزگار تھی۔

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :۔

" سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لیکر پیدا ہوا تھا "

میجر آلن لکھتا ہے :۔

" ٹیپو علاوہ بادشاہ ہونیکے ایک بہت بڑا تاجر بھی تھا "

تخت نشین ہونیکے بعد سب سے پہلا کام جو سلطان نے کیا وہ ملکی تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینا تھا۔ تجارت کو ترقی دینے کیلئے سلطان نے ایک کتاب لکھی جس کا نام " احکام "

تھا۔ یہ کتاب آٹھ باب پر مشتمل تھی۔ اس میں تجارت کے تمام اصول، قواعد وضوابط مندرج تھے۔ رئیس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نے اپنی مملکت میں ایسے احکام جاری کئے تھے۔ جن کی رو سے وہ صدر التجار تھا۔ تجارت کی ترقی اور نگرانی کیلئے ایک بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) قایم کیا گیا۔ اس محکمہ میں نو تجارتی میر آصف (ٹریڈ کمشنر) مقرر ہوے اور انکی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کرنے کیلئے سترہ کوٹھیاں کھولی گئیں۔ اور اندرون سلطنت صنعت وحرفت کو ترقی دینے کیلئے تیس کارخانے (فیاکٹریاں) قایم ہوئیں۔ تاجروں کو درآمد وبرآمد کرنے کیلئے محکمۂ تجارت یعنے بورڈ آف ٹریڈ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چند مخصوص اشیا جیسے تمباکو، صندل، کالی مرچ اور معدنیات کیلئے اجارے (مانوپلی) دئیے جاتے تھے۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"تجارت میں سلطان کی یہ تمام جد وجہد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت اور انکے احکام وضوابط کی نقل تھی۔"

رئیس لکھتا ہے:۔

"سلطان کا نصب العین یہ رہا کہ ملک کا روپیہ ملک سے باہر نہ جائے۔ سلطان یوروپین تاجر اور خصوصاً انگریزوں کے ساتھ تجارت کرنے کو خطرناک سمجھتا تھا۔ باہر کے تمام مال کی درآمد سختی سے بند کردی گئی۔ اور برآمد پر بھی بہت سے قیود لگادئیے گئے تھے۔ میسور کی کالی مرچ کثرت سے باہر جاتی تھی۔ اور خصوصاً یوروپین تاجر اسکی خریدی کے لئے آتے تھے۔ سلطان نے کالی مرچ کی برآمد روک دی۔ مگر چونکہ یہ ساحلی علاقوں میں

بھی ہوتی تھی۔ اسلئے چوری چھپے اسکی تجارت ہو جاتی تھی۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ساحلی اضلاع پر بھی ان کی کاشت مسدود کردیگئی۔ صرف اندرونی علاقوں میں محدود رقبوں میں کاشت ہونے لگی۔

اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے راز باہر افشانہ ہوں۔ مگر چند ایسی اشیا بھی تھیں۔ جن کی برآمد کی اجازت سلطان نے دے رکھی تھی۔"

اگر سلطان کے مکاتیب اور وہ ہدایات جو اس نے لنگڑے غلام علی کو ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے دئے تھے اور انکے ساتھ ساتھ بچانن کی تحریر کا اقتباس جو کسی اور جگہ دیا گیا ہے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلطان کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کی خوشحالی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے ترکی، ایران، مصر، برما اور چین میں تجارتی کوٹھیاں قایم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد ان کوٹھیوں سے یہ تھا کہ مسلمان پھر تجارت صنعت و حرفت کی طرف راغب ہوں۔ اور وہ روپیہ جو تجارت کے ذریعہ یورپین اقوام لے جارہے تھے اس کا سدباب ہو جائے۔

مندرجۂ بالا سطور سلطان کی تعریف کیلئے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ ان کا ثبوت آئندہ اوراق میں بچانن کی تحریر کا اقتباس اور سلطان کے مکاتیب وغیرہ دے رہے ہیں۔ سلطان کا ارادہ تو یہ تھا کہ اپنا ملک خوشحال اور رعایا فارغ البال بنے۔ اسکی اس جدوجہد کا رئیس نے گو تذکرہ تو کیا ہے۔ لیکن پھر بھی تعصب سے لکھتا ہے:۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل کرتے ہوئے سلطان نے اپنی مملکت میں بہت سے احکام جاری کئے۔ اس سے اس کا مقصد ذاتی منفعت تھا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سلطنت میں تجارت زیادہ ہو اور صنعت و حرفت روزافزوں

ترقی پر ہو تو خاص سلطان کو ہی کس طرح فائدہ پہونچ سکتا ہے؟ اس سے تو ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اور سلطنت کی آمدنی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہزاروں آدمیوں کے لئے معاش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سلطان کی جدوجہد کا نتیجہ یہی نکلا کہ ملک بالکل خوش حال اور اس میں بیکاری کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس کا ثبوت ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ کی تحریر اس طرح دے رہی ہے:۔

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔"

بنک

رئیس لکھتا ہے:۔

" تمام سلطنت میں رعایا، تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت اور ان کے فائدے کیلئے بنک جاری تھے۔ ان میں مخصوص بات یہ تھی۔ کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہونچایا جاتا تھا۔ چنانچہ پانچ سو روپیہ جمع کرنے والے کو ۵۰ فی صدی سالانہ نفع اور پانچ سو سے پانچہزار تک ۲۵ فیصدی سالانہ نفع اور پانچہزار سے اوپر ۱۲ فیصدی سالانہ نفع ملتا تھا۔ یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل تھی۔ اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو لوٹنا تھا۔"

افسوس ہے کہ رئیس نے اس لوٹ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچایا۔ سلطان کا ہر ہنر دشمنوں کو عیب ہی نظر آیا۔ دروغ گو را حافظہ نباشد کے مصداق رئیس پھر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دوکانات ہوتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا۔ جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع

حاصل ہوتا وہ بنک کے ذریعہ لوگوں کو دیدیا جاتا تھا۔

نوٹ :۔ سرکاری دوکانات سے رئیس کی مراد غالباً آج کل کی کواپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔)

زراعت

سلطنت خداداد سے پہلے میسور ایک خالص زراعتی ملک تھا۔ جہاں ضروریات زندگی پیدا کرلی جاتی تھیں۔ عام طور پر باشندوں کی غذا راگی ہے۔ جو کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ سرنگاپٹم اور اس کے نواح میں چاول کی بھی کاشت ہوتی تھی البتہ میسور کے جنگلات میں ساگوان اور شیشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اور اب بھی پیدا ہوتا ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطنتِ خداداد سے پیشتر ملک میسور کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ سلطنت خداداد کا احسان ہے کہ اس کا نام اطراف عالم میں گونج اٹھا آج بھی انگلستان و یوروپ میں اگر حیدر علی و ٹیپو سلطان کا نام نہ لیا جائے تو میسور کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میسور کی خام پیداوار اور صنعت و حرفت سے دنیا نا آشنا تھی سیاسی دنیا میں میسور کو اہمیت حیدر علی و ٹیپو سلطان کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اسکے علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی سے میسور کو دنیا سے جس نے روشناس کرایا وہ سلطان ٹیپو تھا

اگلی سطور میں تجارت کے متعلق لکھا جا چکا ہے اب یہاں سلطان کی اس جد و جہد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے کی۔

سلطان کی ملکی اصلاحات میں بتلایا جا چکا ہے کہ اس نے زمینداریوں کو ختم کر کے کسانوں کو زمین کا مالک بنا دیا۔ جس کی وجہ سے کاشت کار جو سالہا سال سے قسم قسم کے محصولات سے دبے ہوئے تھے۔ آزاد ہو گئے۔ اصلاحات کی تحت میں یہ بھی لکھا جا چکا ہے۔ کہ زمین کا لگان کس حد تک کم کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لگان زمین کی وسعت پر نہیں بلکہ پیداوار کے لحاظ سے لیا جاتا تھا۔ اور تری زمین کرنے والے کاشتکاروں کو خشک زمین مفت دی جاتی تھی۔

اور یہ بھی سلطانی حکم تھا کہ جب تک زمین میں پیداوار نہ ہو۔ لگان نہ لیا جائے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میسور کا چپہ چپہ زمین آباد ہوگئی۔

میجر ڈائرم جو میسور کی تیسری جنگ میں انگریزی فوج کا افسر تھا۔ اپنے چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے :۔

"ٹیپو نے جس اصول پر سلطنت کا نظام قایم کیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا ملک ہر جگہ آباد پایا گیا، اور زمین جو قابل کاشت ہے۔ اپنی انتہا تک کاشت کی گئی ہے۔ اس کا فوجی نظام اور میدان جنگ میں اسکے سپاہیوں کی وفاداری اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسی حکومت قایم کر رکھی ہے جو رعایا کو شخصی آزادی دے رکھی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ رعایا کو تکلیف دینے والا نہیں۔ بلکہ ان کے درد و دکھ کا شریک ہے۔ اس کا بے رحمانہ سلوک اگر کسی پر ہوتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں۔ جو اس کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔"

(میجر ڈایرمس نیارینٹو صفحہ ۲۴۹)

سلطان سے پہلے ملک میسور ریشم اور اس کی کاشت سے بالکل بے گانہ تھا۔ ملک میں جو ریشمی چیزیں بنی ہوی آتی تھی وہ یا تو چین سے آتی تھیں یا بنگالہ سے۔

سلطان نے دو وفد روانہ کئے۔ ایک چین کو اور دوسرا بنگالہ کو۔ وہاں سے ان وفود کے ارکان نے شہتوت کی چند شاخیں اور کچھ ریشم کے کیڑے لیکر واپس آئے۔ ملولی تعلقہ میں دھنگور اور تمکور علاقہ میں موضع کنگل میں ریشم کی کاشت شروع کی گئی۔ وہاں سے ریشم سرنگاپٹم لاکر اس سے یہاں کپڑا تیار ہونے لگا۔ آج بھی ریاست میسور میں ایک خاص قسم کے شہتوت کو سلطانی گڈی کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب یہ تاریخ لکھی جارہی ہے۔ میسور نے ریشم کی کاشت اور مصنوعات میں اس قدر ترقی کی ہے کہ قریباً دو لاکھ خاندان اس پر اپنا گذارہ کررہے ہیں۔

ریشم کی طرح جائپھل سے بھی میسور ناآشنا تھا سلطان نے ٹراونکور سے چند جائپھل کے پودے منگوا کر نہایت احتیاط سے انہیں لگوائے۔

مورخ ولکس لکھتا ہے:۔

"سلطان نے بڑی احتیاط سے چند جائپھل کے پودے ٹراونکور سے لاکر لال باغ میں لگوائے۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج میسور سے جائپھل باہر کے ممالک کو بھیجا جاتا ہے

(نوٹ:۔ یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میسور میں اگلے زمانے میں کافی نہیں ہوتی تھی۔ آج سے قریباً چار صدی پہلے بابا بڈھن نامی ایک بزرگ عرب سے ہندوستان آئے۔ اور خوش نصیبی سے اس قطعۂ زمین پر اقامت فرمائے۔ جو ریاست میسور میں بابا بڈھن گری کہلاتا ہے۔ آپ کافی کے چند بیج اپنے ہمراہ لائے۔ یہاں پہونچکر اسکی زراعت کی ترویج دی۔ آج ملک میں کافی کے صدہا باغات ہیں جس سے رعایا اور حکومت دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں۔)

تجارت کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے تیس[۳۰] کوٹھیاں کھولی تھیں۔ یہاں سے غیر ممالک کو مال بھیجا جاتا تھا۔ میسور سے جو خام پیداوار بھیجی جاتی تھی۔ ان میں کالی مرچ صندل، الائچی اور کافی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے بنگلور اور سرنگاپٹم میں دو باغ بنائے سرنگاپٹم کا لال باغ تو آج موجود نہیں ہے۔ لیکن بنگلور کا لال باغ ابھی موجود ہے اور اسکی شہرت ہندوستان سے لیکر یوروپ و امریکہ تک پہونچ چکی ہے۔

لال باغ بنانے سے سلطان کا مقصد ایک زرعی معمل تھا۔ جہاں اور ممالک کے درخت اور

بیج منگوا کر یہ دیکھا جاتا تھا۔ کہ انکی کاشت اس ملک میں ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :۔

"میں نے لال باغ دیکھا۔ یہاں زمین کو مربع قطعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور قطعہ کے بازو راستہ ہے۔ جس پر دونوں جانب خوبصورت سرو کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ یہ قطعے پھلدار درختوں اور گملوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ درختوں کی قسموں کو علیحدہ علیحدہ قطعے مخصوص کئے گئے ہیں۔ یہاں سرو، انگور، ناشپاتی اور سیب کثرت سے اور نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا گیا کہ ٹیپو نے جنوبی آفریقہ سے صنوبر اور سرو کے جو درخت منگوا کر لگائے ہیں وہ نہایت اچھی حالت میں ہیں۔"

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۸۰)

(نوٹ :۔ بچانن ۱۸۰۰ء میں یعنے زوال سلطنت کے ایک سال بعد یہاں آیا تھا۔)

ایک اور سیّاح لکھتا ہے :۔

"لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں۔ اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کونسے مفید درخت یہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے موزوں ہوسکتے ہیں۔"

اسی سلسلے میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں جو تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انجیر، امرود اور تربوز یہاں کی آب وہوا میں خوب پھلتے اور شیریں ہوتے ہیں۔

نوٹ :۔ آج میسور گورنمنٹ نے سرنگاپٹم میں پھر انجیر کی کاشت پر توجہ کی ہے۔ اور کاشت کرنے والوں کو پانی اور زمین مفت دینے کے علاوہ دوسری سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔

سلطان کے مکاتیب جو کسی اور جگہ دئے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

یہاں زعفران کی کاشت کا تجربہ بھی کیا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ دریائے کاویری کا وہ پشتہ ہے جس کو آج "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے اس لیئے بجا طور پر آج کے مورخین سلطان کو "ٹیپو دی ڈیام بلڈر" (Tipu the Dam Builder) لکھتے ہیں۔ بمبئی کے مشہور اخبار السٹریٹیڈ ویکلی مورخہ اکٹوبر ۳۸ء میں اسی عنوان سے دریاء کاویری کے پشتہ کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ لیکن یہاں میسور گورنمنٹ کی کتاب "ٹورسٹ گائیڈ ٹو میسور" (Tourist Guide to Mysore) سے مضمون لیا جاتا ہے۔

"کرشنا راج ساگرا"

"دریائے کاویری کے دامن میں جو قابل زراعت زمین علاقۂ میسور میں ہے۔ اس کی وسعت ۱۱۵۰۰ مربع میل ہے۔ زمانۂ قدیم سے دریا سے نالے کاٹ کر جو زمین کاشت کی جاتی تھی۔ اس کا رقبہ کل ۱۰۰ میل ہے۔ بقیہ خشک زمین کی آبپاشی کرنے کیلئے میسور گورنمنٹ ایک عرصہ سے تجاویز سوچ رہی تھی۔ آخر ۱۹۱۱ء میں موجودہ بند جس کو "کرشنا راج ساگرا" کا نام دیا گیا ہے شروع کیا گیا۔ جس سے تین مقاصد زیر نظر ہیں۔

۱۔ گرمی کے دنوں میں قلتِ آب کی وجہ سیوا سمدرم میں برقی طاقت حاصل کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں۔ ان کا سدباب کیا جائے۔

۲۔ سیوا سمدرم کی برقی طاقت جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کو ایک حالت پر لایا جائے۔

۳۔ خشک زمینوں کا ایک وسیع رقبہ نہروں کے ذریعہ قابل کاشت بنایا جائے۔

یہ مشہور بند شہر سرنگاپٹم سے نو میل جانب مغرب میں ہے۔ اور اس کا رقبہ تقریباً پچاس⁵⁰ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ بند ۱۲۴ قدم اونچا اور اس میں پانی کی مقدار اوپر کی نالیوں کی سطح سے ۴۴۸۲۷ ملین مکعب فیٹ ہے۔ اس میں ایک چوتھائی حصہ برقی روشنی کیلئے اور تین چوتھائی آبپاشی کیلئے رکھا جائیگا۔"

اس موقع پر اگر ہم ایک تاریخی سچے واقعہ کا ذکر کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ جب اس بند کیلئے کھدائی کا کام ہو رہا تھا۔ تو ایک قدیم کتبہ ملا جس میں ٹیپو سلطان کی یہ فارسی تحریر موجود ہے۔

کتبہ

یا فتّاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ۲۰ ذی الحجہ سنہ بروز دوشنبہ علی الصباح قبلِ طلوعِ آفتاب اچھی لگن اور نیک ساعت میں اللہ کے فضل اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں زمین و زماں کے خلیفہ سلطان جہاں حضرت ٹیپو ظل اللہ (خداوند تعالیٰ انکی سلطنت اور خلافت کو برقرار رکھے) نے کاویری ندی پر دارالسلطنت کے قرب میں "مھی" نام کے پشتہ کی سنگ بنیاد رکھی۔ شروع کرنا ہمارا کام ہے اور تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جس مبارک ساعت میں بنیاد رکھی گئی۔ اس دن سورج، چاند، شکر (زہرہ) اور برہسپت (مشتری) چاروں کا ایک ہی برج (راس) میں مبارک قیام تھا اللہ کے فضل سے یہ پشتہ تا قیامت قایم و برقرار رہے۔

اس پشتہ کی تیاری میں جو لاکھوں روپئے سرکار خداداد نے خرچ کئے۔ وہ

صرف اللہ ہی کی راہ میں صرف کئے گئے ہیں۔ قدیم یا جدید کاشت کے علاوہ بھی جو کوئی بھی اس تالاب سے آبپاشی کریگا۔ وہ اس پیداوار یا رقم کا جو اور رعایا قانوناً سرکار میں جمع کرتی ہے۔ صرف ۳/۴ حصہ سرکار خداداد کو دے۔ باقیماندہ ایک چوتھائی خدا کی راہ میں معاف ہے۔ اور جو کوئی اس پشتہ (تالاب) سے نئی زمین میں کھیتی باڑی کریگا۔ تو وہ زمین اسکی اولاد اور وارثوں کے قبضہ میں نسلاً بعد نسلاً اس وقت تک رہیگی جب تک زمین و آسمان قایم ہیں۔ اگر کوئی شخص اس میں رکاوٹ ڈالے یا اس کار خیر میں مداخلت کرے تو وہ کمینہ خصلت ـ ملعون۔ شیطان کی طرح صرف کسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام انسانی نسل کا دشمن سمجھا جائیگا۔"

کتبہ سید جعفر (ترجمۂ فارسی)

میسور گورنمنٹ نے اس کتبہ کو بند کے داخلہ کی جگہ پر ایک کمان باندھکر نمایاں طور پر لگایا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کیئے۔ اور کسانوں کو اجازت دی کہ جو شخص تالاب یا نہر کے پانی سے زمین میں نئی زراعت کریگا۔ اس کو اوروں کی طرح زیادہ لگان دینے کے بجائے کم لگان دینا پڑیگا۔ اور سینچی ہوئی زمین اسکی موروثی سمجھی جائے گی۔

اس بند کی تعمیر اور اس کتبے کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال گذرتا ہے کہ سلطان کس قدر عالی دماغ تھا۔ اور اس زمانہ کے لوگ فن انجنیری میں کس قدر ماہر تھے۔ حکومت میسور نے جب دریائے کاویری پر بند باندھنا چاہا تو اس کے لئے میسور کے انجنیروں کے

یا فتاح

بسم اللہ الرحمان الرحیم

[illegible]

کتبۂ سدِ محی

ٹیپو سلطان کا یہ کتبہ کرشنا راج ساگر پر لگا ہوا ہے۔

علاوہ جرمنی، انگلستان اور امریکہ سے تک انجنیر طلب کئے۔ جنہوں نے سالہا سال دریائے کاویری کا سروے کیا اور آخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ بند موضع بلگولا کے قریب جو سرنگاپٹم سے دس میل جانب مغرب ہے۔ تعمیر کیا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ٹیپو کا انجنیری دماغ اور اسکی عالی دماغی ڈیڑھ سو سال پہلے اسی جگہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ یہ ایک حسنِ اتفاق تھا۔ بلکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس سلطان کا نام جس کو مغربی مورخین نے حد درجہ بدنام کر دیا ہے۔ دنیا میں پھر ایک بار روشن کرے۔ چنانچہ جب کھدائی ہوئی تو انجنیروں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ وہاں ایک فارسی کتبہ زمین میں گڑھا ہوا ملا (اس کتبہ کی عبارت اوپر دی گئی ہے اور اس کا عکس بھی دیا گیا ہے) عبارت سے ظاہر ہے کہ سلطان کے دل میں رعایا پروری کا کس قدر صحیح جذبہ موجود تھا۔

کیا آج دنیا کی کوئی حکومت اس سے بڑھکر رعایا پروری۔ فراخدلی اور فیاضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نوٹ:۔ یہ بند جس کا آغاز سلطان نے کیا اور سنگ بنیاد بھی رکھدیا تھا سلطنت کے سقوط کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ اسکی روح ابھی میسور میں کام کر رہی ہے۔ بند کی تعمیر کا خیال حکومت میسور کو آیا اور وہی جگہ منتخب ہوی جو سلطان نے کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ میسور کی موجودہ حکومت نے بھی اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کی ہے اور اسکی تکمیل موجودہ مہاراجہ سری کرشنا راجہ وڈیر کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اور اسی لحاظ سے اس کو "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ قرین انصاف تھا۔ کہ میسور کے اس محسن سلطان کے نام پر اس بند کا نام رکھا جاتا۔ اس بند کے دیوار کی اونچائی ۱۳۴ قدم اور پانی کی مقدار ۴۸۱۵۰۰ ملین کیوبک فیٹ ہے۔ اس بند پر حکومت میسور نے ۳۶۵ لاکھ روپیہ خرچ

کیا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو رہی ہے۔ بند کے نیچے جو باغات لگائے گئے ہیں وہ یقیناً اس شعر کی یاد تازہ دلاتے ہیں۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است وہمیں است وہمیں است

زراعت کو تقویت دینے کیلئے سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل ہے

امرت محل

ایک زراعتی ملک کے لئے عمدہ قسم کے جفاکش مویشی کی جس قدر ضرورت ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ میسور و ہندوستان میں زراعت بیلوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ سلطنت خداداد سے پیشتر جو مویشی ملک میں موجود تھے۔ وہ اس قدر چھوٹے اور کمزور تھے کہ زیادہ محنت کے قابل نہیں تھے۔ اور اسی لحاظ سے گائے بھی بالکل چھوٹی ہوتی تھی۔ جو بالکل کم دودھ دیتی تھی۔ اس لئے رعایا کو دودھ اور گھی کافی مقدار میں نہیں ملتا تھا۔ اس کے علاوہ فوجی نقطۂ نظر سے بھی جو بیل میسور میں تھے۔ وہ باربرداری کے قابل نہیں تھے۔ اور نہ گھوڑے ہی ملک میں پیدا ہوتے تھے۔ البتہ میسور کے جنگلات میں ہاتھی ملتے تھے۔

سلطنت خداداد کے حکمران نواب حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کا اس ملک پر ایک بڑا احسان ہے۔ جو انہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قایم کیا۔ اور اس میں بیل، گائے گھوڑے، خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا۔

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھتا ہے:۔

"امرت محل جیکے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ خالص دودھ کی فراہمی کیلئے ہے۔ یہ محکمہ فوجی ضروریات کیلئے قایم ہوا۔ حیدرعلی کا مقصد اس محکمہ کے قایم کرنے سے یہ تھا کہ فوجی باربرداری کیلئے عمدہ اور محنتی مویشی حاصل کئے جائیں۔ اس غرض کیلئے

ترچناپلی سے ایک خاص قسم کے نر بیل بچہ کشی کیلئے لائے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیلوں کی ایک خاص قسم جس کو میسور میں "ہلی کار" کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوئی جو اپنی جفاکشی اور اپنی محنت کیلئے نہایت ہی مشہور ہے۔"

سر مارک کبن لکھتا ہے:۔

"یہی وہ محکمہ ہے۔ جس نے حیدرعلی کو کرناٹک کی جنگ میں صرف دو دن کے اندر ایک سو میل طے کر کے چدمبرم پر دھاوا کرنے میں مدد دی۔ یہی وہ بار برداری کے بیل ہیں جو ٹیپو سلطان کو جزیرہ نمائے جنوبی ہند کو ایک ماہ کے اندر عبور کرتے ہوئے بدنور پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں ممد و معاون ہوئے۔ اور یہی وہ جانور ہیں جنکی وجہ سے ٹیپو سلطان نے ۶۳ میل کا فاصلہ دو دن میں طے کر کے جنرل میڈوز کو شکست دی۔"

اسی محکمے کے بیل تھے جن سے انگریزوں نے بعد زوال سلطنت خداداد کام لیکر مرہٹوں کو شکست دی۔ ڈیوک آف ولنگٹن کو یورپ میں جبکہ وہ جنگوں میں مصروف تھا تو یہی حسرت رہی کہ:۔

"سامان رسد اور توپوں کی جلد سے جلد نقل و حرکت کے لئے اس کے پاس محکمۂ امرت محل کے مویشی نہیں ہیں۔"

سلطنتِ خداداد کا یہ وہ احسان ہے۔ جس کے بارے میسور سر نہیں اٹھا سکتا۔ ان مویشیوں کو پالنے کیلئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں۔ اور انکا رکھ رکھاؤ نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا۔ زوال سلطنت کے بعد جب یہ محکمہ میسور کے راجہ کی تحت میں دیا گیا تو نسل کشی اور بیلوں کی قسم میں اس قدر انحطاط آ گیا۔ کہ مجبوراً سرکار انگریزی کو یہ محکمہ اپنے ماتحت لینا پڑا۔

خچر :- میسور اور جنوبی ہند میں نامعلوم تھے۔ بار برداری کیلئے خچروں سے زیادہ مضبوط اور جفاکش جانور کوئی نہیں۔ خاص اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیپو سلطان نے عرب سے نسل کشی کیلئے عمدہ گدھے منگوائے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"سلطان کی رعایا اس قسم کی نسل کشی کے خلاف تھی۔ اس لیئے اس باب میں سلطان کچھ زیادہ کارروائی نہیں کرسکا۔"

(نوٹ :- میسور کے ملا لوگ جو زیادہ تر سادات تھے مخالف ہوگئے کہ گھوڑے جیسی اعلیٰ اور گدھے جیسے ادنیٰ جانور کے ملاپ سے کیوں ایک انوکھی اور ادنیٰ نسل پیدا کی جاتی ہے)

گھوڑے۔ کرنل ولش لکھتا ہے :-

"کل ہندوستان میں جو گھوڑے استعمال میں ہیں۔ وہ وہی بدنما ٹٹو ہیں۔ جن کی اونچائی بارہ ہاتھ سے بڑھکر نہیں ہوتی۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے گھوڑوں کی نسل عمدہ بنانے میں حد درجہ کوشش کی۔ نسل کشی کے لئے عرب اور مختلف ملکوں سے عمدہ جانور منگوائے گئے۔

گھوڑوں کی ترقی کیلئے محکمہ امرت محل کے ماتحت مختلف مقامات پر چراگاہیں اور فارم قایم کئے گئے۔ اور انکا انتظام نہایت ہی اعلےٰ درجہ پر تھا۔ جو نسل کہ یہاں حاصل کی گئی۔ وہ اس قدر جفاکش اور محنتی تھی کہ سلطنت خداداد کی کیولری میں یہی گھوڑے استعمال ہوتے تھے۔"

یہی کرنل لکھتا ہے :-

"اسی محکمہ کے ماتحت کولار میں جو نسل پیدا ہوی۔ وہ اس قدر شریر اور تند و تیز

تھی۔ کہ آج بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں جہاں کہیں سشمر پر گھوڑا ہوتا ہے۔ اس کو کولاری کہا جاتا ہے۔"

ہاتھی :- رئیس لکھتا ہے :-

"ہاتھیوں کی پرورش اور نسل کشی کے لئے مختلف مقامات میں چراگاہیں محفوظ تھیں"

(نوٹ :- اس وقت ریاست میسور میں جو محکمۂ امرت محل ہے۔ اس میں صرف گایوں کی پرورش اور نسل کشی ایک محدود پیمانہ پر ہوتی ہے۔ کنگل میں گورنمنٹ کی جانب سے گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بھی چھوٹے پیمانہ پر ایک فارم ہے اور یہاں کے گھوڑے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں)

صنعت وحرفت

تجارت کا دارومدار زراعت اور صنعت وحرفت پر ہے۔ جس قدر پیداوار زراعت سے ہوگی۔ کسان اسی قدر فارغ البال ہوں گے۔ بشرطیکہ حکومت مسلطہ انہیں بھاری بھاری ٹیکسوں میں نہ جکڑ دے سلطنت خداداد میں کاشتکاروں کو جو سہولتیں سلطان نے دی تھیں۔ ان کا بیان اصلاحات سلطانی اور زراعت کے عنوانات کے تحت دیا گیا ہے۔ تجارت کے عنوان کے تحت یہ بھی بتلایا جاچکا ہے کہ سلطان نے سترہ تجارتی کوٹھیاں اور تیس کارخانے کھولے تھے۔ جن میں ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں میں جو چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ انکا ذکر رئیس نے بھی کیا ہے اور سیاح بچانن نے بھی۔

رئیس نے جن صنعتوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

(۱) معدنیات :- سونا اور لوہا وغیرہ نکالا جاتا تھا۔ بہت سے مقامات پر سونا اس طرح دستیاب ہوتا تھا۔ کہ سونے کی مٹی بیکر اس کو پانی میں چھان لیا جاتا تھا۔ سونا بوجہ بھاری ہونیکے تہ نشین ہو جاتا۔ اس طرح سونا زیادہ تر علاقہ کولار اور وائناڈ

میں ملتا تھا۔

نوٹ:۔ میری عمر کے تقریباً ۸۰ سال معدنہائے طلا میں گذرے ہیں۔ جن میں آخر کے چند سال نئے معدنوں کی دریافت میں بسر ہوئے۔ اس سلسلۂ ملازمت میں میں نے میسور، اننت پور، کڈپہ، کرنول گدگ، النا وار وغیرہ کے جنگلوں میں قیام کیا ہے۔ اور ذاتی تجربہ کی بنا پر ٹیس اور ولکس کی تحریر پر یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ سونا دو طرح سے نکالا جاتا تھا۔ ایک تو وہی طریقہ جو اوپر تحریر ہوا ہے اور دوسرا کان کنی کے ذریعہ۔ آج کل سونا نکالنے والی کمپنیوں کا دار و مدار بھی اسی پر ہے۔ کہ پرانے کان دریافت کریں۔ اور وہاں کام جاری کریں۔ اننت پور میں جو معدنہائے طلا تھے۔ ان میں ناگ سمدرم ریلوے اسٹیشن سے دس۱۰ میل مغربی جانب پر قدیم کانوں کا ایک سلسلہ آٹھ دس میل طول پر پھیلا ہوا ہے۔ کانوں کے اندر چونکہ ہوا پہونچانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ کان صرف کنوئیں کے نمونہ کے ہیں۔ گو ان کا طول و عرض پچیس۲۵ تیس۳۰ فیٹ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض دو ڈھائی سو فیٹ گہرے ہیں۔ نہیں معلوم کہ پانی کس طرح خارج کیا جاتا تھا۔ گنتکل سے بیس۲۰ میل پر چند کانیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ہیں۔ مگر زمین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین پر بھی سونا بکثرت تھا۔ جو پتھر کاٹ کر نکالا جاتا تھا۔ اور ہر ہر قدم پر کاٹنے کے نشانات ہیں۔ کرنول سے چالیس۴۰ میل پر تانبے کی کانیں بھی اسی نمونہ کی ہیں۔ پتھر سے سونا نکالنے کیلئے ہر جگہ ان کانوں کے قریب پانی کے نزدیک پتھروں کے بڑے بڑے سل اور گولے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پتھروں کو یہاں لاکر پیس لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے پتھر ضلع اننت پور میں دریائے پنار کے کنارے پانچ چھ مقامات پر ہیں۔ گدگ وغیرہ میں بھی بہت سے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ گرم کنڈے کے قریب ایک پہاڑ پر لوہے کے پگھلا ہوئے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوہا نکالکر ڈھالا جاتا تھا۔ اننت پور کے بہت سے ایسے کانوں

کے قریب تالاب بھی ہیں۔ جن کے پشتہ پر صرف سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ اور یہ سنہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے زمانہ کا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہی کان کنی کا رواج ہوا ہے۔ بلکہ قدیم زمانہ سے (غالباً ہندو قوم جب اپنے عروج پر تھی) ہندوستان میں کان کنی جاری تھی۔ اور عجب نہیں کہ حیدر علی و سلطان کے زمانہ میں بھی ان کانوں پر کام کیا گیا ہو۔ محمود)

۲۔ مٹی کی مصنوعات:۔ علاوہ تمام گھریلو ضروریات کے جو ہر جگہ بنائی جاتی تھیں۔ کارخانوں میں چینی کے برتن۔ کانچ کے صراحی اور چراغوں کے فانوس اور آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔

۳۔ لکڑی کا کام:۔ میسور آج بھی اس کے لئے مشہور ہے۔ چن پٹن وغیرہ میں لکڑی کی بہترین اشیا اور کھلونے بنتے ہیں۔

۴۔ چرم سازی:۔ چمڑے کی دباغت اور چمڑے سے ہر قسم کا سامان بنایا جاتا تھا ہری ہر میں مچی کار قوم سرخ مراکو کا بہترین چمڑا تیار کرتی تھی۔

۵۔ تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات:۔ (علاوہ ان تیلوں کے جو گھریلو زندگی کے لئے ضروریات سے ہیں ہر جگہ کشید کیے جاتے تھے) صندل کا تیل بھی نکالا جاتا تھا۔

۶۔ صندل:۔ صندل کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی تھیں۔ سرنگاپٹم کے علاوہ ساگر (ضلع شیموگہ) اس کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ صندل کی لکڑی باہر کے ملکوں کو بھیجی جاتی تھی۔ اور اندرون ملک اگربتیاں اور دوسری خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔

۷۔ رسی اور قالین:۔ بنگلور اپنی قالینوں کے لئے مشہور تھا۔ رسیاں ملیبار

میں بنائی جاتی تھیں۔

۸۔ **ہاتھی دانت کا کام**:- یہ فن میسور میں مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ان سے آگے میسور اس فن سے نابلد تھا۔ صندل اور شیشم کی لکڑی میں ہاتھی دانت سے منقش کام کیا جاتا ہے۔

۹۔ **نمک بنانا**:۔ نمک بھی ملک کے اندر بنایا جاتا تھا۔

۱۰۔ **زر**:- سونے کی تار نکالنا۔

۱۱۔ **کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا**:- یہ وہ معمولی کاغذ نہیں جو آج سنہری رنگ کا فروخت ہوتا ہے۔ یہ خاص طور پر تیار ہوتا تھا۔ اور اکثر محلات وغیرہ میں زیبائش کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور برسوں تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اس قسم کا کاغذ دریا دولت باغ پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ صنعت اب بالکل معدوم ہو گئی ہے رئیس نے اپنی کتاب میں اسکے بنانے کا طریقہ لکھا ہے

۱۲۔ **اون**:- اون کی مصنوعات جیسے کمل۔ شال وغیرہ

۱۳۔ **فنونِ لطیفہ**:- نقاشی و مصوری (سلطان خود بھی ایک بڑا آرٹسٹ تھا)

۱۴۔ **ریشم**:- ریشم کی کاشت اور اسکے مصنوعات

۱۵۔ **روئی کی مصنوعات** - کپڑے بنانا۔

رئیس نے جن مصنوعات کا ذکر کیا ہے۔ انکے متعلق اس نے کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ اس لیے ذیل میں مختلف کتابوں سے مضمون لیکر بعض مصنوعات کے متعلق تشریحی بیان دیا جاتا ہے:-

(۱) مٹی کی مصنوعات میں رئیس نے شیشہ سازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بچانن کی تحریر سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فن نہایت عروج پر تھا۔ اور مختلف قسم اور قد وقامت کے شیشے بنائے جاتے تھے۔ بچانن کی مراد شیشوں سے آئینوں کی ہے اور اگر اس تحریر کے ساتھ ان انگریزی افسروں کی تحریر بھی ملا کر دیکھی جائے، جو سلطانی محل کی لوٹ میں شامل تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں دوربینیں بھی تیار ہوتی تھیں۔

ریشم اور روئی کی مصنوعات:- یوں تو سلطنت کے طول وعرض میں ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے۔ لیکن سرنگاپٹم اور بنگلور خاص طور پر اپنی بعض مصنوعات کے لحاظ سے نہایت مشہور تھے۔ سرنگاپٹم کے کارخانوں میں ریشمی کپڑا، پھولدار چھینٹ اور بہترین قسم کا ململ تیار ہوتا تھا۔

(نوٹ:- ململ کے بہت سے نمونے میسور کے مہاراجہ صاحب کے محل میں موجود ہیں۔ ابھی حال میں یعنے ۱۹۳٦ء میں دسہرہ کی نمائش میں انہیں رکھا گیا تھا۔)

بنگلور میں ریشمی کپڑا، قالین، گوٹا، کناری اور لچھی بنائی جاتی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۱ پر لکھتا ہے:-

"پٹویگر اور کھتری قوم کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا مضبوط ریشمی کپڑا تیار کرتے تھے ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے تھے۔ جو لوگ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ ان جولاہوں کو نصف قیمت پہلے ہی بطور اڈوانس دے رکھتے تھے۔ اور جب مانگ نہ ہوتی تھی تو جولاہے ان سوداگروں سے روپیہ قرض لیا کرتے تھے۔ جو بعد میں مال کی قیمت میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح کپڑا بنانے والے جولاہے بھی اڈوانس حاصل کرتے تھے۔ ٹوٹگار و قوم کے لوگ ایک قسم کا سفید کپڑا بناتے تھے۔ جن کے کنارے سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کپڑے کی ساڑیاں بنتی تھیں جو غریب طبقہ میں بہت مستعمل تھیں۔"

سیاح بچانن جو زوالِ سلطنت کے ایک سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :-

" بنگلور کے جولاہے اپنے فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ انہیں اگر امداد دی جائے تو یہ بہترین قسم کے کپڑے تیار کرینگے۔ زوال سلطنت کا باعث یہ لوگ سخت مشکلات میں گھِر گئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ جس قدر کپڑا تیار کرتے تھے۔ سرنگا پٹم میں کھپ جاتا تھا۔ اب امید نہیں کہ انگریزی افسر جو اس ملک میں مقیم ہیں۔ اس قسم کا اور اسی قدر کپڑا استعمال کریں گے۔ جتنا کہ مسلمان امراء کرتے تھے۔ اگر حکومت ان کے لئے کوئی منڈی پیدا نہ کرے تو انکی تباہی یقینی ہے "

نوٹ :- بچانن نے جو کچھ لکھا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سلطنت خداداد پر انقلاب آتے ہی نہ صرف جولاہے بلکہ تمام دوسرے کارخانے بھی تباہ ہو گئے۔ اور انکی جگہ یوروپ کی مصنوعات نے لے لیں (محمود)

لوہے کی مصنوعات :- لوہا اور فولاد یوں تو عام ضروریات جیسے گاڑیوں کے پہئے اور ہل وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن اسکی زیادہ تر کھپت سلطانی کارخانوں میں تھی۔ جہاں جنگی اسلحہ جیسے سنینیں، تلوار، بندوق، توپ گولے اور گولیاں وغیرہ بنتی تھیں۔ اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگاپٹم میں تھا۔ بنگلور، نگر اور گرم کنڈہ میں بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے :-

کیپٹن اٹل اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" بنگلور پر جب ہماری فوج نے قبضہ کر لیا تو قلعہ میں ایک عجیب وغریب مشین نظر آئی۔ جو پانی کے ذریعے چلتی تھی۔ اس مشین سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور یہ سوراخ بالکل صحیح اور سیدھے ہوتے تھے "

میجر ڈٹسن لکھتا ہے :-

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے کم درجہ پر نہیں تھیں۔ بلکہ مار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلہ پر مارنے والی تھیں۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کے لئے سرنگاپٹم میں جو مشینیں ہیں وہ پانی سے چلائی جاتی تھیں۔"

مال غنیمت میں انگریزوں کو سرنگاپٹم میں جس قدر اسلحہ ملے انکی تعداد ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۵۷ میں لکھا ہے :-

"قریباً ایکہزار توپ پیتل اور لوہے کے سرنگاپٹم کے قلعہ میں پائے گئے۔ پانچ لاکھ سے زیادہ گول اور دوسری وضع کی گولیاں۔ بارہ ہزار گولے۔ ساٹھ ہزار بندوق، لاکھوں تلواریں۔ سنگینیں اور دوسرے ہتھیار ملے۔ ان میں ۱۵ توپیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ساخت کی تھیں۔ باقی جس قدر توپیں۔ بندوق اور اسلحہ تھے۔ وہ سب کے سب سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور صنعت کے لحاظ سے نہایت اعلےٰ درجہ کی تھیں۔ ٹیپو کی جدید ایجاد یہ تھی کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کیلئے اس نے پانی سے چلنے والی ایک مشین ایجاد کی تھی۔ جو بالکل سیدھا سوراخ ڈالتی تھی۔"

اسی مصنف نے مدور کے قلعے میں جو مال غنیمت انگریزوں کو ملا۔ اسکی تفصیل میجر آلن کی تحریر کے حوالے سے اس طرح دی ہے (نوٹ۔ مدور کا قلعہ بنگلور سے قریباً پچاس میل جانب جنوب میسور کے راستے میں ہے۔ اور سرنگاپٹم سے قریب تیس ۳۰ میل جانب شمال ہے)

"اس قلعہ میں ۲۰۳ میدانی توپ، ۶۰ کوہستانی توپ، ۱۱ برجی توپ، بالکل مکمل حالت میں موجود تھے۔ ۴۶۶ میدانی توپ، ۱۲ کوہستانی توپ اور ۷ برجی توپ

ناممکل حالت میں تھے۔ جو توپیں مکمل تھیں۔ ان میں سے ۲۸۰ توپیں فصیل قلعہ پر چڑھی ہوی تھیں۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر ۴ لاکھ چوبیس ہزار گولیاں۔ پانچ لاکھ بیس ہزار پونڈ بارود۔ ۹۹ ہزار بندوق (جن میں تیس ہزار فرنچ ساخت، ۷ ہزار انگریزی ساخت اور باقی چوپن ہزار سلطانی کارخانوں کی بنی ہوی تھیں۔ اس مقام پر پانچ اسلحہ سازی کے کارخانے اور ۱۷ عمارتیں تلوار اور دوسری جنگی ہتھیاروں سے بھری ہوی تھیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۴۲)

مذکورۂ بالا تحریر سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صرف سرنگاپٹم اور مدور کے دو قلعہ میں اسقدر اسلحہ ملے جو تمام کی تمام سلطانی کارخانوں کے بنے ہوے تھے۔ تو سلطنت خداداد میں جسکی وسعت اسّی ہزار میل تھی۔ اور اس میں بے شمار قلعے تھے۔ انمیں کسقدر اسلحہ ہونگے۔ ان اسلحہ کا اندازہ کرتے ہوے خیال کیا جاسکتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں کسقدر کام ہوتا ہوگا۔ اور کس قدر لوگ یہاں کام کررہے ہونگے اور ملک کسقدر خوشحال رہا ہوگا سلطانی کارخانوں میں جو اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ ان پر مقام اور مہتمم کارخانہ یا اسلحہ ساز کا نام لکھا جاتا تھا۔ سلطان اپنے خاص اسلحہ پر "اسد اللہ الغالب" کندہ کراتا تھا۔ جنگلور کے عجائب خانہ اور بہت سے مقامات پر ابھی تک بہت سے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں۔ میسور میں ایک توپ ہے۔ جن پر اس طرح کا نشان کندہ ہے۔



نوٹ:۔ اس قسم کا نشان اور بہت سے ہتھیاروں پر بھی پایا جاتا ہے۔

اقتباس از سفرنامہ بچانن

(بچانن کا پورا نام ڈاکٹر فرانسس بچانن ہے۔ یہ شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں سرجن کے عہدہ پر مامور تھا۔ زوال سلطنت خداداد کے چند ماہ بعد لارڈ ولزلی نے اسکو سلطنت خداداد کا زرعی، صنعتی اور اقتصادی سروے کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ بچانن اوائل ۱۸۰۰ء میں سلطنت خداداد میں آیا۔ اور کامل دو سال تک سیاحت کی۔ اس حساب سے بچانن سلطنت خداداد کے زوال کے ٹھیک ایک سال بعد اس ملک میں آیا تھا)

"**تاکل** میں زمین سے نمک نکالا جاتا ہے۔ یہ نمک ایک سلطانی فنم (فنم:- ایک چاندی کا سکہ تھا۔ جس کی قیمت ۴ر کے برابر تھی) کے عوض بیس سیر ملتا ہے۔ مدراس کا سمندری نمک اسی قیمت میں آٹھ سیر ملتا ہے۔ سلطان ہمیشہ دیسی نمک استعمال کرتا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ اسکے باورچی خانہ میں سوائے سلطنت کے اندر نکلے ہوئے نمک کے کوئی دوسرا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہی ہدایت اس نے اپنی رعایا اور افسروں کو بھی دی تھی۔ یہ حکم اس لئے نافذ کیا گیا تھا کہ مدراس سے آئے ہوئے نمک کا منافع غیر ملکیوں یعنے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا۔

مالور میں بکروں کی اون سے کمل بنائی جاتی ہیں۔

کارگوڑی میں چونا نکالا جاتا ہے۔ جس کا رنگ بالکل سفید ہے۔

مدور میں عمدہ قسم کا گڑ بنایا جاتا ہے۔

سرنگاپٹم اپنی مختلف مصنوعات کیلئے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر فوج سے متعلقہ سامان بنایا جاتا ہے۔ گنجام میں بے شمار جولاہے موجود ہیں۔ یہاں کی تمام تجارت کا انحصار شاہی محل پر ہے۔ جہاں اناج، کپڑا اور تعیش کا سامان

مہیا کیا جاتا ہے۔ سلطانی حکم سے ان تمام تاجروں کو نقد قیمت ملتی تھی۔ سلطان کے حکم سے یہاں قسم قسم کے کپڑے، کاغذ، گھڑیاں اور چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے۔ اور انکے بنانے کے طریقے بالکل رازمیں ہیں۔ سر جان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں۔ سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کر دیں۔ سلطان نے ایک گھڑی سر جان شور کو اور دوسری لارڈ ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھی (نوٹ:۔ افسوس ہے کہ آج باوجود ان بلند بانگ دعوؤں کے کل ہندوستان میں گھڑی سازی کا کوئی کارخانہ موجود نہیں۔ تمام گھڑیاں یوروپ و امریکہ سے بنکر آتی ہیں۔ محمود)

پتھر کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ سنگ ساز چالیس سے پچاس فنم تک روزانہ پیدا کرتے ہیں۔

پٹن پٹن میں شیشہ سازی کا عمدہ کام ہوتا ہے۔ اسی شہر میں فولاد کی باریک تار بنائی جاتی ہے۔ جو سازوں میں کام آتی ہے۔ اس کی مانگ نہ صرف ہندوستان بلکہ یوروپ میں بھی ہے۔ ایک تولہ تار کی قیمت ایک سلطانی فنم ہے (آج بھی یہ تار جو یہاں بنائی جاتی ہے۔ یوروپ اور امریکہ کو جاتی ہے۔ اور ابھی تک اس سے بہتر تار ایجاد نہیں ہوئی) اسی شہر میں نہایت اعلیٰ قسم کی سفید شکر بھی بنتی ہے۔ اسکے بنانے کا طریقہ صیغۂ راز میں ہے۔ سلطان نے اس خاندان کو جو شکر بناتا ہے۔ ایک گاؤں بطور جاگیر دے رکھا ہے۔ ایک من شکر کے ۲۷ سلطانی فنم لئے جاتے تھے۔

لوہے کا کام ملک میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ اخیر زمانے میں توپیں بھی نہایت عمدہ ڈھلنے لگی تھیں۔ اور ان میں سوراخ بھی درست ہوتا تھا۔ اور یہ ہر حیثیت سے

یوروپی ساخت کی توپوں کی برابری کرتی تھیں۔

بنگلور میں ہر قسم کے سکے رائج ہیں۔ لیکن حساب پگوڈا اور فنم میں رکھا جاتا ہے سکہ جات کے تبادلہ کا نرخ ہر مہینے میں سلطانی حکم سے مقرر ہوتا تھا۔

ملک کے پٹوبگرا اور کھتری ذات کے لوگ ریشم سے نہایت عمدہ اور قیمتی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے ہیں۔ اکثر تاجران لوگوں کو مال تیار کرنے کیلئے پیشگی رقم دے رکھتے ہیں۔ اسی طرح کا سلوک سوتی کپڑا بنانیوالوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ جلاہوں کی حالت ملک میں بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چند ملازم بھی رکھتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ اس پر محصول بہت کم لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس صنعت کی طرف اپنا روپیہ لگا رہے ہیں۔ تو سلطان کے حکم سے محصول معاف کر دیا جاتا تھا۔

چک بالاپور میں مصری تیار ہوتی ہے۔ یہ مصری ملک چین کی مصری اور سنکر کے ہم پلہ ہے۔ سلطان نے سرنگاپٹم میں بھی مصری تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بنانے کا طریقہ راز میں رکھا گیا ہے۔ سرنگاپٹم میں چین کی بنی ہوئی مصری سستی قیمتوں پر آکر فروخت ہوتی تھی۔ سلطانی حکم سے جب مصری سرنگاپٹم اور چک بالاپور میں تیار ہونی شروع ہوئی تو باہر کی مصری کا منگوانا ممنوع قرار دیا گیا اس کی وجہ سے اس صنعت کو یہاں بہت ترقی ہوئی۔ معمولی مصری ملک میں ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔

ماؔدھو گری، چنؔ رائے درگ، ہاگلؔ واڑی اور دیوؔ رائے درگ

اپنی لوہے کی صنعتوں کے لئے مشہور رہیں. یہاں لوہا پتھر سے نکالا جاتا تھا. یہ لوہا اس لوہے سے بہتر مانا جاتا ہے. جو مٹی سے نکلتا ہے. انہیں مقامات میں لوہے سے فولاد بھی بناتے ہیں. اس فولاد سے معماروں کے اوزار تلوار اور ساز کی تار بنائی جاتی ہے.

منتھڑ میں ایک قسم کا شیشہ تیار کیا جاتا ہے. جس سے مختلف رنگوں کی چوڑیاں تیار ہوتی ہیں.

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ٹیپو ایک حکمران ہونے کے علاوہ ایک بڑا تاجر بھی ہے. اس خاص مقصد کیلئے اس نے اپنے محل کو ہر قسم کی اشیاءِ تجارت سے بھر رکھا ہے"۔

(ماڈرن میسور صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۹)

صنعت و حرفت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رئیس اور بچانن کی تحریروں سے لیکر لکھا گیا ہے. فارسی اور اردو تاریخوں میں صنعت و حرفت کے متعلق کوئی ذکر نہیں مگر یوروپین مورخ اسکے متعلق کچھ نہ لکھتے تو آج دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ سلطنت خداداد نے صنعت و حرفت میں کس قدر ترقی کی تھی.

آہ! میسور و ہندوستان کس قدر تباہ ہوگئے. حالت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ زندگی کی ہر ایک ضرورت بلکہ سوئی تک کے لئے ہندوستان یوروپ کا محتاج بن گیا.

خدا کا شکر ہے کہ میسور گورنمنٹ نے اب کوئی دس پندرہ سال سے ادھر ملک کی زراعت، صنعت و حرفت پر توجہ کی ہے اور قسم قسم کی چیزیں پھر ملک میں بنائی جا رہی ہیں جن میں صندل اور لکڑی کی مصنوعات، صابن سازی، ریشم اور لوہے کی مصنوعات کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو رہا ہے. ابھی حال میں مٹی اور کانچ مصنوعات، کاغذ، شکر اور سیمنٹ

بنانے کے کارخانے بھی جاری ہوئے ہیں۔ اوراس لحاظ سے آج ریاستِ میسور کو ہندوستان بھر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ جس طرح ڈیڑھ صدی پہلے سلطان کے زمانے میں اس کو حاصل تھا۔

سلطنتِ خداداد کے سکّے

خدا جانے مصنفِ حملاتِ حیدری کو یہ روایت کہاں سے ملی۔ اور مزید تعجب یہ ہے کہ انہوں نے اس کو بغیر تحقیق کتاب میں درج بھی کردیا ہے۔ کہ نواب حیدرعلی کے سکے پر ایک جانب

ثانی سلطان سکندر حیدر آخر زماں

اور دوسری جانب :۔

نائبِ دینِ محمدؐ قاتلِ کل کافراں

ثبت تھا۔

نوٹ :۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کو بدنام کرنے کیلئے یہ شعر کسی متعصب دماغ کا ایجاد کردہ ہے۔ پنجاب میں حیدرعلی کی تاریخ جو اشہری صاحب نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بھی بلا تحقیق یہی مندرجہ بالا شعر لکھدیا ہے۔ ورنہ نواب حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کے جس قدر سکے ہیں۔ وہ قریب قریب عجائب خانہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس بھی محفوظ ہیں۔ ہم نے ان تمام سکوں کو دیکھا ہے۔ ان میں کسی پر بھی وہ شعر نہیں۔ انگریزی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے ورنہ انگریزی مورخ ضرور اس کو شہرت دیتے۔

رئیس اور کرنل ولکس نے بھی نواب حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کے سکّوں کا مفصل تذکرہ

اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور کتاب

"جنوبی ہند کے سکے"

میں جنوبی ہند کے تمام سکوں کا حال درج ہے۔ اس میں بھی نواب اور سلطان کا تذکرہ آیا ہے مگر مذکورۂ بالا شعر کا کہیں ذکر تک نہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے اقتباس دیا جاتا ہے:-

"نواب حیدر علی نے اپنا پہلا سکہ فتح بدنور کے بعد رائج کیا۔ یہ سکہ بہادری ہن کہلاتا تھا۔ اس پر ایک جانب سیوا اور پاروتی کی تصاویر اور دوسری جانب نقطوں کے دائرہ میں اپنا نام مضروب تھا۔ (ح)

بنگلور میں بھی اسی قسم کا سکہ رائج تھا۔ جس کا نام بنگلوری ہن تھا۔

ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اس سکہ کا نام سلطانی ہن ہو گیا۔ اس پر ایک طرف

ہن سلطان العادل سنہ

اور دوسری جانب حیدر علی کا دستخط "ح" اور سنہ جلوس سلطانی اور شہر کا نام مضروب تھا۔

نواب حیدر علی اور سلطان کے جس قدر سکے تھے۔ انکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:-

سونے کے سکے

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نگر (حیدر نگر)	بہادری ہن	نواب حیدر علی	سیوا اور پاروتی کی تصویر	(ح)
بنگلور	"	"	"	"
کالی کٹ	"	"	"	"
"	نصف ہن	"	"	"
"	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	کالی کٹ ۱۱۹۶ھ	(ح)

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سرنگاپٹم	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	ضرب پٹن سنہ	(ح)
"	" (دویم)	"	"	"
نگر	نگر صالح ہن	"	ضرب نگر سنہ ۱۲۰۰ھ	"
"	دہوٹی ہن	"	فرحی سنہ ۱۲۱۸ھ	"
"	راحتی	"	ضرب خالق آباد[1] سنہ ۱۲۱۶ھ	"

[1] خالق آباد ڈنڈیگل کا نام ہے. رئیس لکھتا ہے کہ یہ چنڈگل کا نام ہے جو سرنگاپٹم سے تھوڑی دور پر واقع ہے

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
بادشاہی ہن	حیدر علی	(با) لاپو (ر)	(ح)
چک بالاپور ہن	"	(با) لاپو (ر)	مرہٹی زبان کے حروف
سلطانی اشرفی (احمدی)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال اول سنہ ۱۱۹۷ھ	وہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی نصف اشرفی (صدیقی)	"	صدیقی ضرب سال سرا	لسنہ جلوس

چاندی کے سکے

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نقرہ (حیدری)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال ازل سنہ ۱۱۹۸ھ	وہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی روپیہ (امامی)	"	"	"
سلطانی آدھا روپیہ (عابدی)	"	"	"
سلطانی پاؤ روپیہ (باقری)	"	اللہ محمد ہو السلطان العادل سنہ ۱۲۱۸ھ	باقری سنہ پٹن

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سلطانی ½ روپیہ (جعفری)	ٹیپو سلطان	محمد ۱۲۲۶ سنہ ضرب پٹن	جعفری ۱۲ سنہ جلوس
" ¼ " (کاظمی)	"	"	کاظمی
" ½ آنہ (خضری)	"	ضرب دارالسلطنت	خضری ۱۲ سنہ جلوس

(ٹیپو سلطان کی جدت طبع نے تمام سکوں کو نام دے دیا تھا۔)

سلطنت خداداد کے جس قدر سکے کپتان ٹل کو دستیاب ہوئے تھے۔ ان تمام کا عکس اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ وہی عکس (دو عدد پلیٹوں کے ذریعہ) اس کتاب میں بھی دیا گیا ہے۔ ہر سکے کے ساتھ نمبر دیا گیا ہے اور اسکی تشریح ذیل میں کردی گئی ہے۔

پلیٹ نمبر ۱

۱۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی

ایک جانب۔ دین احمد درجہاں روشن ز فتح حیدرؒ است

دوسری جانب۔ ہوالسلطان الوحید العادل سوم بہاری ۳ سنہ جلوس

۲۔ سلطانی اشرفی۔ سونا

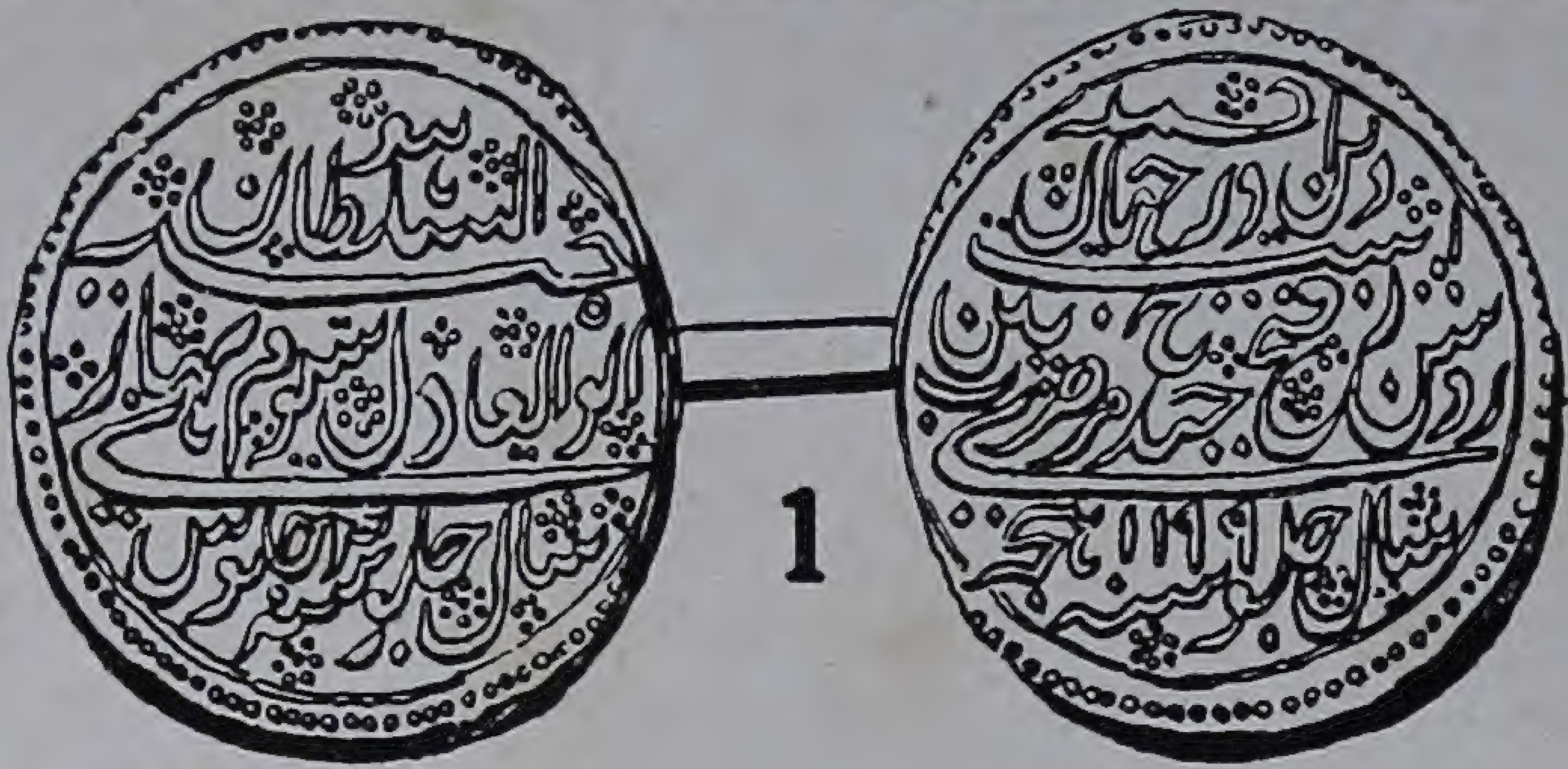
ایک جانب۔ دین احمد درجہاں روشن ز فتح حیدر رح است ضرب پٹن سال زبرجد ۱۲۱۹ سنہ

دوسری جانب۔ ہوالسلطان الوحید العادل: تاریخ جلوس سال سنخ سویم بہاری ۹ سنہ جلوسی

(اس سکہ کا نام احمدی تھا)

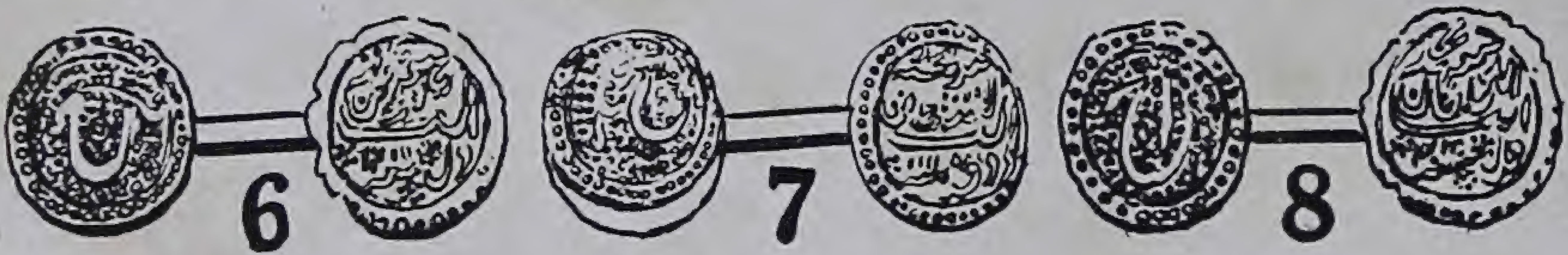
۳۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی
۴۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی
} عبارت وہی ہے جو اشرفی پر ثبت ہے۔

۵۔ سلطانی نصف روپیہ۔ چاندی

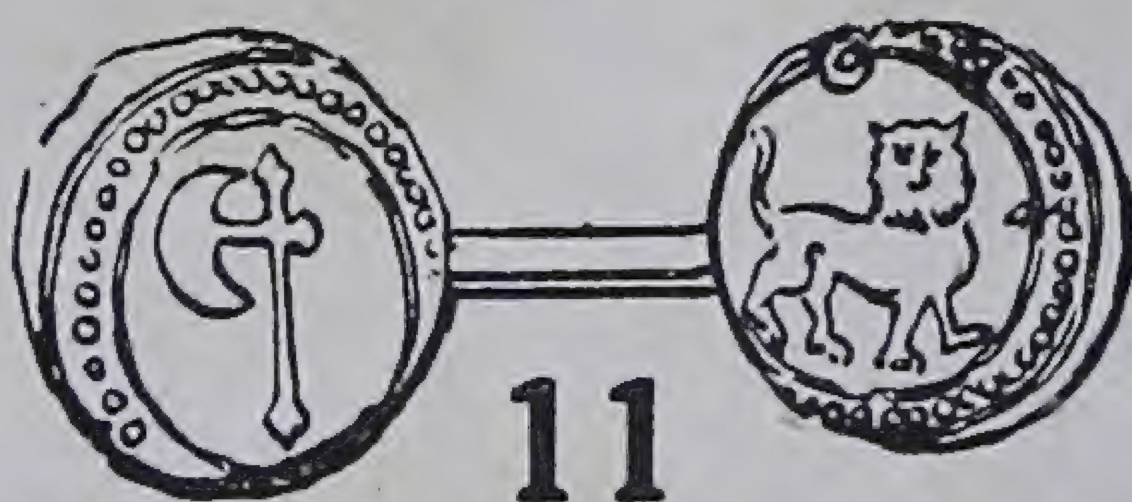












سلطنت خداداد کے سکے

ایک جانب ۔ دین احمد درجہاں روشن ز فتح حیدرؔ است ۔ ضرب پٹن سال سراب ۱۲۱۲ھ

دوسری جانب ۔ ہوالسلطان الوحید العادل ۔تاریخ جلوس سال سنخ سویم بہاری ۹ سنہ جلوسی

۶ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان العادل محمد ۱۲۰۱ھ

دوسری جانب ۔ پٹح

(نوٹ :۔ ن کو ح لگایا گیا ہے ۔ مراد حیدر سے ہے اور پٹن سے مراد سرنگاپٹم ہے ۔)

۷ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا (ضرب حیدر نگر)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان العادل محمد ۱۲۱۰ھ

دوسری جانب ۔ نگرح

۸ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (دارالضرب کا نام ج ا ہے ۔ معلوم نہیں ج ا سے مراد کونسا شہر ہے ۔ غالباً جمال آباد (کنانور) ہوگا ۔

عبارت وہی ہے جو نمبر (۶) اور (۷) کی ہے ۔

۹ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ضرب پٹن ۔

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ سال درج نہیں ہے)

۱۰ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

ایک جانب ۔ ضرب بنگلور

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ ہاتھی کی دم پر سنہ ضرب ۱۲۱۱ درج ہے)

۱۱ ۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ ۔ ایک جانب شیر ۔ دوسری جانب تبر

پلیٹ نمبر ۲

۱۔ سلطانی بڑا پیسہ ۔ تانبہ

ایک جانب۔ سلطنت کا شاہی نشان ۔ یعنے ہاتھی جس کی پشت پر سلطنت کا علم ہے ۔

(نوٹ :۔ علم پر چمکتا ہوا پورا سورج دکھایا گیا ہے)

دوسری جانب ۔ ضرب دارالسلطنت ۔ عثمانی ۔ فرخی

۲۔ سلطانی پاؤ روپیہ ۔ چاندی ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہو السلطان الوحید العادل محمد ۱۲۰۶ سنہ

دوسری جانب ۔ ح پٹن باقری ۶ سنہ

(نوٹ. باقری سکہ کا نام ہے. اور اسکو فنم کہا جاتا تھا. جو موجودہ ۴ ر کے برابر تھا)

۳۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فیض حصار)

ایک جانب ۔ ضرب فیض حصار

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۱۲۱۸ (نوٹ :۔ فیض حصار سے مراد گُتی ہے)

۴۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بے نظیر)

(نوٹ :۔ بے نظیر سے مراد ہولے ہنور ہے)

۵ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب خیدر نگر)

۶ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخیاب حصار ۱۲۰۱ سنہ)

۷ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخی)

۸ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب خورشید سواد)

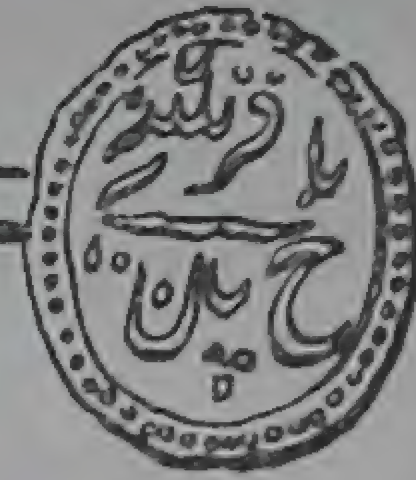
(نوٹ :۔ خورشید سواد سے مراد دھارواڑ ہے)



1







2



4







5

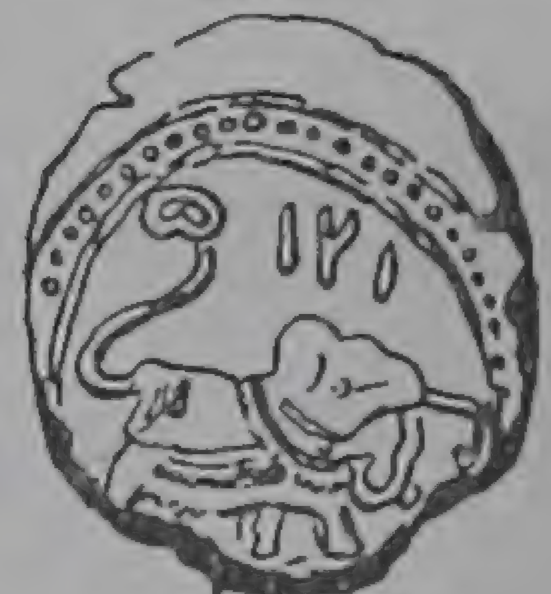
3











6

7

8

9

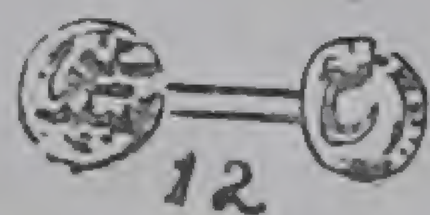




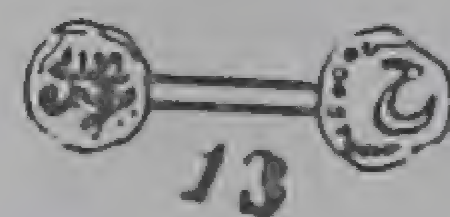




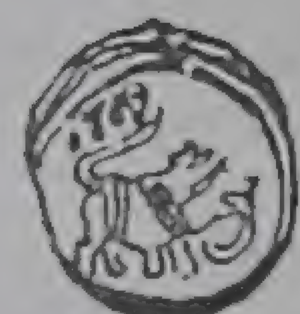


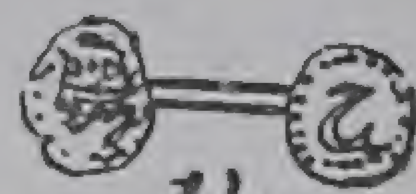


12



13



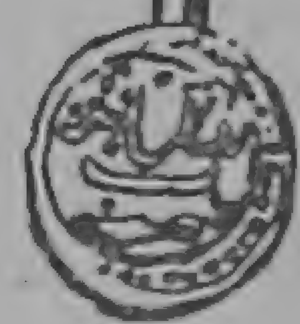


14

10

11





سلطنت خداداد کے سکے

پلیٹ نمبر ۲

۹۔ سلطانی پیسہ۔ تانبہ۔ (ضرب کلی کوٹ یا کلی کٹ)

۱۰۔ سلطانی پیسہ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

۱۱۔ سلطانی آدھا پیسہ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

۱۲، ۱۳، ۱۴۔ نواب حیدر علی کے سکے ہیں۔ (تصویر آدھے پیسے کی دکھائی گئی ہے)

ایک جانب صرف ح لکھا ہوا ہے۔ اور دوسری جانب دارالضرب کا نام ہے

کرنل ہنڈرسن کی رائے سلطانی سکوں کے متعلق :۔

"ٹیپو کے سکے دیکھ کر مجھے اس کی غیر معمولی قابلیت اور جدت طبع کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس نے سکوں میں اپنی جدت کا جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ حد درجہ حیرتناک ہے"۔

محکمۂ تعمیرات

سلطنتِ خداداد کی تعمیرات میں قلعوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جو ملک کے طول وعرض میں بے شمار بنائے گئے تھے۔ اور آج بھی انکے آثار ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

سلطنت کے فوجی انتظام میں یہ بتلایا جا چکا ہے۔ کہ فوج میں پانیر یا سفر مینا کی پلٹنیں بھی تھیں۔ جن کے ذمہ قلعوں اور فوجی بارکوں کی تعمیر تھی۔ اسکے علاوہ سول کاموں کے لئے ایک علٰحدہ محکمہ تھا۔ جس کا عملہ تالابوں کی دیکھ بھال، پشتوں کی تعمیر و درستگی پر مامور تھا نواب حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان۔ انہیں اپنی ۳۳ سالہ مدت حکومت میں جنگوں سے اس قدر فرصت نہیں ملی کہ وہ دوسری تعمیرات پر توجہ کرتے۔ لیکن جس قدر بھی ہو سکا۔ انہوں نے اس طرف توجہ کی۔ ان تعمیرات میں قابل الذکر عمارات حسب ذیل ہیں۔

سرنگاپٹم میں مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، گنبد اعلیٰ، دریا دولت باغ۔ سلطانی محل

بارہ دری یا سرنگا پٹم کے لال باغ کا رنگین محل - بنگلور میں سلطانی محل اور مسجد - چتلدرگ میں محل اور مسجد - نگر میں محل اور مسجد - ہوسکوٹہ میں عیدگاہ - کولار میں نواب حیدرعلی کی والدہ کا مقبرہ -

مسجدیں یوں تو بہت سے مقامات پر تعمیر ہوئیں جو فن انجنیری یا خوبصورتی کے لحاظ سے نا قابل ذکر ہیں۔

اوپر جن عمارات کا ذکر کیا گیا ہے - ان میں موجودہ وقت سرنگا پٹم میں دریا دولت باغ - گنبد اعلےٰ - مسجد افضلےٰ اور مسجد اعلیٰ باقی ہیں - چتلدرگ میں مسجد، کولار میں مقبرہ، اور بنگلور میں محل کا ایک حصہ باقی ہے۔

بنگلور میں جو مسجد سلطان نے تعمیر کی تھی وہ اپنی صنعت کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں پہلی مسجد تھی - اس کا ایک نقشہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مراقشی تعمیر کا نمونہ تھی - اور اس پر صرف ایک مینار تھا - (یہ مسجد موجودہ گوی پورم (بستی) کے پہاڑی پر تھی - اس وقت یہاں مندر بنا ہوا ہے - کہا جاتا ہے کہ عربی تاجر جب یہاں آتے تھے تو اسی جگہ اترتے تھے - اور یہاں ایک قسم کا پتھر جس پر آنکھ کا نشان بنا ہوتا تھا - ملتا تھا)

بنگلور میں سلطانی محل پر جو کتبہ لگا ہوا تھا - اس پر یہ قطعہ کندہ تھا :-

تا بنائے محل بشوکت شد — سر باوج فلک ز بہجت شد

واہ چہ فرخ محل بنائے رفیع — برتر از آسماں ز رفعت شد

ہست آئینہ خانہ بصفا — ہر کسش دید محو حیرت شد

گوی صنعت ربود از کف چرخ — چرخ زاں سرنگوں ز خجلت شد

وصف این قصر را شنید مگر | زاں فریدوں بخواب غفلت شد
جستمش از حساب زر تاریخ | گفت ہاتف کہ بیتِ عشرت شد
چوں شد این قصر تازہ نقش تمام | صوتِ چینی خجل ز غیرت شد

جستم از خضر عقل تاریخش
گفت لاریب رشکِ جنت شد
۱ ۲ ۰ ۶

(یہ کتبہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے)

ان تعمیرات کے علاوہ مختلف قلعہ داروں نے بھی اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں اور قلعے تعمیر کئے تھے۔ جن میں مثال کے طور پر قلعہ کپل کا تذکرہ تاریخ سلطنت بیجاپور سے اقتباس لیکر کیا جاتا ہے۔

قلعۂ کپل

علاقۂ حیدرآباد کپل میں جو اس وقت نواب سالار جنگ کی جاگیر ہے۔ پہاڑ پر نواب حیدر علی کے زمانہ کا ایک قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ اس قلعہ کے تین دروازے ہیں۔ جن میں ایک ٹیپو سلطان کے نام پر سلطانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔

مالک این قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از و طالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرد
فدوی قلعہ دار محمد خاں بہلمی نہادہ ام در سلطان باب

سنہ ۱۱۹۸ ہجری

دوسرے ایک دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

اَللّٰہُ کَافِی

حَمْدًا کَثِیْرًا دروازۂ مکہ بالقاب معظمہ مزین شدہ

۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی وتار یہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنے نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنتہ وعظمتہ بنائے طیاری قلعۂ کپل دست داد۔ جابجا نیز بپایہ نہج فرنگ وکارخانکہ ونہر وخندق وغیرہ ترتیب یافت۔

یازدہم ذی قعدہ ۱۱۹۲ھ ہجری

(قلعہ کے پاس "چاند کٹہ" پر یہ کتبہ ہے)

دریں ایام عمل نواب بہادر
عمارت ساخت درکپل نوادر

نوادر کار شد او یافت نامی
قلعہ دار از محمد خاں بہلمی

نخستیں ز آب قلت یافت عالم
بہائیم طیبہ جملہ نسل آدم

زور یا فیض بکشایند او شاں
قلعہ گچی ومٹی راحتے داں

نہادند نام اورا چاند کٹہ
بنزد است برسر او جوگی بنڈہ

بہ عقلش آنکہ شد از اطراف تیلاب
میان جل پڑے بر آب سیلاب

بماند یادگارے تا قیامت
نمونہ قبہ بہ کپل را سلامت

مرتب شد دریں رجب مہ نو
سنہ ہجری یکہزار صد وپنجاہ نو

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار وغیرہ

حلیہ

میجر آلن کی تحریر جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس میں سلطان کا حلیہ لکھا جا چکا ہے صاحبِ نشان حیدری اسکی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"سلطان گندمی رنگ کا تھا، اس کی ناک خمدار، آنکھیں پُر آب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرہ کے خط و خال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے سلطان داڑھی منڈایا کرتا تھا۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فیٹ اور آٹھ انچ تھا۔"

لباس

سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتا تھا۔ اور اپنی دستار پر اور ٹھڈی کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتا تھا۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے اس کو نفرت تھی۔

طرز گفتگو و زبان

سلطان کا طرز گفتگو بالکل ملایم اور شیریں تھا۔ سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر رہتے کہ گیدڑ کی سَو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو کنڑی اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا۔ صاحب حملاتِ حیدری لکھتے ہیں :-

"وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدر ضرورت بہرہ ور تھا۔ گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا۔

محتاط ایسا کہ کسی امر میں بمصداق خیر الامور اوساطہا کے اعتدال سے قدم باہر نہ رکھتا ایسی مزاح و ہزل کا جس سے کسر شانِ اسلام کی پائی جائے. کیا امکان کہ اس پیرو شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے"۔

غیرت و حمیّت

تمام عمر سلطان نے خود کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی. جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہو کر مجبوراً صلح کرنی پڑی. اور لارڈ کارنوالس کو ایک بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے تو اس دن سے لیکر شہادت کے دن تک سلطان نے کبھی چارپائی پر نہیں سویا. زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا. اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیا جائیگا. چارپائی پر سونا میرے لئے حرام رہیگا۔ وہ تضحیک و تمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا. اور کسی کو اس کے آگے ایسی باتیں کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی.

سادگی

مسلمانوں کے اختلال کو دیکھتے ہوئے سلطان نے معلوم کر چکا تھا کہ جبتک مسلمان عجم و ہند کے خصائص جو ان میں سرایت کر گئے ہیں. نہ چھوڑیں گے اور جبتک زمانۂ خیر القرون کی سادہ زندگی اختیار نہ کریں گے. وہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے اس لئے اس نے تمام تکلفات کو برطرف کر دیا. نشست و برخاست، آداب و سلام اور تحریر و تقریر میں جو سادگی اس نے اختیار کی. وہ آپ اپنا نمونہ ہے. اس سے پہلے یعنی مغلیہ حکومت کے زمانے سے آداب و سلام کے طریقوں میں کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمیں بوس ہو کر سلام کیا جاتا تھا. اور ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا تو ایک معمولی بات تھی. یہاں تک کہ مساجد میں بھی امیروں کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی تھی مسجدوں میں انسانونکی تعظیم و تکریم روکنے کیلئے خود سلطان نے مسجد میں

علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہوجاتا تھا۔

روزانہ مشاغل

سلطان علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید کرتا۔ جس کے بعد آدھا گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائینہ فرماتا۔ اور سیر کے لئے جاتا۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتا۔ اور اس وقت سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شاہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے تھے۔ غذا میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتے۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائینہ کیا کیا جاتا۔ محل کو واپسی کے بعد باہر کے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائے جاتے۔ اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور شعراء کا تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی۔ جس کے بعد سلطان نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ غذا دن میں صرف دو وقت تھی۔

سلطان کی روزانہ مصروفیت کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ پر لکھتا ہے:۔

"ٹیپو میں ایک سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام لینے کے سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ وہ روزانہ اس قدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا کہ دیکھ کر اس کی جفاکشی اور اس کے دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے"۔

چونکہ اوپر کی تحریر میں سلطان کی خط و کتابت کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں سلطان کے ان چند مکاتیب کی نقل دی جاتی ہے۔ جو روزانہ وہ اپنے افسروں، ایجنٹوں اور دوسروں کو لکھتا تھا۔ ان مکاتیب سے اسکی حیرتناک قابلیت اور عالی دماغی کا پتہ چلتا ہے اور کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کیسی عظیم المرتبت تھی۔

سلطنت کا روزمرہ انتظام

مکاتیب سلطانی

ان مکاتیب کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ "ان کے ذریعہ سلطنت کے روزمرہ انتظام اور سلطان کی مصروفیت کا پتہ چلتا ہے"۔ میسور گزیٹیر کا مصنف لکھتا ہے کہ "ٹیپو میں یہ ایک بڑا وصف تھا۔ کہ وہ ہمیشہ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور جس قدر روزانہ خط وکتابت ضروری ہوتی تھی۔ اس کا انجام اسی دن ہوتا تھا"

(نوٹ :- ان خطوط پر سنہ ہجری اور سلطان کا ایجاد کردہ سنہ بہاری لکھا ہوا تھا لیکن سہولت کیلئے انہیں سنہ عیسوی میں منتقل کیا گیا ہے۔)

(۱) خط بنام شیخ احمد۔ مورخہ ۲۸ ر جون ۱۷۸۵ء

تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری مرضی کے مطابق تمہیں امور تجارت کی ذمہ داری دی جائے گی۔ تمہارے کارخانے کیلئے ایک مناسب جگہ کے ساتھ پیشگی رقم بھی دی جائیگی۔ کہ تمہیں اپنے کاروبار میں سہولت حاصل ہو۔ جو کچھ منافع حاصل ہو دو سال تک وہ خاص تمہارا حصہ ہوگا۔ اس عرصہ میں تمہارے مال تجارت پر بھی کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ اس لئے فوراً حضوری میں چلے آؤ۔

(۲) خط بنام نور محمد خاں۔ مورخہ ۱۴ ر ستمبر ۱۷۸۵ء

سنا گیا کہ تم نے راؤ رستہ کی طلبی پر بھی دفتر میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب ایک مسلمان عورت کو بتلایا جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر اس عورت کو چھوڑ دیا جائے تو تم حاضر ہونگے۔ یہ بیان سن کر نہایت تعجب اور حیرت ہوئی۔ ملکی لوگوں میں ہمیشہ اسی طرح کے خانگی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے سرکاری کاموں کو نظر انداز

کرتے ہوئے راؤ رستہ کے پاس حاضر نہ ہونے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی؟

آئندہ کیلئے تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ خانگی معاملات میں دخل مت دو۔ اور بحیثیت سرکاری ملازم کے صرف سرکاری معاملات سے ہی تعلق رکھو۔

(۳) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۱۲؍ اگست ۱۷۸۵ء

تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر میں گذارتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے، تمہیں ایک مناسب وقت دفتر میں گزار کر کے وہاں امور سرکاری کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ کسی شخص کو بھی سرکاری کام کے متعلق گھر پر آنے کی تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔

(۴) خط بنام سید محمد قلعدار سرنگاپٹم۔ مورخہ ۱۲؍ ستمبر ۱۷۸۵ء

اطلاع ملی ہے کہ متصدی کرشنا راؤ کو دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ مذکور متصدی کو حکیم محمد بیگ کے پاس بھیجا جائے۔ کہ ٹھیک علاج کرے۔ مذکور متصدی سے یہ بھی کہا جائے کہ زخم کو بند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ چھ ماہ تک کھلا رکھے کہ تمام مواد نکل جائے۔

(۵) خط بنام غلام حیدر۔ مورخہ ۱۲؍ اکتوبر ۱۷۸۵ء

تم نے بعض اشیا کا بازاری نرخ مقرر کرنے کیلئے یہاں کے متصدیوں سے قیمتیں دریافت کی ہیں۔ بوڑھاپے نے تمہارے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں کے متصدیوں کی بہ نسبت مقامی متصدی وہاں کے بازار کا نرخ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لئے ضروری اطلاعات وہیں کے متصدیوں سے حاصل کی جائیں۔

(۶) خط بنام امام مسقط۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۷۸۵ء

ایک دیسی کشتی (دہو) جو رتن جی اور اجیون داس تاجران مسقط کی ملکیت ہے۔ طوفان کی وجہ سے شکستہ ہو کر ہمارے بندرگاہ بھٹکل میں آگئی ہے۔ اگرچہ ملکی قانون کے مطابق اس جگہ کے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اس پر قبضہ کرلے۔ لیکن سرکار خداداد اور سرکار مسقط میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ تاجر آپ کی رعایا ہیں۔ اس لئے اس کشتی اور تمام مال کو ان تاجروں کے حوالے کرکے اس خط کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

(۷) خط بنام میر کاظم۔ مورخہ ۲۵ر نومبر ۱۷۸۵ء

بعد دریافت یہ معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ دراز کے کسی حصہ میں زعفران پیدا ہوتی ہے وہاں کے دو مقامی باشندوں کو سرکاری ملازمت میں لیکر ان کو یہاں روانہ کردیا جائے اور ان کے ساتھ دو من بیج بھی بھیجے جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ صندل اور کالی مرچ ابھی تمہارے پاس باقی ہے۔ اب اور زیادہ مال بھیجا جارہا ہے۔ ان اشیاء کو فوراً فروخت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ یہ مشہور کردو کہ تمہیں حکم ملا ہے کہ مسقط میں انکی فروخت بند کرکے ان اشیا کو جدہ بھیجدیا جائے۔ اگر یہ بات اچھی طرح مشہور ہو جائے تو ان چیزوں کی قیمت وہاں بڑھجائے گی۔ اس وقت جب فی من پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ پگوڈہ قیمت بڑھجائے تو اس وقت فوراً ان اشیاء کو فروخت کردو۔

(۸) خط بنام ارمنی تجار مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۷۸۵ء

معلوم ہوا ہے کہ تم سامان تجارت لیکر انگریزی یا پرتگالی جہازوں میں آنے والے ہو۔ اور اسکے لئے تم خاص اجازت چاہتے ہو۔ تمہارے ارادے اور خواہش کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ تم بندرگاہ منگلور یا کلی کٹ میں بالکل اطمینان سے اتر سکتے ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے

کہ جن چیزوں کی ہم کو خواہش ہے انہیں ایک مناسب قیمت پر سب سے پہلے ہمارے پاس
فروخت کیا جائے۔ اور باقی اشیا تم اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہو۔ تمہاری رہائش وغیرہ
کے متعلق ارشد بیگ خاں فوجدار کلی کٹ اور غلام حیدر عامل منگلور کو پروانے بھیجدئے
گئے ہیں۔ تم جہاں چاہو اتر سکتے ہو۔

(۹) خط بنام ناظم اصطبل فیلاں مقام حیدنگر۔ ۱۷ر فروری ۱۷۸۵ء

تمہاری عرضی موصول ہوی تم لکھتے ہو کہ تمہارے دفتر کے متصدی آرام طلب ہو گئے ہیں۔
اور ابھی تک نگر میں اس لئے مقیم ہیں کہ تعلقدار سے بعض معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس کا
نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پندرہ دن کے عرصہ میں سوائے نگر کے حسابات کے دوسرے مقامات
کے حسابات ابھی تک تیار نہیں ہوے۔ مہلت طلبی کیلئے تمہاری یہ عرضی نہایت تعجب خیز ہے
جب کبھی تمہارے محکمہ کے متصدی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہ کریں۔ انہیں سخت
سزا دی جائے۔

(۱۰) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۵ر جنوری ۱۷۸۶ء

تم لکھتے ہو کہ کسی جگہ قلعی زمین میں دریافت ہوی ہے۔ اور تم نے بذریعہ ڈاک اسکے
سات ٹکڑے بطور نمونہ بھیجے ہیں اور دریافت کیا ہے کہ آیا یہ قلعی بیلوں پر لاد کر حضوری میں بھیجدی
جائے یا حضوری سے کسی آدمی کو روانہ کیا جائیگا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ قلعی سدہوٹ
کے قلعے میں جمع کیجائے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں زمین میں قلعی رہتی ہے۔ وہاں نیچے
چاندی کی کان پائی جاتی ہے۔ اس لئے تم وہاں کی تھوڑی سی مٹی جمع کر کے رکھو۔ یہاں
سے ماہرین جمادات کو روانہ کیا جائیگا۔

(۱۱) خط بنام غلام علی خاں - مورخہ ۷ر جنوری ۱۷۸۶ء

حال میں سرکار خداداد کے ملک میں کافور کا درخت دریافت ہوا ہے۔اس درخت کے تیل کی دو شیشیاں تمہیں بھیجی جاتی ہیں۔تم اپنے پیروں پر اس کا استعمال کرو۔اور قریباً ایک تولہ شوربہ کے ساتھ اندرونی طور پر استعمال کیا جائے۔اگر اس سے کچھ فائدہ پہونچے تو حضوری میں اطلاع دی جائے۔

(۱۲) خط بنام راجہ ملک پیگو (برما) مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۷۸۶ء

محمد قاسم اور محمد ابراہیم کے ذریعہ خدمت عالی میں دو گھوڑے اور ایک مہتابی خلعت بھیجی جاتی ہے۔ان لوگوں کو اس لئے بھیجا گیا ہے۔کہ میسور اور پیگو کے سرکاروں میں باہمی فائدہ کیلئے تجارت کا سلسلہ قایم ہو۔اس ملک سے جن چیزوں کی ضرورت ہو۔انہیں وہاں بھیجا جا سکتا ہے۔سنا گیا ہے کہ پیگو میں قیمتی لعل ملتے ہیں۔اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اپنے وزرار کو حکم دیں۔کہ وہ لعل خرید کرنے میں ہمارے آدمیوں کی مدد کریں۔

(۱۳) خط بنام غلام علی - مورخہ یکم مارچ ۱۷۸۶ء

یہ ہماری خواہش ہے کہ بندرگاہ بصرہ حاصل کیا جائے۔اس لئے یہ سنکر خوشی ہوئی کہ تم بصرہ کے راستے سے قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔وہاں پہونچکر تم بندرگاہ کی حالت کے متعلق اچھی طرح دریافت کرو۔یہاں سے نجف پہونچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ اگر انکی مرضی ہو تو دریائے فرات سے ایک نہر نکالکر نجف تک لائی جائے گی۔اور اگر انکی خوشی ہے تو یہاں سے ضروری روپیہ اور لوگ اس نہر کے نکالنے کیلئے بھیجے جائیں گے

(۱۴) خط بنام بدر الزماں خاں۔مورخہ ۵ر مارچ ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ سو کرگی لوگ چیچک سے مرگئے ہیں۔ملک کا وہ

حصہ جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے انہیں کھلے میدان میں جہاں کی آب و ہوا انہیں راس آئے۔ رکھا جائے۔

(۱۵) خط بنام فرانسیسی جنرل مانشیور لالی۔ مورخہ ۱۱ر ڈسمبر ۱۷۸۶ء

(یہ فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فرنچ فوج کا افسر اعلیٰ تھا)

شراب فروخت کرنے کیلئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دوکان کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ امتناعی حکم دیا جائے کہ سوائے یوروپین لوگوں کے دیسیوں کے ہاتھ شراب ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ مکان پر سرکاری پہرہ رکھدیا جائے۔ اس لئے کہ سرکار خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۱۶) خط بنام مانشیور کاسگنی۔ مورخہ ۲۹ر ڈسمبر ۱۷۸۶ء

یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہوئی ہے۔ جس میں آلۂ مقیاس الحرارت کے متعلق معلومات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں یہ تحریر ہے کہ اگر کسی بخار زدہ شخص پر اس کا استعمال کیا جائے تو بخار کا درجۂ حرارت معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرکے حضوری میں پیش کیا جائے۔

(۱۷) خط بنام تربیت علی خاں۔ مورخہ ۲ر ڈسمبر ۱۷۸۶ء

تم نے شکایت کی ہے کہ تمہیں خطوط کے فوری جواب سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔ اس "بڑے آدمی" (یعنے تربیت علی خاں) کو دن بھر سوائے دو یا تین مرتبہ کھانے۔ آرام کرنے یا خوش گپوں کے کچھ اور کام نہیں ہے۔ مگر ہم صبح سے لیکر رات تک امورات ملکی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور جس وقت بھی فرصت ملتی ہے۔ ہم تمہارے خطوط کے جواب دینے کی طرف فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔

(۱۸) خط بنام ارشد بیگ خاں۔ مورخہ ۲ فروری ۱۷۸۵ء

تم کو چاہیئے کہ وہاں کے تاجروں اور باشندوں کو قطعی حکم دیدو کہ وہ انگریزی تاجروں سے کوئی مال نہ خریدیں اور نہ ہی ان کے ہاتھ کوئی مال فروخت کریں۔ اگر اس طرح کیا گیا تو وہ لوگ کب تک اس ملک میں رہیں گے۔ آخر مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

(۱۹) خط بنام راجہ رامچندر۔ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۷۸۵ء

تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی مناسب آدمی یہاں نہ ملنے سے تم اپنی بیٹی کی شادی پائین گھاٹ میں کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے برات کو پائین گھاٹ سے آنے کیلئے پروانہ راہداری چاہتے ہو۔ پروانہ ملفوف ہے۔ جس شخص کے ساتھ تمہاری لڑکی کی شادی ہو۔ اس کو اپنے ہی پاس ٹھہرا رکھو۔ پائین گھاٹ کو واپس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوشش کر کے یہاں ہی اپنی ذات برادری کا کوئی اور بر تلاش کر لو۔ ضرورت ہے کہ ملک میں آبادی بڑھائی جائے۔

علمی قابلیت

سلطان بہت بڑا منشی تھا۔ طب، تجارت، معاملات مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتا تھا۔ اس کا ثبوت وہ مکاتیب دے رہے ہیں جو ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔

کرنل کرک پیاٹرک (جسکے ذمہ بعد زوال سلطنت خداداد سلطان کا کتب خانہ تھا) اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

"سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل ممتیز تھی۔ اس قدر مختصر اور پُر معنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی کئی معنے نکلتے تھے۔ اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا

کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی ۔ کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں تحکم پایا جاتا تھا۔"

آر۔ ایچ کیمبل لکھتا ہے :۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا۔ اور اس کے مضمون میں ایک خاص شان پائی جاتی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا۔ اور نہ کسی سے سلام قبول کرتا تھا"

کتاب تحفۃ المجاہدین اور دوسرے کتب جیسے وقائع منازل احکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص سلطان کی تصنیف ہیں۔

سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان پر اپنے مہر لگا کر آغاز عبارت پر اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتا۔ اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کر دیتا تھا۔ تاکہ اس میں کوئی اور لفظ بڑھا لیا نہ جائے۔

نوٹ :۔ کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کے فارسی و اردو ابیات اور ان میں جو احکام ہیں وہ کسی دوسری جگہ دئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف کا نام

"میر زین العابدین شوستری دیا گیا ہے"

مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کے زیر نگرانی لکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کس قدر قادر الکلام شاعر اور نثار تھا۔ اور اس سے اسکی اعلیٰ جنگی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(نوٹ میر زین العابدین حیدر آباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے میر منشی تھے۔ انکے متعلق کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ سازش میں شریک تھے۔ لیکن حیدر آباد اور میر عالم کی کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے

تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے کس طرح انہیں اس قدر ذمہ دار عہدہ دے رکھا تھا۔ زین العابدین اور میر صادق کو عہدوں پر بحال رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی یہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔ محمود)

یہ اسی علمیت اور علمدوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگاپٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس کا خاص کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا۔ تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جو غارتگرانہ لوٹ ہوی۔ اس کے بعد بھی مندرجۂ ذیل نادرالوجود قلمی کتابیں یہاں موجود تھیں۔

قرآن مجید	تفسیریں	کتب وظائف	کتب احادیث	الٰہیات
۴۴ جلد	۴۱ جلد	۳۵ جلد	۴۲ جلد	۴۶ جلد
تصوف	علم اخلاق	فقہ	علوم وفنون (آرٹس)	فلسفہ
۵۰ جلد	۲۴ جلد	۹۵ جلد	۱۹ جلد	۵۴ جلد
نجوم	ریاضی	حکمت (طب)	تحقیق زبان	فرہنگ و لغات
۲۰ جلد	۷ جلد	۶۲ جلد	۴۵ جلد	۲۹ جلد
نظم کی کتابیں	ہندی اور دوسری نظم کی کتابیں	ہندی اور دکھنی انشا	ترکی نثر	قصص و حکایات
۱۹ جلد	۲۳ جلد	۴ جلد	۲ جلد	۱۸ جلد

یہ کتب خانہ سوائے چند کتب کے تمام کا تمام ولایت بھیجدیا گیا۔ چند کتب کلکتہ کو بھی بھیجی گئیں۔

سلطان کے متعلق میجر اسٹورٹ اور پروفیسر آر۔ پی۔ گھوش لکھتے ہیں کہ:-

"کتب خانہ کی ترتیب وتہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو تصنیف وتالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے۔ جو اس وقت بھی یوروپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کر چکتا تھا۔ اس پر مہر لگا دیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر مہریں ثبت تھیں"

۱۷۹۹ء میں جب سرنگاپٹم پر انگریزی تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ چھ سال تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اسکے بعد میجر اسٹورٹ نے عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کیمبرج چھپ کر شائع ہوئی۔

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال میں جو کتابیں سلطانی کتب خانہ کی ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے :۔

رسالہ پندکھا۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ رسالہ کچھری۔ ضابطۂ امثال۔ راہ رفتن و سواری۔ فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) وقائع منازل۔ روزنامۂ وکلا۔ حیدرآباد اتالیق شاہزادہ۔ مجموعۂ سندات۔ حکمنامہ۔ فرمان۔ فرامین۔

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری میں ہیں۔ جن میں میجر اسٹورٹ نے اپنی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے :۔

نام کتاب	مصنف	تصنیف	مختصر کیفیت
تذکرۂ شعرائے ہندی	فتح علی حسینی	۱۱۶۵	بمقام دہلی۔ اس میں ایک سو شعرا کے حالات ہیں
علی نامہ	ملا نصرتی	۱۰۷۱	مصنف علی عادل شاہ بیجاپور کا درباری شاعر

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
			ہے یہ کتاب شاہنامہ فردوسی کے جواب میں شاہنامۂ دکن ہے۔
گلشن عشق	ملا نصرتی	۱۰۶۸	مجموعہ غزلیات۔ کتاب مصور ہے۔ چار ہزار غزلیں ہیں۔ تصویریں آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ضخامت تین سو صفحات۔
کلیات قطب شاہ	ملوکۂ قطب شاہ	۱۰۶۸	قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ کا فارسی اور دکنی کلام۔ صفحات ۱۶ سو
قصۂ رضوان شاہ روح افزا	فائز	۱۰۹۴	ایک ضخیم مثنوی ہے۔ (فائز ایک دکھنی شاعر ہے) صفحات تین سو
قصۂ ماہ پیکر	"		قصہ
قصہ بہرام و گل اندام	طبعی باشندہ گولکنڈا	۱۰۸۱	مثنوی ۔ ۱۳۴۰ ابیات ہیں۔ سو صفحات
پھول بن	ابن نشاطی	۱۰۷۶	ابن نشاطی۔ عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف مضامین نظم و نثر ہیں۔ کتاب مصور ہے
طوطی نامہ	"	۱۰۶۴	قصہ
قصہ پدماوت دکھنی	"	"	قصہ
قصۂ لعل و گوہر	عارف الدین خاں عاجز باشندہ دکن	۱۱۰۰	کتاب اردو زبان میں ہے اسکا ترجمہ سلطان شہید کے حکم سے فارسی میں میر حسن عزت نے ۱۱۹۲ھ میں کیا۔

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
دیوانِ یقین	انعام اللہ خاں یقین	۱۱۰۰	مشہور شاعر کا دیوان
بھوگ بل	مترجم شہاب الدین	۱۱۰۰	برید شاہ کی فارسی کوک شاستر کا دکھنی میں ترجمہ کتاب گولکنڈہ میں بعہد امیت شارہ لکھی گئی ہے صفحات ڈیڑھ سو۔
مفرح القلوب	مترجم حسین علی		حسین علی سلطان شہید کا درباری شاعر اور ملک الشعراء تھا۔ کتاب سلطان کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ اس نام کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ
قصۂ رضوان شاہ	فائز		فائز. ایک دکھنی شاعر ہے۔ سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ صفحات ۳۰۰
قصۂ ماہ و پیکر	نامعلوم		
قصہ بہرام و گل اندام	مصنف طبعی باشندۂ گولکنڈہ		مثنوی ۱۳۴۰ ابیات ہیں سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ صفحات ۱۰۰
دیوان رفیع سودا	مرزا رفیع سودا		مشہور دیوان
قصائد رفیع سودا	"		مرزا سودا کے قصائد
سری گنیش			اس نام کی سنسکرت کتاب کا اردو ترجمہ
سندر سنگھار ہندی			یہ بھی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے۔ مختلف عنوانات پر نظم ہیں۔
دھوری ہندی	شاہ درویش گجراتی		تصوف کی تین کتابوں کا ترجمہ

روضۃ الشہداء	سیوا متوطن گلبرگہ		اس کتاب کا ماخذ فارسی روضۃ الشہداء ہے
رسالۂ سرود وراگ	"		قدیم دکھنی غزلیات کا مجموعہ
نشاط العشق شرح غوثیہ	مترجم		حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ۔ موضوع کتاب نہایت نادر نسخہ ہے۔
ترجمہ مفتاح الصلوٰۃ	مترجم فتح محمد برہانی		اس نام کی فارسی کتاب کا دکھنی میں ترجمہ
خلاصۂ سلطانی	سید امام الدین و محمد صمد قاضی سرنگاپٹم		سلطان شہید کے نام سے قدیم اردو نثر میں لکھی گئی۔
کلید زبان تلنگی			یہ تلنگی ٹیچر ہے۔

انکے علاوہ ونڈسر کیسل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے۔ جو شہنشاہِ اورنگ زیب کا تھا۔ اور سلطان ٹیپو کے خزانہ میں دستیاب ہوا۔ یہ قرآن شریف نو دہزار روپیہ کا قیمتی کہا گیا ہے۔ اور نہایت ہی نفیس خط نسخ میں لکھا ہوا عمدہ نقش ونگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کے لئے فتاوے مرتب کروائے تھے۔ سلطان کی علم دوستی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ جمیع الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس میں مذہب کی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

شوقِ ایجاد واختراع

علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ سلطان کو ایجاد واختراع کا بھی شوق تھا۔ اس کا یہ شوق ملک کو فائدہ پہونچانے

آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق   آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق !



ٹیپو سلطانؒ کا آخری مقابلہ

کی غرض سے تھا۔ سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ھ کا رواج چلا آتا تھا اور اس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی۔ جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا۔ جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتث کے حساب پر رکھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہو گی۔

مہینوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث
(۱) احمدی	(۱) احمدی
(۲) بہاری	(۲) بہاری
(۳) جعفری	(۳) تقی
(۴) دارائی	(۴) ثمری
(۵) ہاشمی	(۵) جعفری
(۶) واسعی	(۶) حیدری
(۷) زبرجدی	(۷) خسروی
(۸) حیدری	(۸) دینی
(۹) طلوعی	(۹) ذکری

نوٹ:- بحساب ابجد ان ناموں کے سرحرف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

نوٹ:- بحساب ابتث ان ناموں کے سرحرف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

(۱۰) یوسفی　　(۱۰) رحمانی

(۱۱) یازدی　　(۱۱) راضی

(۱۲) بیاسی　　(۱۲) ربانی

چونکہ ہندوں کے حساب سے ساٹھ سال کا ایک جگ ہوتا ہے۔ اس لئے ان ساٹھ سالوں کو بھی مذکورۂ بالا طریقہ پر نام دئے گئے۔ جو ذیل میں دئے جاتے ہیں :-

سالوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۱ - احد	احد	۱۳ - جہاد	بار
۲ - احمد	احمد	۱۴ - وجد	حاجب
۳ - اب	اب	۱۵ - حاو	جبہ
۴ - ابا	ابا	۱۶ - زہد	زجا
۵ - باب	باب	۱۷ - جوزا	حشر
۶ - باج	تاب	۱۸ - حی	ور
۷ - ابد	تابا	۱۹ - واحد	وار
۸ - آباد	باج	۲۰ - بدوح	راحت
۹ - جاہ	تاج	۲۱ - طیّب	بارد
۱۰ - اوج	ثابت	۲۲ - طائب	چرخ
۱۱ - حج	ابد	۲۳ - یوز	خراج
۱۲ - جہد	آباد	۲۴ - کد	تاز

	بحساب ابجد	بحساب ابتث		بحساب ابجد	بحساب ابتث
۲۵۔	حاوی	خرد	۴۳۔	جم	سراب
۲۶۔	گبد	بدرتاب	۴۴۔	جام	رشتا
۲۷۔	آگاہ	ورتاج	۴۵۔	آدم	زبرجد
۲۸۔	وحید	واوار	۴۶۔	ولی	سحر
۲۹۔	یاحی	زاو	۴۷۔	والی	ساحر
۳۰۔	کائی	زر	۴۸۔	کوکب	راسخ
۳۱۔	کیا	زار	۴۹۔	کواکب	شاد
۳۲۔	کبود	بزر	۵۰۔	یم	حراست
۳۳۔	ابل	زرآب	۵۱۔	دوام	ساز
۳۴۔	دل	ستا	۵۲۔	حمد	شاداب
۳۵۔	دال	زرتب	۵۳۔	حامد	بارش
۳۶۔	جبال	ربتاز	۵۴۔	جان	رستار
۳۷۔	زکی	ساخ	۵۵۔	اون	بشتر
۳۸۔	ازل	ساخا	۵۶۔	ہمائے	بشارت
۳۹۔	جلو	دراز	۵۷۔	مجید	شرح
۴۰۔	ولو	واسا	۵۸۔	کحل	رشد
۴۱۔	مائسہ	مثا	۵۹۔	جہاں	صباح
۴۲۔	کبک	سارا	۶۰۔	مجیبہ	ارشاد

نوٹ :- حساب ابجد و ابتث اس طرح ہے :-

(ابجد) ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ

(ابتث) ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ

ف ق ک ل م ن و ہ ی ۔ ٹ

سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی اختیار کیا گیا۔ جو آنحضرت صلعم کی تاریخ پیدائش سے ہے

سلطان جب کارخانوں کے ملاحظہ کو جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع فرماتا۔ اور شال۔ مخمل۔ کمخواب وغیرہ میں نئے اختراعوں کی تعلیم ضرور ہوتی تھی۔

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے۔ سلطان اکثر اسی کی قبا پہنتا تھا۔ سلطان کا تخت شیر کی صورت پر بنایا گیا۔ اور محل میں جوار غنون تھا وہ شیر کی صورت پر تھا۔

سلطان نے ایک ایسی بکتر بنائی تھی۔ جس پر گولی کارگر نہیں ہوتی تھی۔

سلطان کو شیر کی صورت سے خاص دلچسپی تھی۔ اور شیر کے بہادرانہ اوصاف سے اس کو خاص مناسبت تھی۔ اس لئے وہ اپنے اختراعات میں خاص اس کا لحاظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، اور گنبد کو بھی ببری رنگ میں رنگا گیا۔ (اب سوائے گنبد کے مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ پر سفیدی پھیر دی گئی ہے۔)

سلطان اپنی جدت پسند طبیعت کے لحاظ سے نہ خالص سیاہی سے لکھتا تھا نہ سرخی سے۔ بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔

سلطان پہلے پہل اپنا دستخط اس طرح کیا کرتا تھا۔ سلطان

بعد میں اپنا نام اڑا دیکر صرف نبی مالک اس طرح نبی مالک لکھتا تھا۔

ٹ۔ حروف ابجد کی طرح حروف ابتث سے بھی اس نے تاریخ نکالنے کا رواج دیا۔ اور اس کو تاریخ زر کا نام دیا گیا

اس کے شوقِ ایجاد نے شہروں کے قدیم نام بدل کر نئے نام دیئے :-

قدیم نام	نیا نام	قدیم نام	نیا نام
ڈنڈیگل	خالق آباد	بلاری	ثمر پٹن
کشنگری	فلک الاعظم	کوئمبو تور	سلام آباد
پاؤ گڈھ	ختمی	قلعۂ گتی	فیض حصار
سنگل درگ	مظفر آباد	نندی گڑھ	گردوں شکوہ
پنوکنڈہ	فخر آباد	میسور	نظر آباد
قلعۂ بل	منظر آباد	فیروک	فرخی
ملولی	گلشن آباد	سرا	رستم آباد
منگلور	جمال آباد	کلیکوٹ	اسلام آباد
دیون ہلی	یوسف آباد	بنگلور	دار السرور
ہوسکوٹہ	اسلام پور	ماگڑی	ساون گڈھ
سرنگاپٹم	ظفر آباد	قلعۂ چیتلدرگ	فرحیاب حصار

سلطان نے اپنی سلطنت کا نام سلطنت خداداد رکھا تھا۔

سلطان نے جیش کا نام بدلکر "عسکر" رکھا۔ اسی لحاظ سے بنگلور چھاؤنی کو آج بھی "معسکر" کہا جاتا ہے۔ تمام کچہریوں کے نام اسمائے حسنے پر رکھے گئے۔ اس نے بندوق کا نام تفنگ، توپ کا نام درخش، بان کا نام شہاب رکھا۔ اشرفی کا نام راحتی، احمدی وصدیقی اور ہن کا نام فاروقی۔ روپیہ کا نام امامی۔ اٹھنی کا نام باقری۔ دونی کا نام کاظمی۔ آنہ کا نام آبیہ

رکھا گیا۔ ہندسوں کی تحریر سیدھی طرف سے لکھنے کا حکم دیا گیا۔

زہد و تقویٰ

سلطان ہر روز بلا ناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا۔ اور نماز کا اس قدر پابند تھا۔ کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے علماء اور مشائخین آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے۔ مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر سلطان نے کہا:۔

"الحمد ﷲ میں صاحب ترتیب ہوں"

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

"ایک دن عید کے بعد سلطان اپنی والدۂ ماجدہ کے محل سرا میں ادائے تہنیت کیلئے گیا۔ بعد تسلیم و نیاز کے وہیں ایک کمرہ میں سو رہا۔ اس اثنا میں نواب حیدر علی بہادر مرحوم کے دو منظور نظر کنیزیں جو جوان سال اور خوبصورت تھیں۔ اپنے حجروں سے نکلکر سلطان کے پاس پہونچیں۔ اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اس کو طیش آگیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ اور خوفِ خدا سے کانپنے لگا اور کہا:۔

"یہ تم نے کیا کیا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روز قیامت باپ کو کیا جواب دوں گا؟"

بعد ازاں ان کنیزوں کو سلطان نے خواجہ سرا کے حوالے کر دیا کہ انہیں ایسی سزا دے کہ دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔" (نشانِ حیدری)

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کو قتل کا حکم تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے جس وقت جنگ ہو رہی تھی تو پائین گھاٹ میں معلوم ہوا کہ چند

مسلمان عورتیں گوروں سے زنا کی مرتکب ہوئی تھیں تو سلطان نے انکے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

صاحبِ نشانِ حیدری لکھتے ہیں:۔

"سلطان اس قدر کامل الحیا تھا کہ سوائے اسکے پیر کے گھٹنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ یہاں تک کے حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان حیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔"

اور یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور ملیبار میں ہندو عورتیں زمانۂ قدیم سے سر و سینہ برہنہ کر کے باہر نکلتی تھیں۔ اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے۔ اور اگر نکلے تو اس کیلئے سزا مقرر تھی۔ اس وقت سے ان تمام علاقوں میں عورتیں سینوں پر ایک کپڑا ڈالتی ہیں۔ اور اسی طرح میسور میں بھی چولی پہننے کا رواج ہوا۔

رئیس اپنی تاریخ میں سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو عورتوں کی حالت پر ایک طویل مضمون صفحہ ۶۳۴ پر لکھا ہے۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"عورتوں کی حالت ہندو راج میں نہایت درجہ گری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ذلت کے خوف سے ایک سہمی ہوئی زندگی بسر کرتی تھیں۔ علانیہ سر بازار فروخت کر دی جاتی تھیں۔ بڑے شہروں میں ان کی فروخت کیلئے خاص خاص منڈیاں تھیں اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی۔ جو سما یا چار کہلاتی تھی۔"

ملک و سوسائٹی میں ہندو عورتوں کی عزت واحترام بڑھانے کیلئے سلطانِ خداداد

نے عورتوں کی فروخت کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ کہ کوئی عورت بے چادر باہر نہ نکلے۔

انگریزی مورخین مشرقی بادشاہوں کو بدنام کر رکھے ہیں۔ کہ وہ حرم سرائے میں صدہا عورتوں کو رکھکر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر سلطان کی ذات اس عیب سے پاک تھی۔

ولکس جیسا متعصب مورخ بھی اعتراف کرتا ہے کہ:۔

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں رہیں۔ سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوی۔ سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی"۔

اطاعتِ والدین

سلطان نے کبھی بھی اپنے والدین کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے:

"اس کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ ماں کی نصیحت سے کبھی اس نے بے اعتنائی نہیں کی۔ گو بعض اوقات ماں کی باتیں اس کی خواہشوں کے بالکل خلاف ہوتی تھیں"۔

انسانی ہمدردی

آج سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کیلئے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ سلطان نے اس کو سختی سے روک دیا۔ میسور گورنمنٹ سے جو کتاب راہنمائے میسور شائع ہوی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۶۱ پر یہ ذکر ہے:۔

"اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا۔ کالی کی پوجا اس

مندر میں ہوتی ہے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ زمانۂ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ جو سلطنت حیدری (سلطنت خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی۔"

یہ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنے تمام قلمرو میں ہر جگہ سرکاری خرچ پر یتیم خانے جاری کئے تھے۔ گو ان کی ابتدا حیدرعلی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ ان یتیم خانوں کے متعلق ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان لڑکوں کو داخل کیا تھا جو کورگ سے اسیر ہو کر اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں ان بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے سلطان کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسکے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ بھی تھی۔ کہ جو بچے یہاں سے نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر لیئے جائیں۔ وہ ترکی کے سلطان سلیم کی تقلید میں ینگچری فوج کے طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔"

ٹیپو سلطان اور انسداد غلامی

سلطان کے تخت نشین ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لئے سلطان نے انسداد غلامی کیلئے ایک فرمان جاری کیا۔ جس کی نقل ذیل میں دی جاتی ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ٹیپو سلطان

"در شہر گنجام برادران و خویشان مردم نوکر پیشہ وغیرہ کہ بروزگار ہستند۔ آنہارا گرفتہ در پیادہائی علاقہ ایشاں نوشتہ نو ملازم کنانید، و غلاماں را در سرکار خداداد ایک قلم آزاد فرمودہ شدہ است۔ ایشاں نیز تقید و خبر گیری ایں معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند۔ غلاماں برضا و رغبت خود پیش ہر کس کہ بطور نوکراں نوکری

نمائندہ مختار اند۔ نوزدہم ماہ دی سال حراست ۱۲۶۴ سنہ مولود محمد ؐ

رحمدلی

سلطان کی رحمدلی کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک دیجاتی ہے:۔

”جس وقت مرہٹوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اس وقت خبر آئی کہ نوج کی زیادتی کی وجہ سے ایک گاؤں میں عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ سلطان کو جب خبر پہونچی تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سپاہیوں کو قابل عبرت سزا دی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اسی جنگ میں ایک جگہ مرہٹی سرداروں کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں۔ سلطان نے بہت بڑی عزت کے ساتھ علیحدہ خیموں میں رکھا۔ اور اگرچہ جنگ کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ ان عورتوں کو پالکی میں بٹھا کر تحائف گرانبہا کے ساتھ پونا کو روانہ کر دیا۔“ (ٹیپو سلطان از کرنل ملس صفحہ ۷۵)

سلطان کی رحمدلی کا اظہار اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف مورخین نے اس کے حالات میں لکھا ہے:۔

”رات کا وقت تھا سلطان اپنے خیمہ میں سو رہا تھا تو اس کو کراہنے کی آواز آئی۔ خیمہ سے نکلکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ سلطان نے خود جا کر انہیں پانی لا کر پلایا۔ اور اس وقت تک نہیں سویا۔ جبتک یہ قیدی نہیں سو گئے۔“

رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال

اصلاحات سلطانی اور انتظام سلطنت کے زیر عنوان دکھلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنی رعایا کو فارغ البال بنانے کیلئے کیا تجویزیں کی تھیں اور رعایا کس قدر آسودہ حال تھی۔ یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا۔ کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے اور تجارتی کوٹھیوں کا اجرا کیا۔ اور کاشتکاروں کو

خوشحال بنانے کیلئے زمینداری کا خاتمہ کردیا۔

میتھک سوسائیٹی جرنل (مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء) میں تحریر ہے:۔

"میسور میں سلطنت خداداد سے پیشتر ۷۱ بڑی زمینداریاں تھیں۔ چونکہ زمیندار اپنے کسانوں پر صد درجہ ظلم کرتے تھے۔ اس لئے سلطان نے تمام زمینداریوں کا خاتمہ کردیا۔ کہ کسان اور سلطنت میں براہ راست تعلق رہے۔ اس لئے میسور میں کوئی زمینداری نہیں ہے"!

رشوت کا سد باب کرنے کیلئے اس نے جو کچھ کارروائی کی۔ اس کا بیان آگے آچکا ہے اور یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا۔ جو اس کو منشیات کو منع کرنے پر آمادہ کیا متعصب سے متعصب مورخ بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک بہت بڑے ریفارمر کا کام کیا تھا۔ سلطان کے ان اصلاحات کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے:۔

"اصلاحات کیلئے اس کے دل میں ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اور یہی اسکی حکومت کا ایک نمایاں جوہر ہے۔ گو کہا جاسکتا ہے کہ یہ اصلاحات قبل از وقت تھے یا بالفاظ دیگر ٹیپو اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہوچکا تھا"!

سلطان کے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس فرمان سے ہوسکتا ہے۔ جو اس نے عاملانِ حکومت کے نام جاری کیا تھا۔ (اس کی نقل پہلے دی جاچکی ہے) اس سے بڑھکر سلطان کی رعایا پروری کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس نے سوائے ملک کے بنے ہوئے کپڑے کے کبھی دوسرا کپڑا اور ملک کے بنے ہوئے نمک کے کبھی باہر کا نمک استعمال نہیں کیا (ملاحظہ ہو بچانن کی تحریر) اور یہی حکم اس نے اپنے تمام افسروں اور رعایا

کو بھی دے رکھا تھا۔

جنگی قابلیت بچپن ہی سے علم کے ساتھ ساتھ فن حرب کی بھی تعلیم ہوئی۔ تعمیر قلعہ جات اور فوجی معاملات میں سلطان کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

" وزارت کا کام کر سکتا تھا۔ سپہ سالاری میں طاق تھا۔ امیر البحر تھا۔ اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اسکی قابلیت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ جس وقت جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو اس نے امیران یم کی جماعت میں جہازوں کے نمونے تک بھیجدئیے تھے۔ کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کرلئے جائیں اور جہازوں کے پیندوں کیواسطے ہدایت ہوئی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں۔ نیز جہازوں کی لکڑی کیلئے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا"

میدان جنگ میں اس کی قابلیت اور شہرت محتاج بیان نہیں۔ مدراس پر اس کا مشہور دھاوا بیلی، بریتھ وائٹھ فلرٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت دے رہی ہیں۔ اور ۱۷۹۰ء میں میڈوز کی شکست کے متعلق بورنگ نے جو رائے دی ہے۔ وہ پہلے لکھی جا چکی ہے۔ ہاں چند انگریزی افسر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس نے میدان جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا۔ جو حیدر علی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے سوار فوج میں ایک نمایاں کمی کردی۔ اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا۔ جس کی وجہ سے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے پائے نہیں جاتے جو ان جنگوں سے پیشتر حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے"

لیکن کرنل آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) دوسرے افسروں کی اس رائے

سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے :۔

"اس کی کیولری (سوار فوج) دنیا میں سب سے بہترین فوج ہے۔ ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں سے ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہوگیا تھا۔ لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہم بنگلور چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۴)

کرنل آر تھر ولزلی اپنی اس تحریر میں اعتراف کرتا ہے۔ کہ انگریزی فوج ایک غیر معروف راستہ سے آگے بڑھی تھی۔ یہ راستہ کس نے بتلایا تھا؟ اگر میر قاسم علی کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس غدار نے انگریزوں کی رہنمائی اس راستے سے کی تھی۔ اس لئے سلطان کی جنگی قابلیت کے متعلق شک وشبہ کرنا خارج از بحث ہے۔

سلطان کی شکست کا راز اسکی جنگی قابلیت کے فقدان میں نہیں بلکہ اس کے امراء و وزراء کی غداری کا سبب ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترکی سلطنت اور شور بازاری ملا کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ الٹ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماڈرن میسور کا مصنف بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے :۔

"سلطان کی جنگی فراست و قابلیت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جنگ کا نتیجہ جو کچھ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور قدرت پر کامیاب ہونا انسان کی دسترس سے باہر ہے۔"

یہی مصنف اپنی کتاب میں فوج کی ترتیب کے متعلق اس طرح لکھتا ہے :۔

"(۱) باقاعدہ کیولری (۲) پنڈاری کیولری (۳) سلحہ دار جن کے پاس اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے (۴) معمار (۵) بارلین باقاعدہ پیادہ فوج (۶) باڈی گارڈ (۷) ملک کے مختلف حصوں کی مقامی فوج (۸) آفریقی حبشی (۹) ہرکارے اور جاسوس۔

(۱۰) پائنیر (۱۱) بہیر یعنے فوجی باربردار و متعلقین (۱۲) لوہار اور بڑھائی"۔

جس طرح نواب حیدر علیؒ قلعہ بنانے میں مشاق تھے۔ سلطان نے بھی یہ قابلیت وراثت میں پائی تھی۔ اور آج بھی اس کے بنائے ہوئے قلعے موجود ہیں۔

فن انجنیری میں وہ اس قدر مشاق تھا کہ کرنل ولزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :۔

"جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، چند کاغذات، جس پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوے تھے۔ اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا"۔ (ماڈرن میسور)

شجاعت و بہادری

سلطان کی شجاعت و بہادری کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی۔ کہ وہ دست بدست جنگوں میں بذات خاص شریک ہوتا۔ شیر کا شکار اسکی بہترین تفریح تھی۔ ایام شہزادگی میں ایکروز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ شیر کا منتظر تھا۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر فوراً بندوق سے نشانہ تاکتا ہے۔ شیر دل شہزادہ بندوق چھین لیتا ہے۔ شیر دونوں پر لپک پڑتا ہے۔ دودھاری تلوار بے نیام ہوکر بجلی کی طرح شیر پر کوندتی ہے اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ کر دیتی ہے۔ آج بھی میسور اس جری سلطان کو شیر میسور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان اخیر وقت تک داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہوا اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گیا۔

"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے"۔

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے۔ شیر کی صفات، شیر کی لڑائی۔ شیر کا رنگ اس کو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ اس کا محل۔ اسکی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس کی تمام ہتھیاروں پر۔

"اسد اللہ الغالب"

کندہ تھا۔

تمام میسور میں یہ روایت زباں زد عام ہے کہ نواب حیدر علی نے میر نظام علی خاں نظام الملک کو پیغام دیا تھا کہ دونوں خاندانوں میں اگر آپس میں شادیاں ہوجائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہیگا۔ اس تجویز کو عمل میں لانے کیلئے تجویز کی گئی کہ ٹیپو سلطان کی شادی نظام علیخان کی دختر سے ہوجائے۔ اس سلسلہ میں حیدر آباد سے سلطان کی تصویر طلب کی گئی۔ اور چند نامور مصور حیدر آباد سے سرنگاپٹم آئے۔

سلطان نے یہ کہہ کر تصویر دینے سے انکار کردیا کہ

"مردوں کی بہترین تصویر انکی جوانمردی ہے"۔

میسور گزیٹر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۸ پر سلطان کے اوصاف میں لکھتا ہے:۔

"اس کی سپاہیانہ بے جگری۔ اسکی ذاتی بہادری اور ایسے وقت میں بھی جب شکست یقینی تھی۔ اس کا اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا شجاعت اور جوانمردی کی وہ بے نظیر مثال ہے۔ جس کیلئے وہ حد درجہ تعریف کا مستحق ہے۔ اُن لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔ کبھی اس نے بے وفائی نہیں کی بسنہ ۱۷۹۹ء کی جنگ میں انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں انہیں حوالے کردیا

جائے۔ فرانسیسوں کو انگریزوں کے حوالے کر دیکر وہ اپنے تاج و تخت کو بچا سکتا تھا لیکن اسکی شجاعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔"

کہا جاتا ہے کہ اسکندر اعظم اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بوناپارٹ اعظم دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار فاتح اور نامور جنرل تھا۔ جوانمردوں کی جوانمردی اور بہادروں کی بہادری کا احترام ہر شخص پر فرض ہے۔ نپولین اعظم کے لئے اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نپولین اور ٹیپو سلطان کے اخیر لمحات کا موازنہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سلطان کی شخصیت نپولین اعظم کی شخصیت سے کس قدر شاندار ہے:۔

نپولین کو جب اخیر وقت اس کے امراء کی غداری کیوجہ سے شکست ہوئی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرتے ہوئے سلامتی اسی میں سمجھا کہ دشمنوں کی اطاعت قبول کر لی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی زندگی قید خانہ میں بسر ہوئی۔ اور وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔

سلطان کو جب اس کے وزراء اور امراء کی سازش کی وجہ شکست ہوئی تو اس نے آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدان جنگ میں ملک و ملت کی مدافعت میں شمشیر بکف مرجانا گوارا کر لیا کہ:۔

"گیدڑوں کی سو سالہ زندگی سے ایکدن کی شیر کی آزاد زندگی اچھی ہے۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۰ پر لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے اپنے لئے وہ موت پسند کی۔ جس سے اس کا ہمعصر دوست نپولین ہمیشہ ترساں رہا"

جذبۂ جہاد

سترہویں صدی عیسوی میں مسلمانان ہند جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسکے متعلق سلطان کے مذہبی اصلاحات میں کچھ بیان آچکا ہے اور مزید حالات آئندہ اوراق میں "سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے"،

کے زیرعنوان دئے گئے ہیں۔ مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ راحت طلبی اور عیش و آرام کی خواہش حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو کر ملک اور حکومت سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اور مغربی قومیں دن بدن چیرہ دست ہو کر اپنا تسلط قایم کر رہی تھیں۔ سلطان نے ان برائیوں کا واحد علاج یہی سمجھا کہ مسلمانوں کو جو اپنے راستے سے بھٹک چکے تھے۔ پھر اسی راستہ پر لے آئے۔ جس کی تعلیم انہیں زمانہ خیر القرون میں مل چکی تھی۔ یعنے انہیں مذہب کی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اسکے خیال میں جہاد ہی ایک واحد علاج تھا۔ جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو کر ملک اغیار کے تسلط سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اسلام اور آزادی کوئی دو علیحدہ نظریئے نہیں ہیں۔ اس مقصد سے اس نے کتاب فتح المجاہدین میں خاص طور پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دلائل کے ساتھ بے شمار مسائل جہاد پر لکھے ہیں۔ جن سے دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے:۔

"مسئلہ۔ جہاد با کفار از برائے نصرت دین محمد اسلام است۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے:۔

مسئلہ۔ نیکو نیست باج دادن بکفار با قدرۃ بر جہاد"

اس کے علاوہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے سلطان نے موید المجاہدین کے نام سے نئے خطبات جمعہ کی تدوین کا حکم دیا۔ اور یہی خطبات مسجدوں میں پڑھے جاتے تھے۔ کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو عیدین کے خطبات ہیں۔ اور ہر خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں اس طرح تحریر ہے:۔

"اس زمانہ میں کہ تیرہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس وجہ سے کہ سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ زادوں اور نوکروں کی نمک حرامی کی وجہ تباہی آگئی ہے۔ اور ایک غیر قوم دن بدن غلبہ پاتی ہوئی ملک پر مسلط ہوتی جارہی ہے۔ اور خطہ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس اور احکام مذہب سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اس لئے بحکم سلطانی ان خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔ اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں مروج تھے مگر چونکہ اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہو گئی ہے۔ اس لئے فارسی کو موزوں سمجھا گیا۔"

ذیل میں اس کتاب سے ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے:-

"خطبہ در بحر مشہور متضمن حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی و مناقب اکابر دین و ترغیب جہاد بمسلمین مزین و مجلے باسم سامی ہمایون پادشاہ دین پناہ حضرت ٹیپو سلطان خسرو غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

الحمد للہ الذی خالق لیل وانہار و عالم الجہر والاسرار و کاشف الظلمت والانوار و نشہد ان محمد عبدہ و رسولہ المختار و علیٰ آلہ واصحبہ الاخیار اسمعوا قولہ العزیز الغفار۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین۔

رسد باوج سخن از ثنائے رب کریم — حکیم و قادر و قیوم و کردگار علیم

چگونہ شرح تواں داد نعمت عامش — کہ شمہ ایست ز فیضش تمام باغ نعیم

نمود خلق بیک لفظ کن تمام جہاں — بمحض قدرت خود بے شریک و ضد و سہیم

براہ نعت نبیؐ کلک چوں شود پویاں — ز فیض صفحہ شود بیشگاہ باغ نعیم

زہے خجستہ رسولیکہ بہر او ایجاد — نمود کرسی و عرش و جہان رب کریم

کجا بحیطۂ تحریر می تواں آورد	ثنائے آں شہِ محبوب کردگار قدیم
ہمیشہ باد تحیات ذاکیات برآں	شہنشہِ دوجہاں تاکہ ہست عرش عظیم
زپند و موعظۃ اکنوں گہر فشاں گردد	قلم کہ ہست زفیض قدم چو ابر کریم
بجائے دینِ نبی جہد کن کہ در دو جہاں	شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم
غزا ست فرض بار باب دین خصوص گہے	کہ آورند بر اسلام زور فوج لئیم
خدا نہ کردہ اگر سستی کنی بجہاد	بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم
گرفتم اینکہ بیابی حیات جاویداں	چہ سود چونکہ شود دینداری تو عدیم
مپوش دیدہ ز ایمان و دین اے دانا	چو کافرانِ دغل از برائے گوہر و سیم
بس است آنچہ نمودم بیاں پئے ہوشیار	خدا ز لطف کند جملہ را سہیم و فہیم
ہمیشہ تاکہ بود آفتاب نور فشاں	قلوب زمرۂ اربابِ دین باد سلیم

خطبۂ ثانی

کنم سپاس خداوند آسمان و زمیں	بدیع و رب و غفور و سمیع و بر و قدیم
بلفظ کن دو جہاں را نمودہ است ایجاد	چساں حدیث جلالش کنم بفکر سقیم
زہے مدبر و دانا زہے خبیر و بصیر	خہے مدبر و بے شبہ و مثل رب رحیم
ز نعت احمد مرسل شفیع روز جزا	قلم چو دوحۂ طوبیٰ شود پئے ترقیم
زہے شفیع امم کائنات را رہبر	خہے خلاصۂ ایجاد خلقِ ربِّ کریم
فلک بدر گہش از منطقہ کمر بستہ	برائے کسب شرف روز و شب چو عرش عظیم
مدام باد صلوٰۃ و درود بے پایاں	بذروہ اش کہ چو عرش است واجب التعظیم
بود خلیفۂ اول صدیق خاص نبی	بنام حضرت بوبکر واجب التعظیم

عمر خلیفۂ ثانی کہ عدل و داد او | نماند ظلم و ستم در مزاج دہر سقیم
خلیفہ سیومیں ہست صاحب نورین | بنام حضرت عثمان بخلق و طبع سلیم
چہارمیں کہ بود شیر حق شہ مرداں | علیؓ عالی اعلےٰ حبیب ربِّ کریم
ہمیشہ باد ازیں چار کردگار رضا | کہ ہر یکے است بدین نبیؐ بقصد عظیم
ہم از حسینؓ و حسنؓ سیدان اہل جناں | بطبع ہر دو سلیم و بخلق ہر دو کریم
دگر ز فاطمہؓ بنتِ صاحبِ عربی | کہ ہست خاک درش فیض بخش چون تسنیم
ہم از خدیجۂ مخدومۂ نساء جہاں | کہ ہست منزلت شانِ آں رضیۂ عظیم
دگر ز سائر ازواج طاہرات نبیؐ | کہ بودہ اند ہمہ خاص کردگار کریم
ہم از دو عم گرامیش حمزہؓ و عباسؓ | کہ ہر دو در رہِ دیں اند واجب التکریم
ہم از شش آں کہ زدہ باقی اند کایشاں را | بشارتے بجناں دادہ کردگار رحیم
ہم از صحابۂ احمدؐ ہمہ کہ در رہِ دیں | ہمہ نجوم سپہر ہدائے و با تکریم
ہم از تمامیٔ اسلامیاں ز فضل اتم | ہم از تمامیٔ ایمانیاں ز لطفِ عمیم

نعت

کنوں ثنائے شہنشاہ میکنم آغاز | شہے کہ بردہ گرو از شہاں بخلق کریم
شہنشہے کہ بود نام نامیش ٹیپو | بجبہہ مہر فروزاں بکف سحاب کریم
الٰہی از کرم عام خویش ایں شہ را | ہمیشہ دار بفرخندگی بناز و نعیم
عنایتش بنما عمر خضر و شوکتِ جم | مدام دار باعزاز و جاہ با تکریم
مظفرش بنما خاص بر اعادیٔ دیں | بہ بخش فتح مدامش بکافران لئیم
عزیز دار بہر دو جہانش پیوستہ | مدام زیب بیابد ز فرق او دیہیم

عطوف کن با میران و زمرۂ غربا — روف ساز بخلقش بہ بخش لطف عمیم

نصیر دین نبی ہر کہ ہست از دل و جاں — ہمیشہ ناصر او باو کردگار کریم

شود ہر آں کہ بخذلان دین حق دایم — مدام باد گرفتار در عذاب الیم

تو ئی کریم خدایا بسلمیں آں بخش — کہ در دو کون بگروند صاحب "تکریم"

سلطان کے اس جذبۂ جہاد و دیگر اوصاف جمیلہ کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے:

"سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علیؒ تھا۔ اور اس کی نیابت الہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک صرف یہی سنکر آپ کی آنکھوں میں پھر جائے گی۔ کہ اسکی سلطنت کا نام دولت خدا داد اور اس کے ایوان عدالت کا نام دریا دولت تھا" (روزنامۂ انقلاب لاہور)

اسوۂ عالیہ کی جو صحیح مثال اس نے قایم کی اس لحاظ سے ہندوستان کے تمام مسلمان سلاطین میں اس کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

تمام انصاف پسند مورخین کو حیرت ہے کہ باوجود اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے سلطان کس قدر بے تعصب اور روادار تھا۔ لیکن متعصب مورخین نے اس کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس سے ان کا ایک خاص مقصد وابستہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالکر اپنی حکومت قایم کرنے کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی جس پالیسی پر کاربند رہی۔ یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مدارس میں پڑھانے کیلئے ایسی تاریخیں لکھی گئیں جو شروع ہی سے بچوں کے دل میں عناد پیدا کرے۔ ان تاریخوں میں جو باتیں لکھی گئیں انکا ثبوت ان مورخوں نے کہیں نہیں دیا ہے۔ اور نہ کوئی تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ بعد میں

آنے والے مورخوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا۔ کہ جو کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں۔ انہیں اپنے الفاظ میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر اسکے متعلق معمولی تحقیق سے بھی کام لیا جاتا تو میسور کا ذرہ ذرہ ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا ثبوت فراہم کرتا۔ خصوصاً موجودہ زمانہ میں سفر کے وسائل اس قدر آسان ہو گئے ہیں کہ ہر شخص میسور آ کر سلطان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا بین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ریاستِ میسور میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو عمارتیں ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و منادر ہیں۔ جن میں بعض کی تعمیر ہزار سال سے پیشتر کی ہے۔ سلطان اگر متعصب ہوتا تو اس کیلئے آسان تھا کہ ان مندروں کا نام و نشان نہ رکھے۔ بخلاف اس کے ان مندروں میں سلطان کی دی ہوئی جاگیرات کے فرامین موجود ہیں۔ جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

سلطان کا پایۂ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور ہر سال ہزارہا لوگ اسکے دیکھنے کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے زائر کی نگاہ ان دو بڑے مندروں پر پڑتی ہے۔ جو اسٹیشن سے بالکل قریب ہیں۔ سلطان کا محل انہیں مندروں کے بالکل قریب تھا۔ محل کے پیچھے بلکہ محل سے لگا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے۔ بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔

اسکے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، ننجن گڈھ، السور (بنگلور) وغیرہ میں ایسے مندر موجود ہیں۔ جن کی تعمیر صدیوں پیشتر کی ہے۔ سلطان نے ان مندروں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنی طرف سے جاگیریں دیں۔ اور یہاں کے گروؤں کی اسکے پاس حد درجہ وقعت تھی۔ جس کا ثبوت ریاست میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے آرکولاجیکل رپورٹوں

سے بخوبی ملتا ہے۔

میسور کے آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"سرنگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے تین[۳] اور ٹیپو سلطان کے تیس[۳۰] خطوط و فرامین ملے ہیں۔ ان تمام فرامین و خطوط میں سلطان نے سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی بھی استعمال کیا۔ جو اسکی خاص ایجاد ہے۔ یہ تمام خطوط و فرامین سرخ کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اکثر خطوط کے لوح پر سلطان کی مہر موجود ہے۔ ان خطوط میں بخلاف دوسرے خطوط کے جن میں سلطان کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھا ہے۔ اور اپنے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا القاب استعمال نہیں کیا ان میں بہت سے خطوط میسور کی تیسری جنگ کے واقعات پر تیز روشنی ڈالتے ہیں۔ اور بعض خطوط سرنگری کے گرو کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔"

میسور کی تیسری جنگ میں انگریز، نظام اور مرہٹوں نے سلطنت خداداد پر فوج کشی کی تھی۔ مرہٹی فوج پرسرام بھاؤ کے ماتحت تھی۔ اس فوج نے جہاں تمام ملک کو لوٹ مار کرکے تباہ کیا وہاں سرنگری جیسا مقام بھی اسکے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ گرو نے سلطان کو لکھا کہ مرہٹی فوج سرنگری کے مندر کو لوٹ کر تباہ کردی ہے۔ اور سارداد یوی کے بت کو اپنی جگہ سے نکالکر پھینک دیا گیا ہے۔ مندر کا جملہ نقصان ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوا ہے۔ مندر کے ہاتھی، گھوڑے وغیرہ تمام مرہٹے لیکر چلے گئے ہیں۔

اس کا جواب سلطان نے ۳۰ رماہ ربانی مطابق ۱۷۹۱ء میں اس طرح دیا:۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں۔ جو ہمارے ملک پر چڑھائی کرکے ہماری رعایا کو ستارہے ہیں۔ آپ کی ذات تعدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا اور مندر

لے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کیلئے خدا سے دعا کریں کہ
ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش و خرم رہے"۔

پھر ایک خط میں گروجی نے سلطان کو لکھا تھا کہ انھوں (یعنے گروجی) نے مجبور ہو کر کسی اور جگہ اقامت اختیار کی ہے اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا ہے۔ اور مندروں میں جو کچھ اثاث تھا۔ لیکر چلا گئے ہیں۔ اور بغیر حکومت کی تائید کے سارداد یوی کے بت کو دوبارہ نصب نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان نے اسکے جواب میں لکھا ہے :۔

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے بھی نہیں باز آتے۔ یقین ہے کہ
اس کالی یوگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملیگا۔ لوگ بدی کا کام ہنستے
ہوے کرتے ہیں۔ لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔ گروؤں سے دغابازی خود
اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے"۔

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکم نامہ نگر کے آصف کے نام بھیجا تھا۔ جس میں حاکم علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دو سو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دو سو راحتی کے اجناس فوراً گروجی کی خدمت میں پیش کرے۔

اسی خط میں سلطان نے گروجی کو لکھا تھا :۔

"آپ کو اختیار رہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کرلیں۔ اس
رقم اور اجناس سے سارداد یوی کے بت کو نصب کرتے ہوے برہمنوں کو کھانا کھلائیں
اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کیلئے دعا کریں"۔

ایک اور خط میں سلطان نے لکھا ہے :۔

"آپ کا بھیجا ہوا پرساد اور شالیں موصول ہوئیں. آپ کے استعمال کیلئے ایک جوڑی شال اور دیوی کے بت کیلئے کپڑے روانہ کئے جاتے ہیں"

ماہ جعفری میں سلطان نے ایک اور خط لکھا ہے. اس میں گروجی کو اطلاع دی گئی ہے کہ "انکی خاص سواری کیلئے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے". اسی خط میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام جو حکم نامہ لکھا تھا اسکی نقل بھی ملفوف تھی. اس حکم نامہ میں تاکید کی گئی ہے کہ گروجی کے چیلوں پر باہر آنے جانے کیلئے کوئی پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

ماہ حیدری کا ایک رکارڈ بتلاتا ہے کہ گروجی نے مندر میں دو خاص پوجا کی رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی تائید چاہی تھی. اور یہ پوجا ۴۸ دن تک ہر روز ہونے والی تھی۔ جس کو سلطان نے منظور کرلیا. اور نگر کے آصف کے نام حکم بھیجا کہ سنگری پہونچکر تمام انتظامات مکمل کرنے میں گروجی کی تائید کرے. اسی ماہ میں گروجی کو بھی سلطان نے خط لکھا کہ :-

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیجدیا گیا ہے"

ماہ دینی کے چار رکارڈ مندر میں موجود ہیں. ان میں پہلے رکارڈ میں محمد رضا آصف نگر کو ہدایت کی گئی ہے کہ پوجا کے دنوں میں خاص انتظام کر رکھے کہ شریر لوگ مندر کے کاموں میں مداخلت نہ کرسکیں۔

ایک اور رکارڈ میں سلطان نے اطلاع دی ہے کہ سارداد یوی کے بت کے استعمال کے لئے ایک پالکی اور گروجی کے استعمال کیلئے ایک دوسری پالکی بذریعہ جوبدار فقیر محمد روانہ کی جاتی ہے.

ذاکری مہینے کے ایک رکارڈ میں لکھا ہے کہ لنباڑی قوم کے حملوں سے مندر کو محفوظ رکھنے کیلئے پیادہ فوج کے سپاہیوں کو مندر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے (لنباڑی ایک خانہ بدوش

ہندو قوم ہے۔ جو جنگلوں میں رہتی ہے۔ اور اس کو سگالی بھی کہا جاتا ہے)

مندر میں ایک اور رکارڈ (خط) موجود ہے۔ جس میں ضلع نگر کے عامل (سید محمد) کو سلطان نے لکھا ہے :۔

"سوامی جی سمندری غسل کے لئے جانے والے ہیں۔ انہیں سفر میں تمام ضروریات مہیا کئے جائیں :"

ماہ ربانی کے ایک رکارڈ میں سلطان نے سوامی جی کو اطلاع دی ہے کہ انکے استعمال کیلئے دو نقرئی چنور ارسال کئے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ (سوامی جی) خود پرسرام بھاؤ کے پاس جاکر اس سے درخواست کرینگے کہ مندر کا تمام مال جو مرہٹی فوج نے لے لیا تھا۔ واپس کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں سلطان نے سوامی جی کو راہداری کا پروانہ دیتے ہوئے تمام عمالان حکومت کو لکھا ہے کہ دوران سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کئے جائیں۔ اسی خط میں سلطان نے سوامی جی کے استعمال کیلئے شالیں اور ہاتھی، نوبت نقارہ اور علم بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس نے اپنی جانب سے بطور نذرانہ گروجی کو دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ گروجی پونا پہونچے۔ پرسرام بھاؤ سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیئے ان کو وہاں زیادہ عرصہ لگ گیا۔ اس پر سلطان نے انہیں ایک خط لکھا (یہ خط ماہ "رضی" میں لکھا گیا اور پلیٹ سترہ نمبر ۲ میں محفوظ ہے۔)

"آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کیلئے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارش اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپ کو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا کام جلد انجام کو پہونچا کر اپنے ملک میں واپس آجائیے۔"

ماہ ربانی کے ایک خط میں سلطان نے گرو جی کو اطلاع دی ہے کہ :-

"آپ کی ہدایت کے مطابق چھتروں (سراؤں) میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے۔
آپ کی خیریت سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں"

۱۷۹۵ء میں سوامی جی نے اطلاع دی ہے کہ وہ پونہ سے واپس آنیوالے ہیں۔ اس کے جواب میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ :-

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کرتے ہوئے سوامی جی کے تمام اعزاز و مراتب کا لحاظ رکھا جائے"

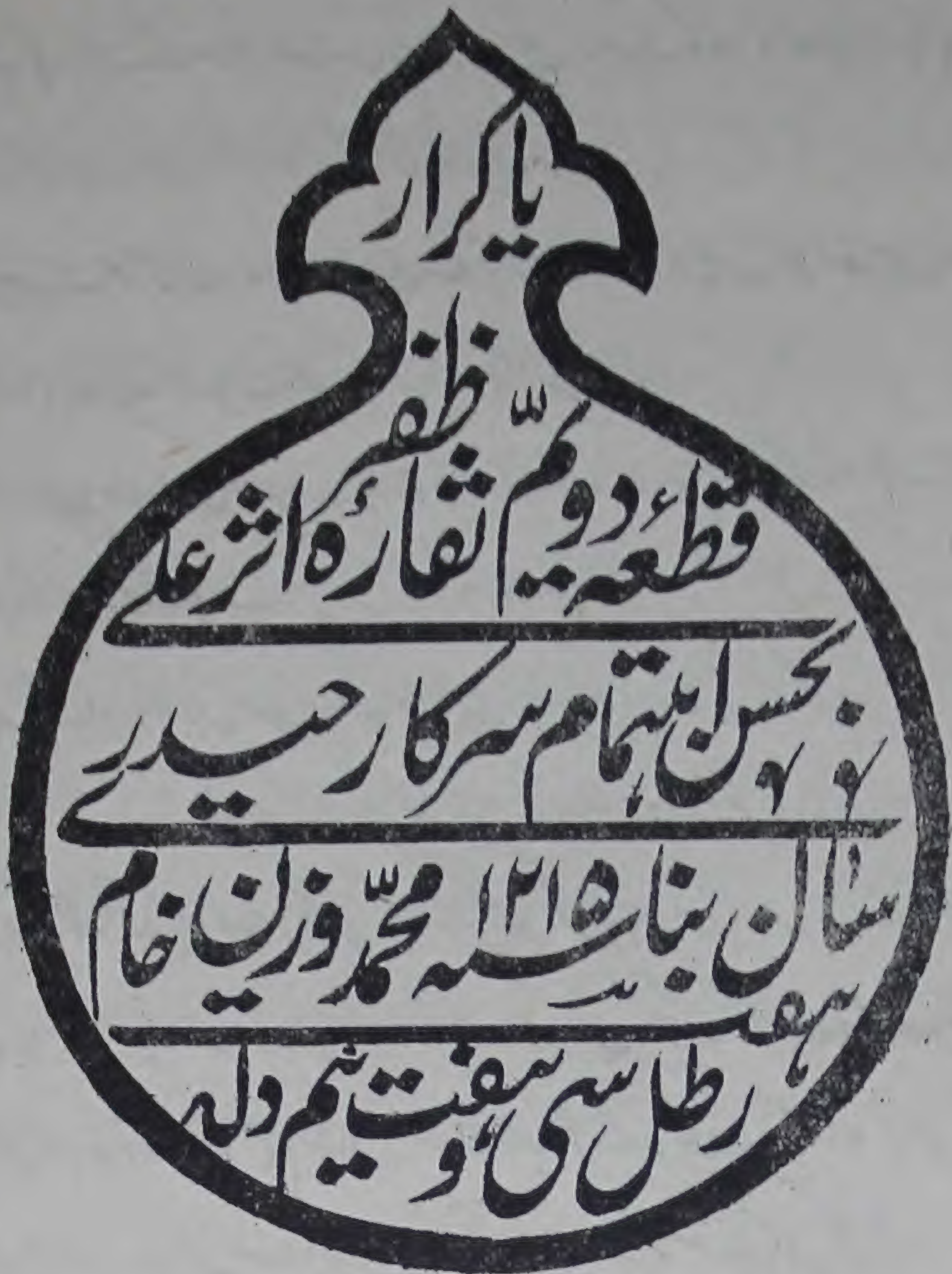
اس کے بعد ایک اور خط میں سلطان نے سوامی جی سے درخواست کی ہے کہ :-

"پایہ تخت میں تشریف لا کر درشن دیں"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سرنگری کے مندر سے متعلق ہے۔ اور یہاں کا مندر تمام جنوبی ہند اور میسور میں نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے۔ اور یہاں کے گرو اکثر راجاؤں کے مذہبی راہ نما سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیانگر کے راجاؤں کے راہ نما بھی اسی مندر کے برہمن گرو تھے۔ سلطان نے اس مندر اور یہاں کے گروؤں سے جو سلوک کیا اسکی شہادت وہ رکارڈ دے رہے ہیں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور یہ رکارڈ ابھی مندر میں محفوظ ہیں۔

سلطان نے اپنی ہندو رعایا سے جو مراعات کیں اور انکے مندروں کیلئے جو انعامات دیں۔ انکی تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام سلطنت میں جس قدر مندر بھی موجود ہیں۔ سلطان کے انعام و اکرام سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بہت سے مندروں میں ابھی تک سلطان کے دیئے ہوئے نقارے۔ برتن اور ملبوسات استعمال ہو رہے ہیں میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں میل کوٹ کے مندر کا ذکر ہے۔ اس رپورٹ کے

صفحہ ۶۷ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔



(یا کرار۔ قطعہ دویم نقارہ ظفر اثر علی بحسن اہتمام سرکار حیدری
سال بنا سنہ ۱۲۱۵ محمد وزن خام ہفت رطل سی و ہفت نیم دانگ)

یہ نقش اس نقارے پر ہے جو سلطان نے مندر کے استعمال کیلئے دیا تھا۔ آج بھی یہ نقارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

میسور آرکیولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے :۔

"میل کوٹ کے مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے پائے گئے۔ ان پر

جو تحریر ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے دئے ہوئے انعامات ہیں"۔

اسی رپورٹ کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے :۔

" موضع کلالی (ننجن گڈھ تعلق) میں لکشمی کنتا کے مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک طبق اور ایک گلدان موجود ہے۔ جو ٹیپو سلطان نے اس مندر کو دئے تھے۔ میل کوٹ تعلق میں نارائن سامی کے مندر میں بھی ایک چاندی کا گلدان ہے۔ جس پر لکھا ہوا ہے۔ کہ بادشاہ ٹیپو سلطان کا عطیہ ہے"۔

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر اگر حیدر علی کا بنایا ہوا ہے تو یہاں کے بت کے استعمال میں جو کپڑے اور برتن ہیں وہ سلطان کے ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود ان سرکاری رکارڈوں کے موجود ہونیکے بھی آج اس سلطان کو متعصب کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک انگریزی مضمون اخبار ینگ انڈیا سے لیکر لکھا جاتا ہے۔ جس سے سلطان کی مذہبی رواداری کا بخوبی ثبوت ملتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان اور گروایور کا مندر

اسلامی بے تعصبی

ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی۔ اگر اس وقت نظام حیدرآباد انگریزوں سے نہ ملجاتے تو ٹیپو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت ہی بہادر تھا۔ اس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جس قدر بہادر تھا۔

اپنی قدر خدا ترس اور بے تعصب، اس کی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا۔ آؤ ہم تمہیں ٹیپو سلطان کے متعلق ایک واقعہ سنائیں کہ اس نے مالا بار کے ایک مشہور مندر کو بربادی سے کس طرح بچا لیا۔

مالا بار میں گرو ایور کا مندر بہت پرانا اور مشہور ہے۔ مالا بار کے ہندوؤں کا اگر اس کو کعبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہزاروں خوش اعتقاد اسکی زیارت کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا اوتار کرشن جی مہاراج کے والد واسدیو نے وشنو کی یہ مورت اپنی پرستش کیلئے ایک خواب دیکھکر بنائی تھی۔ اور گرو برہسپتی اور وائیو نے جنوبی ہند میں ایک مناسب مقام تلاش کر کے یہ مورت نصب کی۔ اور اسی لئے اس کا نام گرو ایور قرار پایا۔ ٹیپو سلطان جب مالا بار کو فتح کرتا ہوا گرو ایور کے قریب پہونچا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرائے۔ اور انہوں نے دیوتا کی بیش قیمت مورت کو ریاست ٹراونکور کے ایک مشہور مندر میں بھیجدیا۔

ٹیپو سلطان تو گرو ایور کے قریب ہی ایک مقام پر رک گیا۔ اور اپنی فوجوں کو گرو ایور فتح کرنے کیلئے بھیجدیا۔ اس کے سپاہیوں نے گرو ایور کو فتح کر لیا۔ اور چونکہ ان دنوں مسلمانوں کی مرہٹوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے بعض مسلمان سپاہیوں نے از راہ انتقام اس مندر کو جلا کر خاک کر دینا چاہا۔ چنانچہ چند سپاہیوں نے مندر کی دیواروں پر گھی چھڑک کر آگ لگا دی۔ عمارت تھوڑی ہی جلنے پائی تھی کہ ٹیپو سلطان کے افسروں کو اپنے بادشاہ کے احکام کا خیال آگیا۔ اور انہوں نے جلدی جلدی آگ بجھا کر مندر کے دو تین برہمنوں کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر شورش پسند سپاہیوں کی شکایت کریں۔

ٹیپو سلطان نے جس وقت پجاریوں سے یہ سنا کہ اس کے چند شریر سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور رات ہی رات سفر طے کر کے گروایوار پہونچا۔ یہاں پہونچکر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اور جن مسلمان سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو سخت سزا دی۔ مندر کو درست کرایا۔ اور حکم دیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہو، وہ سرکاری خزانے میں داخل کرنیکے بجائے ہمیشہ اس مندر کو بخشدی جائے جب اس کو معلوم ہوا کہ پجاریوں نے اس کے خوف سے مندر کی مورتی کو ٹراونکور بھجوا دیا ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ دیوتا کی مورت کو فوراً واپس منگا کر اس مندر میں نصب کیا جائے“

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے :۔

”پیر لدا نامی ایک بزرگ سرنگاپٹم میں رہتے تھے۔ جنہوں نے ایک بار شکایت کی۔ کہ ہندوؤں نے ان کے معتقدوں کو بہت مارا پیٹا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا۔ کہ زیادتی مسلمانوں کی ہے۔ ہوا یہ کہ ہندوؤں کا جلوس جا رہا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔

پیر لدا نے کہا کہ ہندوؤں کا اس طرح مسلمانوں کو مارنا گویا اسلام کی توہین کرنا ہے اور یہ سلطنت بحیثیت ایک اسلامی سلطنت ہونے کے اس کا فرض ہے کہ اسلام کو ایسی توہین سے بچائے۔ اور اس معاملہ میں قرار واقعی قدم اٹھایا جائے۔ تاکہ آئندہ اور اسی طرح آزادانہ دستبرد کا سلطان ہی باعث نہ ہو جائے۔ جواب ملتا ہے کہ سلطنت کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں مساوی ہیں۔ پیر لدا نے کہا اگر یہی حال رہا تو میں حدود سلطنت سے باہر چلا جاؤنگا۔ جس پر سلطان کی طرف سے جواب

ملتا ہے کہ جو مرضی میں آئے کیا جائے۔ پیر لدا مدراس جاکر مقیم ہوئے اور وہیں رہ گئے۔"

نوٹ :۔ یہ کسی تاریخ سے بھی معلوم نہ ہوا کہ غداری میں یہ پیر صاحب کا ہاتھ کہاں تک تھا۔ (محمود)

سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کی اس سے بڑھکر اور مثال کیا مل سکتی ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ پورنیا جس کا نام میر صادق کی طرح بچے بچے کی زبان پر ہے۔ دیوان سلطنت تھا۔ پایۂ تخت سرنگاپٹم اور بنگلور کے قلعے سلطنت میں خاص وقعت اور حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہیں کے استحکام پر سلطنت کا دار و مدار تھا۔ ان قلعوں کے قلعدار کشن راؤ اور شتاب رائے تھے۔ اچھے شامیا محکمۂ ڈاک کا افسر اعلےٰ تھا۔ سلطنت خداداد کی فوجی و سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو افسروں کی تعداد بھی مسلمان افسروں سے کچھ کم نہیں تھی۔ دیہات میں شانبھوگ سب کے سب برہمن تھے۔ اور پٹیل یا تو برہمن ہوتے تھے۔ یا دوسری ذات کے ہندو۔ سلطان کی اس بے تعصبی اور رواداری کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا ہے :۔

"ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ"

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان اجنبی (انگریزی) مورخوں کی نگاہ میں تو وہ متعصب مسلمان تھا۔ جس نے اپنی ہندو رعایا کو بجبر مسلمان بنایا۔ لیکن یہ سب جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات بہت دوستانہ رہے۔ اسکے کارنامۂ زندگی کی یاد ایسے وقت میں جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے اصلی بدیسی دشمن کو بھولکر جو دروازے پر ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ اور غور و خوض کی قوت ان سب سے سلب ہو چکی ہے۔ دل میں مسرت کی ایک گدگدی پیدا کر دیتی ہے

اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا۔ جس نے، نہایت شرم سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے و ذہنیں[۳۰] سے زائد خطوط ہیں جو سلطان نے سرنگری مٹ کے شنکراچاریہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط کنڑی زبان میں ہیں۔ ٹیپو ایک خود مختار حکمران تھا۔ مگر اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ہندو ساہوکاروں کو اس پہ مجبور کرے کہ وہ اپنا حساب وکتاب عربی حروف میں رکھیں۔ بخلاف اس کے، اس نے خود اپنی قومی زبان میں شنکراچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے پتسپا (دعا خوانی) کی درخواست کی تھی۔ اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی فلاح کی دعا چاہی تھی۔ کہ آپ میسور جلد واپس آئیں۔ کیونکہ نیکوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے (یہ خط اس قابل ہے کہ زرین حروف میں لکھا جائے۔ اس موقع پر بنگ انڈیا نے کنڑی زبان کے اس خط کو دیوناگری حروف میں دیا ہے) ٹیپو نے ہندو مندروں کیلئے نہایت فیاضی سے جائدادیں وقف کیں۔ اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گرد وپیش سری ونکٹا رامنا، سرنیواس، اور سری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید جس سے بڑھکر کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ اپنی عبادت اللہ میں ہندوؤں کی پوجا کی گھنٹیوں سے پریشان نہ ہوتا تھا۔ ٹیپو آزادی کے ساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا۔ مگر اس نے دشمنوں کی اطاعت گوارا نہ کی۔

ہمیں بھی سلطان ٹیپو کے اس الہامی مقولہ کو یاد رکھنا چاہیئے۔

دو دن شیر کی طرح جینا گیدڑ کی دو سو سال کی زندگی سے بہتر ہے

یا اللہ! جنگ کی اس بدلی میں جس سے ہمارے سروں پر خون ٹپک رہا ہو مرجانا ذلت اور بے حیائی کی زندگی سے ہزار گونہ بہتر ہے"

اکثر عیسائی مورخین نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ کورگ کے معاملہ میں اس نے نہایت تعصب سے کام لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"نواح کورگ میں اکثر ہندو لوگ عیسائی مذہب قبول کرتے جاتے تھے تو سلطان نے اس پر انہیں لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کریں۔ مگر جب چھ دفعہ لکھنے پر بھی اس کا اثر نہ ہوا تو آخر سلطان نے لکھا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ تم میں کا کوئی شخص اپنا آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کرے۔ اور اگر ایسا ہی تبدیل مذہب کا شوق ہو تو خود اپنے بادشاہ کا جو ظل اللہ ہے۔ مذہب اختیار کریں"

اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ واقعی سلطان نے کورگ کے ہندوؤں کو یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ تبدیل مذہب کا شوق رکھتے ہوں تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کریں۔ لیکن اس کو تعصب اور ناانصافی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس نے صاف طور پر انہیں کہا کہ اپنا قدیم اور آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کریں۔ اب رہا عیسائیت کے خلاف اسکا حکم، اسکو معلوم تھا کہ لوگوں کو مذہب حق کی تلاش نہیں بلکہ وہ عیسائی پادریوں کے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور عیسائی پادری مذہب کیلئے نہیں بلکہ آئندہ سیاسی فوائد کو مدنظر رکھکر لوگوں کو اپنی جال میں پھانس رہے ہیں۔ اس کی دوربین نظر یہ دیکھ چکی تھی کہ بنگال اور کرناٹک میں یہی معصوم عیسائی پادری کس طرح مذہب کا جال بچھا کر عیسائی حکومت کیلئے راستہ صاف کر چکے تھے۔ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ گذشتہ چار صدیوں سے یوروپین حکومتوں نے جہاں کہیں اپنا سیاسی

اقتدار جمانا چاہا۔ وہاں سب سے پہلے عیسائی پادریوں کو امن اور نجات کے دیوتاؤں کے بھیس میں روانہ کیا۔ اور اس کے بعد جب دیسی باشندوں سے ذرا بھی کہیں مخالفت ہوئی تو کلیسا اور پادریوں کو بچانیکے بہانے سے ان حکومتوں نے اس ملک پر فوج کشی کر دی۔ تاریخیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ سلطان پادریوں کی ان فریب کاریوں سے واقف تھا۔ اسی لئے اس نے کورگ کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے بجائے اپنے ہی آبائی مذہب پر رہنے کا حکم دیا اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف بھی جس نے اپنی کتاب سرکاری خرچ پر شائع کی ہے۔ اور جس کو چاہئے تھا کہ بالکل بے تعصبی سے کام لیتا۔ اپنی کتاب میں سلطان کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:۔

"حقیقت میں اس کا تعصب اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مذہبی اور سوشیل معاملات میں وہ کسی دوسرے کے مذہبی احساسات کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ گو اس نے سرنگری کے گرو سے تعلقات رکھے تھے۔ لیکن ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ جس سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔" (میسور گزیٹیر مصنفہ ہیودن راؤ صفحہ ۲۶۸۵)

لیکن یہی مصنف اپنی پوری کتاب میں کہیں اسکی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکا کہ سلطان نے اپنی ہندو رعایا کی سوشیل و مذہبی معاملات میں دخل دہی کی ہو۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصنف نے کس لئے تعصب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور جب اس کو ایک مثال بھی اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں مل سکی تو اس نے یہ لکھ دیا کہ سلطان نے سرنگری کے گرو سے جو تعلقات رکھے تھے ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ اس مصنف کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ اس کو کوئی ثبوت سلطان کی بے تعصبی کا مل نہ سکا تو زبردستی ان تعلقات کو زیر بحث لایا ہے۔ جو سرنگری کے گرو اور سلطان کے درمیان تھے۔

اب رہا ان تعلقات کا مقصد صرف سیاسی ہونا۔ اس سے شاید بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے انکار نہیں کیا جاسکتا سلطان مسلمان تھا اور یہ ناممکن تھا۔ کہ مذہبی حیثیت سے وہ گروؤں اور مندروں سے اعتقاد رکھے۔ سلطان تو خیر آج کوئی ہندو ہو یا مسلمان مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح عیسائی اور ہندو، اور عیسائی اور مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس سے تو یہ مصنف بخوبی واقف ہے کہ آج ہندوستان میں کئی ایک ہندو اور مسلمان ریاستیں ہیں۔ ہندو ریاستوں کے راجہ اپنی ریاست میں مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ اور مسلمان نواب دھرمسالے، اور مندر بناتے ہیں۔ کیا یہ مصنف کہہ سکتا ہے کہ ہندو راجہ اسلام کے شیفتہ ہو کر مساجد کی تعمیر کیا۔ یا مسلمان نواب ہندو مذہب کے گرویدہ ہو کر مندر بنا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حکمران وقت کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنی رعایا کی دلجوئی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ دلجوئی سیاسی مقصد کیلئے ہی ہوتی ہے۔

اطالیہ نے طرابلس میں کئی ایک مسجدیں تعمیر کیں۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں حکومت نے مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی۔ خیر یہ تو دور کا قصہ ہے۔ میسور ہی میں دیکھا جائے تو حکمران وقت نے اپنے خرچ سے چند مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ یہی کہ اپنی رعایا کی دلجوئی۔ اگر ٹیپو سلطان نے بھی یہی کیا تھا تو اس میں اس مصنف کو عیب کیوں نظر آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے مورخین اور مصنفین سے تنگدلی دور نہیں ہوی۔ اور یہ اسی قسم کی کتابوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو مسلم تعلقات بجائے سلجھنے کے اور کشیدہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔

سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال

سلطان نے بچپن میں جس جگہ پرورش پائی تھی۔ اس جگہ اب مسجد اعلیٰ بنی ہوی ہے۔ پہلے

یہاں ایک مختصر مندر اور مسافر خانہ تھا. فقیر نے یہیں پیشین گوئی کی تھی. سلطان نے حسب ہدایت فقیر یہی جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے انتخاب کی. مگر مندر ہونے کی وجہ سے اس کو پس و پیش رہا پجاریوں اور عام ہندوؤں کو بلا کر کہا گیا کہ اگر یہ جگہ مسجد کیلئے دیدی جائے تو اس کے عوض ایک عالیشان مندر تعمیر کر کے دیا جائیگا. انکے راضی ہونیکے بعد سلطان نے اپنے قول کو جس طرح نباہا اس کا ثبوت وہ عالیشان مندر جو مسجد سے مغربی جانب ایک فرلانگ دُور سڑک کے سیدھے بازو پر ہے. دے رہا ہے. اور اس مندر کو جو پیش قرار جائداد دی گئی. اس کے سندات ابھی مندر میں موجود ہیں.

اس باب کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میتھک سوسائیٹی جرنل مورخہ جولائی ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۱۴۶ سے وہ تبصرہ درج کیا جاتا ہے. جو ٹیپو سلطان کے عادات و اطوار اور طرز حکمرانی پر مضمون "میکنگ آف میسور" میں لکھا گیا ہے:-

"ٹیپو ایک نہایت ہی عالی حوصلہ حکمران اور شیر میسور کے نام سے مشہور تھا. فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خوفزدہ تھے. جن سیاحوں نے ٹیپو کی سلطنت کو اسکی تخت نشینی کے بارہ سال بعد یعنی ۱۷۹۲ء میں دیکھا تھا. لکھتے ہیں کہ ملک میں زراعت خوب ہو رہی ہے باشندے جفاکش اور ہنرور ہیں. تجارت روزافزوں ترقی کر رہی ہے. اور ہر جگہ خوشی و خرمی ہے. ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طرز حکومت لوگوں کے پسندیدہ ہے. اور ملک کی عام حالت بتلا رہی ہے. کہ رعایا اپنے حکمران سے خوش اور قانع ہے. اگرچہ ٹیپو کو گذرے ہوئے آج سوا صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے. لیکن لوگ آج بھی ٹیپو کا اس کے عمدہ صفات کے لحاظ سے ادب و احترام کرتے ہیں. بخلاف معترضین کے ٹیپو کے مداح دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں"

ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے

سُلطان کی جدوجہد

اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کیلئے

سُلطان کی مساعیٔ جمیلہ

یوں تو سلطان کے متعلق جس قدر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں اس کا ذکر ہے کہ سلطان نے ترکی، ایران اور افغانستان کو سفارتیں روانہ کی تھیں۔ ولکس اور بورنگ نے ان سفارتوں کا تمسخر اڑایا ہے۔ دوسرے مورخین خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم صرف یہ لکھنے پر اکتفا کیے ہیں۔ کہ سفارتیں روانہ کی گئی تھیں۔ لیکن ان سفارتوں کے مقاصد اور گہرائیوں تک پہونچنے کی سعی کسی نے بھی نہیں کی۔

اتحاد بین الاقوام ہند کے سلسلہ میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ سلطان نے مرہٹوں سے بار بار اتحاد کی درخواست کی تھی۔ اتحاد بین المسلمین کیلئے اس کے ایلچی متعدد بار حیدر آباد جاکر مایوس واپس آئے۔ اسکی وجہ سے سلطان کو یقین ہوگیا کہ ہندو ہو یا مسلمان اپنے ملک سے بالکل بے پرواہیں اور ان سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں نکل آتی۔ اس اتحاد سے سلطان کا مقصد اس خط سے ظاہر ہے جو اس نے نظام علی خاں کو بھیجا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۱۹) اس کے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اسکی دور بین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ بنگالہ اور بمبئی میں تجارت

کے پردے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کس طرح ملک پر قبضہ کر چکی ہے اور جنوبی ہند میں والا جاہ محمد علی کی خود غرضی واسلام و وطن دشمنی نے کمپنی کو کس قدر چیرہ دست بنا دیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ تمام ہندوستان کو اپنا غلام بنا لیگی۔ اس لئے کہ ملک میں ہندو ہو یا مسلمان دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار تھے۔ اپنی اور ملک کی آزادی کی کسی کو بھی رتی بھر فکر نہیں تھی۔ اس وقت ان دونوں قوموں کی جو حالت تھی، اس کا اندازہ سلطان کی خاص تحریر سے ہوتا ہے۔ صاحب حملات حیدری نے لکھا ہے کہ یہ تحریر خاص سلطان کی نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس زمانے کے متعلق کسی نے لکھی تھی۔

"خدا نے فصلی حیثیتوں سے جیسے اس ملک میں تمام دنیا کے مجموعی اوصاف جمع کر دئے ہیں یعنی سردی، گرمی، بارش، برف وغیرہ آثار قدرت جو دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب قدرت نے اس ملک کے مختلف حصوں کو عنایت کئے ہیں باشندگان ملک کیلئے تمام زمین کو ہر قسم کے غلوں سے ذخیرہ گاہ قدرت بنایا ہے سینکڑوں ندیوں اور عالیشان دریاؤں سے ملک کی سیرابی کا سامان موجود ہے۔ ہر طرح کے پھل پھول سے جنگل گلزار ہو رہے ہیں۔ یہاں کے دریاؤں میں موتی۔ مونگوں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یاقوت والماس کی جھولیاں بھرے ہوئے کھڑے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ویسے ہی قدرت نے یہ نعمت عظمیٰ اس قوم کو عنایت فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت میں تمام دنیا کی قوموں سے بہتر اوصاف رکھتی تھی۔ یہاں کی قوم ہنود کی تعریف دور دور کے ملکوں میں بطور ایک نادیدہ مثال کے بیان کی جاتی تھی۔ انکی نفس کشی اور ریاضت کی کوئی حد نہ تھی۔ نرم دل ایسی تھی کہ ذی روح کو اگرچہ وہ بھنگا اور چیونٹی کیوں نہ

ہو تکلیف نہ دیتی تھی۔ محبت اور ملنساری میں دوسرے ملک والوں کو ایسا موہ لیتی تھی کہ اسکے اطوار سنجیدہ اور اخلاق برگزیدہ کے رہین منت ہوکر اس کی تعریف کا افسانہ ساتھ لیجاتے تھے۔ کسی جاندار کا ایذا دینا حرام مطلق تھا۔ اور اس حکم کی پابندی اس دلی رحم ولینت سے کی جاتی تھی کہ وہ ہر شخص کی طبیعت ثانی بنگئی تھی۔ خیرات اور صدقات کی کچھ حد نہ تھی۔ حتیٰ کہ صدقات وخیرات لینے والے بمشکل دستیاب ہوتے تھے۔ بعض راجے اپنا راج تک خیرات کردیتے تھے۔ ایفائے عہد اور قول پروری اس وقت کا خاصہ تھی۔ ذراسی قدرتی جھلک میں مظاہر یزدانی کی پرستش پر آمادہ رہتے تھے۔

زاں بعد وہی قوم دوسری قوموں کی آمیزش اور اختلاط اور اپنے قانون عملی کو چھوڑ کر ایسی گمراہ اور خراب ہوی کہ انکی ہر نیکی سے ان گنتی برائیاں پھوٹ نکلیں۔ بت پرستی نے سرتاپا کفر وضلالت میں مبتلا کردیا۔ انکی خیرات وسبرات کے بیجا مصرف نے ان گنتی فقیر وسائل پیدا کردیئے۔ جن کے افعال واطوار اس لایق نہ تھے۔ کہ ان کو حرام خوری کا موقع دیا جاتا۔ ان کے دلوں سے رحم اور خداترسی کا مادہ گھٹنے اور تعصب ونفسانیت کا مادّہ بڑہنے لگا۔ اور ان کا رحم قدیم بجائے عام بنی نوع انسان کے اپنے اغراض وخصوصیات سے متعلق ہوگیا۔ جس نے ان سے وہ عام برگزیدگی کے اوصاف واپس لے لئے۔ اور بہ بتدریج روحانیت کی تابناک روشنی سے کفر وبادہ پرستی کی تاریکی میں پڑ گئے۔ مسلمانوں کے وقت میں انکے تعصب اور نفسانیت اور ریا وخوشامد وغیرہ نے ترقی کی۔ اور وہ خصائل جو تونگری اور تموّل کو لازم ہیں۔ ان میں گھر گیئے۔ اولاد کی کثرت، تعلیم کی قلت عیش وتنعم کے اسباب، ہنرمندی کے فقدان

نے ان کو شاہراہ ترقی سے دور رکھا۔ ذہنی فرومائگی، رذیل شیووں کا اختیار کرنا۔ خوشامد
چاپلوسی، مکر و فریب سے دوسرے کے ساتھ ملنا۔ دغا و زور کو اپنا ذریعہ کامیابی جاننا۔
انکا شیوہ ہوگیا۔ غیرت اور حمیت سے سروکار نہ رہا۔ بیکار پڑے رہنے کو ذریعہ تنعم خیال
کیا۔ دولت جمع کرنے کیلئے انکے لالچ اور طمع کی حد نہ رہی۔ فی الحقیقت اس سے زیادہ
ذلت کیا ہوگی۔ کہ ایک ملک کے لوگ آپس میں تو لڑیں بھڑیں۔ دوسروں کو اپنا خداوند
نعمت بنائیں۔ انکے سامنے ذلت اور عاجزی سے سر جھکائیں۔ اور انواع مکر و خوشامد سے
پیش آئیں۔ اور خود انکے بار حکومت کے نیچے دب جائیں۔ ہندوؤں کے مذہبی تنوع
نے ان میں سخت تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ انہیں وجوہ سے بعض غیر ملک کے بہادر اور اولوالعزم
اور محنت کوش بادشاہوں نے اپنی قوم کا اس ملک کی بود و باش سے علیحدہ رہنا پسند
کیا ہے۔ چنانچہ گرشاسپ نامہ اسدی میں لکھا ہے کہ جب ضحاک نے اپنے سپہ سالار
گرشاسپ کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا تو اس کو یہ نصیحت کی۔

مثنوی

وصیت چنیں کرد گرشاسپ را ۔۔۔ کہ در ہند پدرود کن خواب را
نداری ز خون سپاہاں دریغ ۔۔۔ ہمیں کار فرما درخشندہ تیغ
بجستی دہ انجام کار بزرگ ۔۔۔ برا بیشاں چناں زن کہ برگلہ گرگ
نمانی دراں بوم سالے تمام ۔۔۔ کہ لشکر گراں گیرد از ننگ و نام
گرد بگزرد چار موسم دراں ۔۔۔ ز فرہنگ و مردی نیابی نشاں

یعنے اے گرشاسپ تو بعد حصول فتح ہندوستان کے وہاں رہنے کا ہرگز قصد نہ
کرنا۔ کیونکہ اگر تجھ پر اور تیرے لشکر پر ایک سال وہاں گذر گیا تو یقین کر کہ تمہارے

مردی وفرزانگی کا نام ونشان بھی تیمور کے لشکر میں باقی نہ رہیگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے۔ کہ ایران، توران، بلخ، ہرات غزنین۔ قندھار وغیرہ سے کیسے کیسے توانا اولوالعزم مغل اور پٹھان یہاں آئے لیکن یہاں کی رہائش سے وہ کیسے خانہ نشین وعشرت پسند ہوگئے۔ اوران شیروں، بہادروں کی اولاد کیسی کمزور اور زنخی ہوگئی۔ اورانہوں نے کیسی نحیف اور رذیل عادتیں اختیار کیں کہ انکی اصلیت کا کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا۔ اور وہ بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے اوصاف شجاعت ومردانگی وغیرت وحمیت کو کھو بیٹھے۔ اور اولوالعزمی ان کی سرشت سے نکل گئی۔"

(حملات حیدری)

سلطان کو جب حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد میں مایوسی ہوی تو اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنا چاہا (جس کا بیان آگے آچکا ہے) اسی سلسلہ میں اس نے افغانستان، ایران اور ترکی کو بھی سفارتیں روانہ کیں۔ ان ممالک کو سفارتیں روانہ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان کو مغربی قوموں سے محفوظ رکھے بلکہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کو بھی ان سے مصئون رکھنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے اس جذبہ کو پین اسلامزم کہا جائے یا کچھ اور۔ لیکن یہ حقیقت تو اس پر واضح تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور اس پر مستقل حکومت کرنے کیلئے ان قوموں (خصوصًا انگریز) کی نظریں بلاد اسلامیہ کے ان سواحل پر پڑ رہی تھیں جو ہندوستان کے راستے میں تھیں۔ وہ اس سے واقف تھا کہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران وعرب کے سواحل پر انگریز اپنا قبضہ جمالیں گے۔ اس لئے کہ ان ممالک کے پاس کوئی بحری طاقت نہیں تھی۔ جو یوروپین اقوام کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ ممالک اسلامیہ کا آپس میں اتحاد کرنے سے سلطان کے مدنظر مندرجۂ ذیل فوائد تھے:۔

(۱) اگر ترکی وایران کو ہندوستان میں بندرگاہیں دی جائیں اوراس کے عوض ان ممالک کے ساحلوں پر سلطنت خداداد کی بندرگاہیں موجود رہیں تو اسلامی جہازات کی آمدورفت کی وجہ سے مغربی قوموں کو ان ساحلوں پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملیگا.

(۲) قدیم زمانے سے ہندوستان کی تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی. اور یہی تجارت ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی خوش حالی کا باعث تھی. لیکن یوروپ والوں نے کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) کا راستہ دریافت کرکے اس تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا. اس لئے سلطان نے پھر اس تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے ہندوستان سے براہ بصرہ و ترکی بحری راستہ تجویز کیا. جو راس امید کے راستے سے زیادہ نزدیک اور سہل تھا اوراس سے علاوہ تجارت کے یہ مقصد بھی تھا کہ تجارت کی حفاظت کرنے کیلئے اسلامی ممالک بھی ان سمندروں میں اپنی بحری طاقت قایم کرینگے جواب تک نہیں تھی.

(۳) مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت سے بیگانہ ہوچکے تھے. یہی تجارت اور صنعت و حرفت انہیں اقوام عالم کا سرتاج بنا رکھی تھی. اس لئے سلطان نے نہ صرف اپنی سلطنت میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تجارتی کوٹھیاں کھول کر مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلانی چاہی.

(۴) ترکی سے جس کی شہرت اقصائے عالم پر پھیلی ہوی تھی فوجی امداد حاصل کرکے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالدیا جائے.

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے جو سفارت ترکی کو بھیجی. اس کا رئیس میر غلام علی تھا. یہ سفارت نہایت شان و احتشام سے روانہ کی گئی. اس کے لئے خاص طور پر سلطنت کے سب سے بڑے جنگی جہاز "فخرالمراکب" کو جس کے جلو میں چار چھوٹے جنگی جہاز تھے مختص کیا گیا.

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے مختار نامہ دیا تھا۔ اس میں اس نے جو ہدایات لکھی تھیں۔ وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

"قلم اول:۔ سرکار خداداد و سلطان روم کے درمیان شمس و قمر کے دور قیام تک دوستی و یک جہتی قایم رہے گی۔

قلم دوم:۔ بندرگاہ بصرہ ملحقہ ملک مع ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائیگا۔

قلم سوم:۔ اسکے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائیگی۔ اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہوتی رہے گی۔ جس کے سبب دین متین احمدی کو روزافزوں تقویت ملیگی

قلم چہارم:۔ ترکی سلطنت ہماری تائید کیلئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے روانہ کریگی۔ اسکے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کریگی۔ اور جس وقت ترکی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہو گی تو اس فوج کو جہازات پر سوار کرکے سلطنت خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائیگا۔

قلم پنجم:۔ سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں۔ لیکن اور چند بندوق، توپ اور قنادہ سازوں کو جو ماہرین فن ہوں۔ ترکی سے بھیجے جائیں۔ اور انکے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کی جاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرار نامہ کی صورت میں قلمبند کرا کے سلطان روم کا مہر دستخط لیا جائے اور اسکی ایک نقل ہمارے دستخط کیلئے بھیجی جائے۔"

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ دو ماہرین معدن گندک اور چند ماہرین معدن طلا و چاندی اپنے ساتھ لے آئے۔ اور چوبیں توپیں بھی خرید کی جائیں۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہدنامہ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان نے میر غلام علی کو ایک اور منشور دیا۔ جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا۔

(۱) اس اتحاد کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگالہ کو جس کے محاصل ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک کرناٹک کو جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں۔ جو بادشاہِ ہندوستان کی ملکیت میں ہیں مقامی حکام سے سازش کر کے پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں۔ اور اکثر اہل اسلام کو گرفتار کر کے انکے مساجد و مقابر کو تباہ کر کے اپنے کلیسا تعمیر کئے ہیں۔ اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے سلطان ان سے جنگ کرنے میں مشغول ہے اس جہاد میں آپ کی تائید چاہئے۔

(۲) نصاریٰ کے قلع و قمع کے لئے جہازات کی سخت ضرورت ہے۔ اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے۔ لیکن ان جہازات کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کیلئے بندرگاہیں چاہئے۔ اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکیگی۔ اور اسکے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہمیشہ قایم رہیگی۔ اور یہی امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔

(۳) بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت

ہو۔دی جائیگی۔اس سے مقصود یہ ہے کہ ترکی سلطنت کا اگر ایک بندرگاہ ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہازات ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے۔اور اس طرح نصاریٰ کی آمد و رفت کا قلع و قمع ہو جائیگا۔اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی ساحلیں انکی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) نصاریٰ ہر طرح سے یعنے صنعت و حرفت۔تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں۔اس لئے ضرورت ہے کہ دول اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر چکی ہے اس لئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بے شمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔انکے علاوہ گھڑیاں۔ظروف چینی۔دُوربینیں۔آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں۔سلطنت ترکی کو اپنے یہاں ان اشیا کی ساخت کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جا سکتے ہیں۔اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔انہیں بخوشی یہاں ملازمت دی جائے گی۔اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہئیں تو انہیں واپس جانیکا اختیار رہوگا۔

(۵) چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کی وجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔اس لئے دریائے فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کریگی۔اور منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجدیا جائیگا۔یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کے بھی کام آئے گی۔"

۳۵

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا تھا کہ:۔

بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد و نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہونچے اور راستے میں مقامات مقدسہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سے سلطنت خداداد کو آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اسکے متعلق میر غلام علی کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اسکی نقل بجنسہ زبان فارسی میں دی جاتی ہے:۔

"نقل حکم نازہ:۔ آنکہ دراثنائے راہ چہ در ملک عرب و عجم و روم درگاہ بزرگان و پیغمبران باشند، رفتہ از طرف سرکار غلاف و نذر و شیرنی بردہ فاتحہ نمودہ و بقدر مناسب از نقد خیرات نمایند۔ واز شریف مکہ و سلطان روم وغیرہ دریافت نمودہ بحضور معروض دارند۔ در مکہ شریف و در مدینہ شریف و درگاہ حضرت پیران پیر و در نجف اشرف و در کربلائے معلے و در درگاہ حضرت امام رضاؓ برائے نذر کدام چیز مقبول و پائدار است و نیز اگر دروازہائے نقرہ فرستادہ شود در مکانہائے موصوف نصب خواہد شد یا نہ وہم درگاہ روبروئے درگاہ اگر کلاں بستہ وبراں بالاخانہ تیار کردہ نقارخانہ گذاشتہ شود بہتر است یا نہ؟

مرقوم پانزدہم حیدری سال جلوا از مقام متصل ظفرآباد سنہ ۱۲۰۰ ہجری

(نوٹ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نامہ سرنگاپٹم سے سفارت کے روانہ ہوجانے کے بعد میر غلام علی کو بھیجا گیا تھا۔ محمود)

غرض یہ سفارت نہایت شان وشوکت سے قسطنطنیہ (اسٹنبول) پہونچی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتا ہے:۔

"عہد نامہ منگلور کے بعد سلطان نے ایک سفارت قسطنطنیہ کو بھیجی۔ اس سفارت کا رئیس میر غلام علی تھا۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان ترکی کو نہایت بیش قیمت تحایف کے علاوہ ٹیپو نے نئی بندوقیں۔ جو اسکے کارخانوں میں تیار ہوئی تھیں۔ دس لاکھ روپیہ جو نئے ڈھلے ہوئے تھے۔ قیمتی پارچہ جات۔ سونا اور جواہرات بھی بھیجے تھے۔"

سفارت بندرگاہِ بصرہ میں پہونچی۔ ترکی گورنر نے باب عالی سے حکم آنے تک اس کو یہاں ٹھہرا رکھا۔ تین ماہ کے بعد جب حکم پہونچا تو اس کو جانے کا حکم دیا گیا۔ قسطنطنیہ پہونچکر ارکان سفارت نے وزیر اعظم اور دوسرے امراء سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن بارگاہ سلطان ترکی میں ایک عرصہ تک باریابی نہ ہو سکی۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہونچی تو بمشکل نو ماہ کے بعد باریابی ملی۔ سلطان سلیم نے ٹیپو کی ان تجاویز کا مضحکہ اڑایا۔"

سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کی تجاویز کا مضحکہ اڑایا ہو یا نہ اڑایا ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا رہنا کافی ہے۔ جب اسکے بعد بندرگاہ بصرہ کی حوالگی اور نجف اشرف میں نہر کی تیاری کی درخواستیں پیش ہوئیں تو یہ بھی مسترد کر دی گئیں۔ بلکہ بصرہ میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملی۔ رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۰۱ پر لکھتا ہے :۔

"غلام علی نے جب سلطان ترکی کے آگے ٹیپو سلطان کی یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ بصرہ میں سلطنت خداداد کو ایک فیاکٹری (تجارتی کوٹھی) کھولنے کی اجازت دی جائے۔ اور اس امر کی بھی اجازت دی جائے کہ نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جائے۔ مگر سلطان سلیم نے ان تجاویز کو قبول نہیں کیا۔"

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"جب باب عالی کے آگے سلطان کی یہ تجویز پیش ہوی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ تو وزیراعظم نے کہا۔ اس قسم کی باتیں قدیم زمانے میں جب زمین پر جنات اور دیو آباد تھے سنی جاتی تھیں۔ ریگستان میں نہر نکالنا اب تک نہیں سنا گیا۔ اگر خدا کو منظور رہے کہ یہ نہر نکالی جائے تو وہ خود اس کا سامان پیدا کردیگا۔ اور ترکی کو ٹیپو سلطان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑیگی۔"

یہ الفاظ حقیقت میں وزیراعظم نے کہا تھا یا ولکس کے دماغ کی ایجاد ہے۔ اس کے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں ترکی اور تمام عالم اسلام پر ایک جمود کا عالم طاری تھا۔ سترہویں صدی عیسوی میں ہر جگہ کے مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ترکی جو دنیائے اسلام کی سب سے زبردست اور دنیا میں علمبردار اسلام کہلاتی تھی۔ تباہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی۔ باب عالی میں یوروپین اقوام کی ریشہ دوانیاں اور ان کے سفیروں کی آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑھکر انگلستان حصہ لے رہا تھا۔ جو فرانس کے خوف سے ترکی کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا۔ صنعت و حرفت کا ملک میں نام و نشان تک نہیں تھا اور تمام تجارت یوروپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ترک حد درجہ گر چکے تھے۔

تاریخ خاندان عثمانیہ میں اس زمانہ میں ترکی کی اندرونی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

ترکی کی حالت

(۱) وہی قومیں جو مذہب، معاشرت اور زبان میں ترکوں سے متغائر تھیں۔ نہیں بگڑی ہوی تھیں، بلکہ مسلمان رعایا میں بھی جو کافی زبردست ہو جاتے تھے۔ وہ بطور

قاعدہ کلیہ نمائشی اور زبانی فرمانبرداری کے سوا اور سب طرح سے مطلق العنان ہوجاتے تھے۔ بغاوت اور خانہ جنگی بڑے بڑے پاشاؤں کا معمولی وطیرہ تھا۔

(۲) عام طور پر گورنر ایک سال کیلئے مقرر ہوتے تھے۔ اور یہ تقرریاں عموماً رشوتیں دیکر حاصل کی جاتی تھیں۔ اور وہ لوگ جو گورنر ہونا چاہتے تھے۔ مالدار تو نہیں ہوتے تھے اس لئے عموماً رشوت کا روپیہ کسی مالدار یونانی یا یہودی سے قرض حاصل کرتے تھے۔ قرض دہندہ فی الحقیقت اس صوبہ کا جس پر اس کا مقروض متعین ہو۔ مرتہن ہوجاتا تھا اور رہن بھی باقبضہ ہوتا تھا۔ کیونکہ لازمی طور پر اس کا معتبر ایجنٹ سکرٹری کی حیثیت میں پاشا کے ساتھ جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صوبہ کا واقعی حاکم یہی سکرٹری ہوتا تھا۔ اور پھر ہر سال عہدہ کی تجویز کی ضرورت پاشاہوں کو اس مالی غلامی سے آزاد نہیں ہونے دیتی تھی۔

(۳) قاضی صاحبان یعنے مجسٹریٹ بھی عموماً پاشاؤں کی طرح اپنے عہدوں پر بذریعہ خرید متصرف اور انہی جیسے ظالم اور خائن ہوتے تھے۔

(۴) جاگیری انتظام میں بے اندازہ خرابیاں پیدا اور باب عالی کی غفلت یا کمزوری سے سلطنت کے اہم صوبوں میں مختلف اقوام و مذاہب کی چھوٹی چھوٹی خودسر ریاستوں کے قائم ہوجانیسے بھی سلطنت عثمانیہ کی کمزوری و بدنظمی میں مختلف وبے حساب اضافہ ہوگیا تھا۔

(۵) جاگیردار زبانی اور نام نہاد طور پر سلطان اور اسکے گورنر کی اطاعت کو مانتے رہنے سے تو انکار نہیں کرتے تھے۔ لیکن کسی سرکاری عہدہ دار کی مجال نہیں تھی کہ جاگیردار کے قلعہ میں داخل ہوکر حکم کی تعمیل کراسکے۔

(۶) علما اور بالخصوص مفتی یعنے شیخ الاسلام کی طاقت بہ نسبت سابق بہت بڑھ گئی تھی۔ یہی کیفیت املاک اوقاف کی بھی تھی۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کیلئے اپنی املاک متولیان اوقاف سے خفیہ معاہدہ کر کے وقف کر دیتے تھے۔

(۷) الغرض سلطنت کے ہر شعبہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صدی کے خاتمہ کے قریب سلطنت عثمانیہ کمال انحطاط کے درجہ پر پہونچ گئی تھی تو اس میں ذرہ بھی مبالغہ نہ ہوگا۔" (تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم اقتباس از صفحات ۲۴۰ تا ۲۴۸)

ان حالات میں سفارت کا ناکام واپس آنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔

لیکن سلطان اس سے مایوس نہیں ہوا۔ اس نے پھر دو سفارتیں روانہ کیں۔ اور ان میں جو اخیر سفارت تھی وہ ۱۷۹۸ء میں روانہ کی گئی تھی۔ اس وقت باب عالی میں انگریزی سفیر کا طوطی بول رہا تھا۔ ترکی پورے طور پر انگریزوں کے اثر میں تھی۔ اس لئے جب ٹیپو سلطان کا خط پیش ہوا۔ تو سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ فرانسیسیوں پر اعتماد نہ کرے۔ بلکہ انگریزوں کے ساتھ ملجائے۔ سلیم ہندوستان کے حالات سے ناواقف تھا۔ بہر طور یہاں سلطان سلیم کا خط اور اس کا جواب جو ٹیپو سلطان نے بھیجا تھا درج کئے جاتے ہیں:۔

"سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط۔ مورخہ ۸ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ بنام ٹیپو سلطان"

(یہ اصل خط عربی میں تھا۔ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔)

اس سلطان برادر قدردان کو معلوم ہو کہ ان ایام میں کہ فرانسیس لوگ دیار فرنگ کی اکثر ریاستوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھے۔ ہماری سرکار نے ان لوگوں کے تعارف اور دوستی کے سبب جو سابق سے چلی آتی ہے ان کے دشمنوں کے طرفدار نہ ہو کر صلح کل کا طریقہ

اختیار کیا۔ اس سرکار کو چونکہ بہ نسبت ان لوگوں کے نہایت درجہ میلان والتفات اور ان کی لگاوٹ کی باتوں کا کمال اعتماد تھا۔ اسی سبب سے دوسروں کے سوال و پیغام انکے خلاف مسموع نہ ہوئے۔

سرکار عالی کو یہ خیال تھا کہ وہ بھی ان مدارات کے بدلے لوازم مروت اور دوستی بجالائیں گے۔ لیکن برخلاف اسکے ان لوگوں نے یکایک دغابازی اور مکاری کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے طولوں میں جو ملک فرانسیس کے متعلق بندروں میں سے ہے۔ جہازوں کی تیاری کی۔ اور ان جہازوں کے روانہ کرنے کا لوازمہ واسباب مہیا کرنے کے بعد کثیر لشکر ان پر چڑھایا۔ اور بعضے آدمیوں کو جو عربی زبان سے ماہر اور قبل اسکے ملک مصر میں گئے تھے۔ ساتھ کیا۔ اور سرداری اسکی بوناپارٹ کو دی جو اس قوم کا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ سپہ سالار مذکور نے ان جہازوں وغیرہ سمیت جزیرہ مالطہ کی سمت کوچ کر اس مقام کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ پھر یہاں سے اسکندریہ کی جانب روانہ ہوکر ۷ محرم الحرام ۱۲۱۳ھ کو اسکے سامنے جاکر اکبارگی اپنا سارا لشکر شہر میں داخل کردیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے وہاں عربی عبارت میں اس مضمون کے اشتہار شائع کئے۔ کہ ہم کو سرکار عثمانیہ کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں۔ بلکہ تادیب و تہذیب مصر کے بیگوں کی۔ جنہوں نے قوم فرانسیس کے سوداگروں کو تکلیف پہونچائی۔ منظور ہے عرب کے جتنے آدمی فرانسیسوں کی موافقت اختیار کرینگے۔ انکے ساتھ حسن سلوک عمل میں آئیگا۔ اور جو لوگ مخالف ہونگے وہ موت کا مزا چکھیں گے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان مفتریوں نے یہ بھی مشہور کردیا کہ مصر کی مہم ہماری مرضی اور صلاح سے واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔

اسکے بعد اس مکار نے شہر رومنہ میں دخل کر لیا۔ تب تو دولت عثمانیہ کی نوجوں نے جو شہر قاہرہ سے ان مصیبت زدوں کی مدد کو بھیجی گئی تھیں۔ ان کا مقابلہ کیا۔ اور مصر کی سرزمین جو اس اعتبار سے کہ متصل قبلۂ اہل اسلام مکہ معظمہ اور بھی مدینہ منورہ کے واقع ہے۔ اس کی نسبت قوم مذکور کے بعض خط پکڑے گئے۔ ان کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عرب کے ملک کو لیکر اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے دل میں یہ بات سمائی ہے کہ توفیق الہٰی اور تائید رسالت پناہی سے ان دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کے دفع کرنے میں ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جائے۔

چونکہ اس برادر قدردان کے ساتھ جو دین اسلام کی حمایت میں شہرۂ آفاق ہیں۔ مدت مراسم یکجہتی ثابت و مستحکم اور طرفین سے ارتباط و یگانگت کی رسمیں جاری ہیں۔ امید ہے کہ وہ برادر مہربان اس خرخشے کی صفائی کیلئے اس سرکار عالی کے ساتھ درمیان عزم و رزم کے متفق اور معاون ہونے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں گے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ ان دنوں قوم فرانسیس نے سرکار انگریزی کے علاقہ ہندوستان میں طرح طرح کی سازش کی ہے۔ اور تقریب سے درمیان قوم فرانسس اور اس برادر کے نہایت موافقت اور میل پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ان کے سرداروں نے مصر کے راستے سے فوجوں کے بھیجنے کا اقرار کیا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کا مکر و فریب جلد کھل جائیگا۔

چونکہ اس قوم نے مقابلہ کو ادھر سے تو ناظمان سرکار انگریز مستعد ہیں اور ادھر ہم بھی انکے فتنہ و شور و شر کا دفعیہ کرنا ضرور جانتے ہیں۔ اس صورت میں دونوں سرکار

کے سرداروں کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت میں شریک رہیں۔ اور یہ بات
ایک جہان کے گوشزد ہو گئی ہے کہ فرانسیسیوں کے سرداروں نے ہر دین و مذہب کے
نیست و نابود کرنے پر کمر باندھی ہے۔ یہاں تک کہ پاپائے روم کے ملکوں پر جو یہاں
کے قدیم رئیسوں میں سے ہے۔ اور دیار فرنگ کی سب قومیں اسکی عزت اور توقیر
کرتی ہیں۔ ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور ریاست بشگوان بھی جو بطور ریاست
اجماعی کی تھی لے لی ہے۔ اور اب سرکار عثمانی کے ملکوں پر تاخت کی ہے۔ اور آئندہ
ان کو ہندوستان لینے اور انگریزوں کو وہاں سے نکال دینے کی دُھن ہے۔ الحاصل
فرانسیسیوں کی قوم ایسی بے مروت ہے کہ انکے مکر و فریب کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اس لئے
امید ہے کہ وہ برادر طریقہ دین و اسلام کے اقتضا سے اپنے ہم مذہبوں کی کمک اور
مدد میں بلکہ قوم فرانسیس کے شر و تزویر سے خطہ ہند کے بچانے میں دریغ نہ فرمائیں گے
اور اگر درمیان اس برادر والا قدر اور قوم مذکور کے کچھ ارتباط اور میل ملاپ ہوا
ہے تو امید ہے کہ وہ برادر والا قدر حال و استقبال کے آغاز و انجام کے نتیجوں اور
اس نشیب و فراز کو جو اس ڈھب کی ملاوٹ میں متصور اور ممکن ہے۔ ترازوئے دانش
میں تول کر اس سے احتراز لازم جانیں گے۔ اور انگریزوں سے لڑنے کے قصد کو دل سے
محو کر ڈالیں گے۔ اور جس صورت میں اس برادر کو انگریزوں سے کچھ شکایت ہو تو ہمیں
مفصلاً اس کا حال لکھیں گے۔ تاکہ اس کی صفائی کیلئے ہر طرح کی دوستانہ کوشش
عمل میں لائی جائے۔ امید ہے کہ وہ برادر ان امور میں خوض و فکر کر کے قدیم دوستی
اور ارتباط کی بنیاد کو جو جانبین سے بطور شائستہ ثابت و قائم ہے اور زیادہ مضبوط
و استوار کریں گے۔ فقط

ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب

(یہ خط عربی زبان میں لکھا گیا تھا)

سب ستائش اور حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس نے ملوک صاحب احتشام اور سلاطین عالی مقام کے نظم ونسق سے دین اسلام کو ایسا نور وظہور بخشا۔

اور درود وسلام اس کے رسول مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل واصحاب امجاد پر جنہوں نے شریعت خیرالانام کے طریقے کو آج اوج کمال پر پہونچایا۔

بعد اس کے شہنشاہ جمجاہ حکومت وابہت پناہ، ظل ملک صمد۔ مورد الطاف ربانی۔ منبع دانش وعرفان مجمع پروانشان۔ مقدمۃ الجیش فیروزی واقبال برگزیدۂ حضرت ذوالجلال۔ بادشاہ بحروبر۔ نائب ایزد داور۔ اعنیٰ سلطان روم کی بارگاہ والا میں (خدا ان کے ملک وسلطنت کو ہمیشہ قایم رکھے) پوشیدہ نہ رہے کہ :-

آپ کا مکتوب گرامی جو قوم فرانسس کی توہین وتذلیل اور جمیع مسلمین کے ساتھ ان کے عناد رکھنے اور یک قلم مذہب کے طریقوں کو صفحۂ جہاں سے محو کر ڈالنے پر مشتمل اور انگریزوں کی تعریف وتحسین اور درمیان انکے اور ہمارے صفائی کر دینے کیلئے اس عظمت دستگاہ کے کفیل وعازم ہونے اور ہم میں ان میں جو خصومت اور دشمنی واقع ہے اس کا سبب بیان کرنے پر محتوی تھا۔ نیک ترین ساعت میں پہنچا۔

خاطر عاطر پر روشن اور مبرہن ہو کہ ہم نے فی سبیل اللہ جہاد اور دین محمدؐ

کی بنیاد قایم رکھنے کیواسطے کمر باندہی ہے۔ اور فی الواقع فرانسیسوں کی ذات جیساکہ آپ نے لکھا ہے۔ بڑی بے وفا اور سنگ دل ہے۔ ہم انکی برائیوں سے خوب آگاہ ہیں۔ اور چونکہ انگریزوں کی قوم نے اندنوں ہمارے ملک پر تاخت کرنے میں پیش دستی اور جنگ و نبرد کی تیاری کی ہے۔ اس لئے ہم پر بلکہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا ہے۔ توقع کہ جناب عالی اوقات خاص میں مناجات کرکے ہمت اور دعا سے ہماری معاونت فرماویں گے۔ بعد اس کے ہم سب کو فضل الٰہی اور توفیق ایزدی کی اعانت بس ہے۔ قبل اس کے ہم نے ایک نامہ سید علی محمد اور مدارالدین کی معرفت بھیجا ہے جس میں بخوبی مفصل حالات مندرج ہیں۔ علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر بھی ایک دوسرا مکتوب لیکر گیا ہے۔ وہ عنقریب بارگاہ والا میں حاضر ہوکر ہمارے مقاصد مطالب شرح وار عرض کریگا۔ صلوٰۃ و سلام خدا کا نبیؐ برحق اور اس کی آل امجاد و اصحاب پر ہو۔ فقط۔

سلیم کے خط کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ٹیپو سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی سے توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

ایران کو جو سفارت روانہ کی گئی تھی وہ ایک حد تک کامیاب رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ایک بندرگاہ دینے اور اس کے عوض ہندوستان میں بندرگاہ لینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ سلطان اس سے بہت خوش ہوا۔ اور شاہ ایران کے نام خط لکھا کہ جو بندرگاہ ضروری ہے اس کا انتخاب کرلیا جائے۔ جیساکہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔

خط بنام کریم خاں (زند) فرمانروائے مملکت ایران۔

جب تک آفتاب کے ظہور اور ماہتاب کے نور سے ساحت آسمان و زمین نوریاب

اور گلزار عالم ابر آذری سے سرسبز و شاداب رہے. محفل سلطنت و دولت اور گلشن حکمت و حشمت سے

خداوندِ اورنگِ شاہنشہی — سپہدارِ اقلیمِ فرماں دہی

خدیو زماں شاہِ عالی تبار — شہِ دادگر خسروِ نامدار

فرازندۂ رایت سروری — فروزندہ خورشید اوج سری

زیب و زینت چار بالش تمکین و جاہ نوازندۂ خلق اللہ کی شمع اقبال تائید ایزدی اور رضائے سرمدی سے روشن رہے۔

آپ کا الطاف نامہ جس کے مضمون سے سراسر اخلاص و محبت کا رائحہ پیدا ہوتا تھا ایسے وقت میں کہ دلِ آرزومند کو وہاں کی خبر خیریت کے دریافت کا انتظار تھا بساعت مسعود زمان محمود سیادت پناہ شرافت دستگاہ شاہ نور اللہ اور والاجاہ رفیع الشان میرزا محمد سلیم اور زین العابدین خاں کی معرفت چہرۂ افروز وصول ہوا اسکے مشاہدے اور مطالعہ سے دل اور دماغ میں کمال انبساط اور سرور نے جگہ پائی۔ مخلص نیازمندان مراتب موالات و محبت کے سننے سے جو سفیران مذکور کی زبانی معلوم ہوئے. الطاف سامی کا شکر گذار ہوا چونکہ اتفاق و وفاق عامۂ بنی آدم سے نیکیاں اور حسنات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب دو صاحب شوکت حاکموں اور ذی اقتدار بادشاہوں کے درمیان موالفت اور موانست کی بنیاد قایم ہو تو بے حد و بے شمار برکات و فوائد کا مترتب ہونا ظاہر ہے۔

اس لئے یہ وفا کیش اس زیبندۂ تاج و دیہیم کے اوصاف ذاتی اور کمالات فطری سنکر حسبِ مضمون اس شعر کے ؎

مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را

ہنوز بادِ یمن محوِ نکہتِ عربی است

اس جناب سے اتحاد و ارتباط کا خواہاں ہوا تھا ۔ الحمد للہ کہ دل نیاز منزل کو اس شاہ والا تبار کی فتوّت و مروّت سے جو امید تھی وہ بخوبی ظہور میں آئی ۔ یعنے اتحاد و محبت کا آفتاب دونوں پر پرتو فگن اور کاشانۂ وداد و اتفاق روشن ہوا ۔

یہ بات جو از راہِ الطاف و کرم قید تحریر میں آئی ہے کہ یہ اخلاص شعار اپنی سرکاری کشتیوں اور جہازوں کی لنگر گاہ کیلئے جو بندر گاہ بنادر ایران سے درکار و ضرور ہو وہ آپ کو لکھ بھیجے ۔ الحق جب بنائے یکجہتی و اتحاد قایم ہوی تو جانبین کے دیار و امصار ایک حکم میں داخل ہوئے ۔

نیاز مند کل ملکِ ایران کے علاقوں اور جزیروں کو اپنا ہی سمجھتا ہے ۔ اور اب اس فروغ اکلیل شہریاری سے بھی بحکم القلب یھدی الی القلب امید یہ ہے کہ اس صفا کیش کے قلمرو کے سب جزیروں اور بنادر کو اپنا تصور فرما کر جس بندر گاہ کی خواہش ہو ۔ اس سے اپنے خیر خواہ کو آگاہ اور دولت ایران کے شاہی معتمدوں کو وہاں روانہ فرمائیں ۔ بندر گاہ مذکور بسر و چشم ان کے حوالے کر دیا جائیگا ۔ تا یہاں سے بڑے بڑے شہتیر اور گندے اور تختے وغیرہ جہازوں کی تیاری کا سامان جو اس اطراف میں کثرت سے ہے ۔ اور نیز اس دیار کے دوسرے تحائف اور عجائب ہمیشہ وہاں پہنچا کریں ۔ باقی مراتب سیادت دستگاہ سیّد نور اللہ کے ذریعہ سے رائے کشا پر روشن ہونگے ۔ شفقت شاہانہ سے امید ہے کہ ہمیشہ بھیجنے سے مکتوبات محبت طراز کے جو ذات مجمع محاسن کی صحت و آسائش اور تحائف کی فرمائش پر متضمن

ہوں۔ دلِ آرزومند کو محفوظ فرماتے رہیئے۔ الٰہی خورشید سلطنت واقبال مشرق
جاہ وجلال سے طالع رہے۔ فقط   مہرو دستخط   ٹیپو سلطان

یہ خط جب ایران پہونچا تو وہاں کی دنیا ہی نئی تھی۔ تمام ملک میں شیعہ وسنی اختلافات سے ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اور اس آگ پر تیل ڈالنے کے لیئے لارڈ ولزلی کا بھیجا ہوا مرادآباد کا ایک شیعہ وہاں موجود تھا (میسور کی چوتھی جنگ میں اس پر مفصل بیان لکھا جاچکا ہے)
اب اسلامی ممالک میں صرف افغانستان باقی تھا۔ جس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں تھا۔ لیکن ایک ایسا فرماں روا موجود تھا۔ جس کے دل میں اسلام و اسلامیوں کے لیئے تڑپ موجود تھی۔ اس نے ٹیپو سلطان کو امداد اور ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دینے کا ارادہ کرلیا۔ اور سلطان کو خط لکھا :-

خط زماں شاہ والی افغانستان۔ بنام ٹیپو سلطان

"بعد حمد یزدان پاک اور نعت نبیؐ صاحب لولاک اور القاب سلطان مکتوب الیہ کے مشاطۂ قلم شاہد مدّعا کے چہرہ سے یوں نقاب اٹھائی ہے کہ

خط مسرت نمط۔ جواہر محبت ووفا کا مخزن۔ کنوز مودت وولا کا معدن جو آپ کے اہتمام وتوجہ پر شریعت محمدی کے رواج دینے اور بد دیناں بدعتی کے تباہ و تاراج کرنے پر متضمّن ہے۔ اور اس میں آپنے لکھا ہے کہ سلطانی قلمرو کی جامع مسجدوں میں ہر جمعہ کے روز بعد نماز کے اس نیازمند کی وسعتِ مملکت اور نصرت رایات فتح آیات کے واسطے ایزد سبحانہ کی جناب میں مناجات کی جاتی ہے۔ اس عالیجاہ کے ایلچی سیّد حبیب اللہ اور سیّد محمد رضا کے ہاتھ مع سوغات مندرجہ اس مدعا سے کہ اس سرکار کے دو شخص اس مخلص کے دربار میں حاضر رہا کریں۔ ساعت سعید میں پہونچا

جس سے دوستی اور یک جہتی کا گلزار ترو تازہ ہوا۔

چونکہ اس سلطان والاشان کو نیست ونابود کرنا بے دینان مخذول اور جاری شرع اطہر رسولؐ مقبول کا منظور ہے۔ ہم بعون الہٰی مع لشکر قاہرہ جلد اس طرف کوچ کرتے ہیں۔ تاکفار بد کردار ضلالت شعار کے ساتھ غزا و جنگ کرکے اس ملک کو لوث و کفر بدعت سے پاک وصاف کریں۔

آپ اس امر میں خاطر جمع رکھیں کہ شتاب باشندے وہاں کے اپنی داد کو پہنچکر بصد امن و آسائش میں چین سے رہیں گے۔

اور اس سلطنت پناہ نے جو واسطے استواری محبت اور ارتباط کے اپنی سرکار والا کے دو شخص ہمارے یہاں بھیجنے کے باب میں درخواست کی۔ اس کو ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اس عالی منزلت کے سفیروں کی معرفت جو اپنی سفارت کے کام بخوبی بجا لائے۔ کچھ ہدئے اور تحفے جو ہماری وفور محبت کی نشانی ہیں بھیجے جاتے ہیں۔

مدام اپنے مرکوزات خاطر سے مع اعلام خصوصیات دیگر کے ہمارے دلِ مشتاق منزل کے مذاق کو شیریں کام رکھا جائیگا"

زماں شاہ نے نہ صرف یہ خط بھیجا۔ بلکہ فوج لیکر سرحد ہندوستان پر پہونچ بھی گیا۔ لیکن لارڈ ولزلی کے فرستادہ شخص نے ایران میں جو آگ لگائی تھی۔ اسکی بنا پر اسی وقت شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے زماں شاہ کو واپس ہو جانا پڑا۔

سلطان نے جو رائے ملک کے ہندو مسلمانوں کے متعلق قائم کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور جو خدشات کہ اس کو بلاد اسلامیہ کے متعلق تھے۔ وہ بھی حرف بہ حرف پورے

ہوئے۔ ہندوستان محکوم بن گیا۔ اور ہندوستان پر قبضہ رکھنے کیلئے انگریزوں نے بلاد اسلامیہ پر
یعنے ایران کے جزائر، عرب میں عدن، کویت اور عراق میں بصرہ پر قبضہ کرلیا۔

مقاصد حیات

سلطان کے حالات، اسکے عادات و اطوار، اس کا طرز حکومت۔ اسکے اخلاق حسنہ، اس کا جذبۂ جہاد اور اسکی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوام ہند و اتحاد بین المسلمین کیلئے اسکے مساعئ جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے پیش نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔

ہندوستان کا ماضی و حال اس کی آنکھوں کے آگے کھلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پانچسو سالہ حکومت۔ اس کا زوال اور اس کے اسباب سے وہ بے خبر نہیں تھا۔ کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے دیباچہ میں سلطان خود لکھتا ہے :-

"سلطنت مغلیہ کی تباہی کا باعث وہ جنگ و پیکار ہے۔ جو بعد انتقال عالمگیر اس کی اولاد میں باہم واقع ہوی۔ انکی آرام طلبی اور آسائش دوستی۔ شب و روز کی عیش و عشرت، سلطنت کے کاروبار میں تکلیف و مشقت سے بیزاری اور عورتوں کی صحبت، اس سلطنت کی جمعیت میں پریشانی اور تفرقہ ڈالی۔ جب سلطنت کے آثار کچھ باقی نہ رہے تو امیران سلطنت و صوبہ داروں نے اطاعت اور نیابت دولت تیموریہ سے نافرمانی و بغاوت کرکے علم استقلال و خودسری بلند کیا۔ اور رشک و ہم چشمی کے باعث ایک دوسرے کی بیخ کنی اور استیصال میں معروف و مستعد ہوئے"

ہندوستان اور مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی حالت کو دیکھکر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ یوروپ سے جو قومیں تجارت کیلئے آئی ہوی تھیں۔ ان میں انگریز ہندوستان کی اس حالت سے فائدہ اٹھاکر ملک پر قبضہ کررہے تھے۔ اس کا غیور دل یہ گوارا نہ کرسکا کہ گیارہ سو سال سے جو قوم دنیا میں

حکمران رہی ہو۔ وہ عیش وعشرت اور خانہ جنگی میں گرفتار ہو کر دوسروں کی غلام بن جائے۔ اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی قرار دیا تھا۔ کہ از سرِ نو ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر اس کو آزاد کرے۔ مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوئے تلے رہکر منظم بن سکیں اس لئے اس نے اعلان کیا کہ :-

"کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کرکے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آکر آباد ہو جائیں۔ اس اعلان میں ان نو آبادکاروں کے لئے مراعات دینی منظور کیں۔" (تاریخ ولکس)

اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں از سرِ نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی۔ اور اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا۔ کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو جائیں۔

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہندو رعایا کو بھی زندگی کے اسی اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی سلطنت میں عہدے دینے میں کوئی تفریق باقی نہیں رکھی۔ تجارت، زراعت، اور صنعت وحرفت ہر ایک شعبہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اسکی نوازشیں یکساں مبذول تھیں۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں ملکر آزاد رہیں۔ وہ ایک نئی سوسائیٹی اور نئی طرز زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ اس کے اس عزائم جلیلہ سے اگر اس وقت کوئی واقف تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف آج ہندوستان آزاد رہتا۔ بلکہ کل ممالک اسلامیہ وایشیا بھی یوروپین اقوام کی دستبرد سے محفوظ رہتے۔

اس کی شخصیت کس قدر بلند پایہ تھی ؟ اس کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس گورنمنٹ آرڈر سے ملتا ہے جو لارڈ ولزلی نے ۱۵ مئی ۱۷۹۹ء کو فورٹ سنٹ جارج مدراس سے شائع کیا تھا۔ اس گورنمنٹ آرڈر میں سرنگاپٹم کو تسخیر کرنے والی فوجوں کی تعریف و توصیف کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھا ہے :-

" ۴ مئی کے واقعات جو گورنر جنرل ان کونسل کے توقعات سے بڑھکر نکلے۔ انگریزی فوج کی ناموری کو ہندوستان میں عزت اور شان و شوکت کے درجہ تک پہنچا دیے ہیں۔ یہ واقعات کرۂ دنیا کے اس حصہ کی فوجی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں اس سے بڑھکر اہم کوئی واقعات ہوئے ہوں۔ یہ فتح ان فوائد کا پیش خیمہ ہے۔ جن کی رو سے انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور امن ہندوستان میں ایک مضبوط چٹان پر قایم ہو جائیں گے "

سلطانؒ پر
انگریزی مورخین کے اعتراضات

سلطان کی انتظامی قابلیت اور اس کے ذاتی صفات و عادات لکھنے کے بعد یہ مورخانہ صداقت سے بعید ہے کہ ہم ان الزامات کو نظر انداز کر دیں جو مغربی مورخین اور انکی تقلید میں ہندو مورخین نے بھی اس پر لگائے ہیں۔ یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ مغربی مورخین کا الزام دھرنا ایک خاص مقصد کے ماتحت ہے۔ لیکن ہندو مورخین کا اندھا دھند انکی تقلید کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ہندوستانی مورخ تحقیق و تفتیش کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اور ہر ہندوستانی بادشاہ کی چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان تعریف کریں۔ اگر سلطان میں کچھ عیوب تھے تو ہم ان کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آخر وہ انسان ہی تھا۔ اور اس سے غلطیوں کا سرزد ہونا بھی ممکن تھا۔

مغربی مورخوں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ یہی ہے کہ ہندو مسلمانوں میں افتراق کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی جائے۔ اس مقصد میں وہ بہت کچھ کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ بچوں کا دماغ تحقیق و تفتیش کے قابل نہیں ہوتا۔ جو بات کتاب میں ہوتی ہے یا جو کچھ مدرس کہتا ہے وہی انکے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اب رہی ہمارے مدرسین کی حالت تو وہ بھی وہی کتابیں پڑھی ہیں جو آج وہ بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ان کا دماغ بھی انہیں تحریروں سے ماؤف ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ

انہیں صرف اپنی روٹی سے سروکار ہے۔ اور اس میں وہ مجبور بھی ہیں۔ اگر منظور شدہ کتابوں کے عوض کچھ اپنی جانب سے پڑھایا جائے تو یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بچے سرکاری امتحانات میں ناکامیاب رہیں گے۔

مغربی مورخوں نے "تاریخ لکھتے" وقت صرف اسی ایک چیز کو مدنظر نہیں رکھا کہ ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی پھیلا دیں بلکہ ان کا مقصد اس سے اور زیادہ گہرا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دل سے حب الوطنی اور قوم پرستی کا مادہ بالکل دور کر دیا جائے اسی لئے جو بادشاہ بھی قوم پرست یا محبِ وطن ہوا ہے۔ وہی سب سے زیادہ انکی طعن و تشنیع کا نشانہ بنا۔ اسکی بین مثال بنگال کے نواب سراج الدولہ اور میسور کے حکمران ٹیپو سلطان سے ملتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالکر ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے محفوظ کیا جائے۔ اگر ان بادشاہوں کے اوصاف لکھے جاتے تو ضرور تھا کہ انکی حب الوطنی کا تذکرہ ہو۔ جسکی وجہ سے ہندوستانیوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہوتا۔ اس جذبہ کو مٹانے کیلئے کتابیں ایسی لکھی گئیں کہ ان میں کہیں بھی حب الوطنی یا قوم پرستی کا نام تک نہیں لیا گیا ہے۔

ٹیپو سلطان پر جو الزامات دیئے گئے ہیں۔ ان کا جواب اگلے صفحات میں خود بخود ملجاتا ہے لیکن اس الزام سے بچنے کیلئے کہ مصنف نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ یہاں ان تمام الزامات کو سلسلہ وار لکھا جاتا ہے۔ جو ولکس، رئیس، بورنگ، مارسڈن کی تاریخوں کے علاوہ میسور گزیٹر وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں:۔

(۱) سلطان غاصبِ سلطنت تھا۔

اسکے متعلق مفصل بحث حالات نواب حیدر علی میں کی گئی ہے۔ سلطان نے جو سلطنت پائی۔ وہ اپنے باپ

حیدر علی سے وراثت میں پائی تھی۔ انگریزی کمیشن نے بھی جو سلطنت کے تجزیہ کیلئے بیٹھی تھی۔ اسی نظریہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سختی سے انتقام لیتا تھا۔

(۳) قیدیوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پر ہندوستان میں کبھی ایسی افتاد نہیں پڑی۔ جیسی تیلی۔ تنزو اور بریتھ وائٹ کی شکستیں تھیں۔ ان شکستوں کی اہمیت کو کم دکھانے کیلئے سلطان پر یہ الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان جنگوں میں صدہا انگریز قید کر لئے گئے۔ قید خانوں میں ان سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اسکے عوض انہیں گذراوقات کیلئے روزانہ رقم دی جاتی تھی۔ آج کل کی مہذب سلطنتیں بھی تو یہی کرتی ہیں۔ جیلوں میں قیدیوں سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان پر ہی یہ الزامات کیوں دھرے جائیں؟

(۴) عہدناموں کا پابند نہیں تھا۔

میسور کی تیسری اور چوتھی جنگوں کے اسباب بتلا رہے ہیں کہ عہد شکنی کس نے کی تھی۔

(۵) فرانسیسیوں سے خط و کتابت کرتا تھا۔

سلطان تو کوئی باجگذار والیٔ ریاست نہیں تھا۔ وہ ایک خود مختار فرمانروا تھا۔ وہ جس سے چاہے خط و کتابت کر سکتا تھا۔ کسی عہدنامہ سے اس کو پابند نہیں کیا گیا تھا۔ کہ فرانسیسیوں سے خط و کتابت نہ کرے۔

(۶) شہر میسور کو مٹا دینے کا حکم دیا۔

میسور کا قلعہ اور شہر میسور آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے اس زمانے میں تھا۔ بلکہ اس کو مٹانے کے عوض اس نے اسکو اور زیادہ آباد کیا۔ میسور کا نیا محلہ نظر آباد اسی کا آباد کیا ہوا آج بھی موجود ہے۔

(۷) متعصب تھا اور کورگ پر چڑھائی اسی تعصب کا نتیجہ تھی۔

ملکوں پر چڑھائی بادشاہوں کی اولوالعزمی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تعصب کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ ملیبار اور کورگ نواب حیدرعلی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے۔ لیکن کورگ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی۔ سلطان نے جب ساتویں بار بغاوت ہوئی تو یہاں کے بہت سے خاندانوں کو جلا وطن کر کے میسور میں آباد کیا۔ اور انکے عوض دس ہزار مسلمان خاندان کورگ میں آباد کئے گئے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی سے یہاں کے باشندے بغاوت کی جرأت نہ کرسکیں گے۔ انگریزی مورخوں نے تعصب کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس نے عیسائی مشنریوں کو یہاں تبلیغ سے منع کیا اور باشندوں کو لکھا کہ کوئی شخص اپنا قدیم آبائی مذہب ترک نہ کرے۔ اور اگر ترک مذہب کا شوق ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس نے پادریوں کو تبلیغ سے کیوں منع کیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ مذہب کے پردے میں عیسائی مشنری بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ عیسائی پادری ہر جگہ یہی کرتے آئے ہیں۔ جس ملک پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ اس جگہ پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں۔ تبلیغ تعلیم اور شفاخانوں کے پردے میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اس سے آج دنیا ناواقف نہیں ہے؟

(۸) خود کو مابدولت اور حضور پُر نور کہلواتا تھا۔ حالانکہ یہ حق صرف مغلیہ شہنشاہ کو حاصل تھا

(۹) اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور تخت پر بیٹھا۔

اگر برائے نام مغلیہ شہنشاہ کو جو پنشن پر گذارہ کر رہا تھا۔ مابدولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق حاصل تھا تو سلطان جو اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست آزاد اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کو مابدولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق

کیوں حاصل نہیں تھا؟ بہ حیثیت ایک مطلق العنان فرمانروا ہونے کے اس کو حق حاصل تھا کہ اپنے نام کا خطبہ پڑھائے۔ اور سکہ جاری کرے۔

(۱۰) اپنی سلطنت کو تکبر سے "خداداد" کہتا تھا۔

سلطنت کا نام "خداداد" رکھنا ہی تبلا رہا ہے کہ یہ علامت تکبر کی نہیں۔ بلکہ انکساری کی ہے۔ ایک خدا پرست انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ بھی ملتا ہے۔ وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے سلطان نے اپنی سلطنت کو خداداد کا نام دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مادہ پرست اس کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھیں۔ اسی قسم کا ایک الزام مورخ جیمس مل نے بھی دیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کی طبیعت میں مذہب کا پہلو خاص طور سے نمایاں تھا۔ اسکے دل پر مذہب کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت ہر روز خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا اور اپنی سلطنت کو خداداد کہتا تھا۔ خدا پر اس کو اس قدر بھروسہ تھا کہ اس کا اثر اس کے ہر کام پر پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اسباب اسکی تباہی کا باعث ہوئے۔ ان میں سے ایک اس کا خدا کی امداد پر حد سے زیادہ یقین تھا۔ وہ خدا کی حمایت پر اس قدر بھروسہ رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظر انداز کر جاتا تھا۔" (تاریخ ہند از جیمس مل)

مادہ پرست یوروپین مورخ اس کے سوا اور کیا لکھ سکتے ہیں؟۔

(۱۱) حد درجہ مغرور تھا اور متکبر بھی۔ اس نے بعد صلحنامہ سرنگاپٹم کے مبالغہ آمیز مدحیہ اشعار کے اعلان کی عام اجازت دیدی تھی۔ ان اشعار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو کیسا غرور ہو گیا تھا۔ ایک قصیدہ کا تھوڑا مضمون ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

"جب بادشاہ رستم دل نے اپنے سمند غیظ کو گرم کیا تو انگریزی شیروں کے دل

خوف سے لرزنے لگے ۔

اسکی تلوار کی جھلک نے تیپی کی فوج پر برق خاطف کا کام کیا۔ اور تمنرو کی آنکھوں سے مثل ابر نو بہار کے تار اشک بن گیا۔ ینگ کا دل لالہ کی طرح داغدار ہوگیا۔ اور اس مصیبت پر کوٹ پھوٹ پھوٹ کر رو یا

جب مرہٹے ہمارے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں تو غزالان دشت کی مانند راہِ فرار لیتے ہیں۔

فرنگی اور نظام الملک ہمارے بادشاہ کے خوف سے شب و روز یک جا بسر کرتے ہیں۔

حجام کی فوج (نظام کو طنز سے حجام کہا گیا ہے) اسکے خوف سے اس طرح فرار ہوی ہے۔ جس طرح شیر نیستاں کو دیکھکر شکاری بھاگتا ہے۔

اسکے مقابلہ میں حاتم لئیم تھا۔ اور افلاطون و سقراط طفل مکتب تھے۔ ہمارے سلطان کی ہیبت سے جلادِ فلک شیر خوار بچہ ہوگیا ہے۔

اس سلطان کے انصاف کی بدولت غزالان دشت شیر و پلنگ کے پہلو کو اپنا تکیہ بناتے ہیں۔ اور یوز و اسدان کے قالین ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"

یہ حقیقت سے بالکل بعید ہے کہ صلحنامہ سرنگاپٹم کے بعد سلطان مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ سرنگاپٹم کا صلحنامہ ۱۷۹۲ء میں ہوا تھا۔ اس صلحنامہ سے سلطان کا نصف ملک ۳ کروڑ روپیہ اور سلطان کے دو فرزند بطور یرغمال انگریزوں کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ تعجب ہے کہ شکست کھانے کے بعد انسان مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ اگر یہ لکھا جاتا کہ سلطان کو جب فتوحات حاصل ہوی تھیں تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے

تو کچھ بات بھی تھی بسنہ کو جانے دیجئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے تھے یا نہیں؟ یہ بعید از قیاس نہیں۔ ممکن ہے پڑھے گئے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ مصنف واقف ہے کہ اس سے زیادہ توہین آمیز اشعار اس زمانے میں سرنگاپٹم اور حیدرآباد دونوں جگہ بھی پڑھے جاتے تھے۔ ان کا سلسلہ نواب حیدرعلی کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب حیدرآباد اور سرنگاپٹم کے شاعر اپنے اپنے ممدوحین کو خوش کرنے کیلئے قصیدے لکھکر حیدرعلی یا نظام کی ہجو اڑاتے تھے۔ (رسالہ کوثر بنگلور میں اس قسم کا ایک قصیدہ شائع ہوا تھا) اس کا الزام تو ان شاعروں کو دینا چاہیے جو اس قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

ممکن ہے کہ مشرقی شاعروں کے اس تخیل سے مغربی مورخوں کو اتفاق نہ ہو لیکن سلطان کو الزام دینا سراسر نا انصافی ہے۔ ہمارے شاعروں کا کیا کہنا۔ وہ ایک معمولی شال کیلئے (جسکی قیمت دو تین روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی) اپنے ممدوحین کو حاتم دوران اور افلاطون وقت بنا دیتے ہیں۔ اور آج حالت یہاں تک پہونچی ہوی ہے کہ صرف اپنا نام اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے دیکھکر بیرسٹروں اور مجسٹریٹوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے ہیں۔ اور اس سے بڑھکر تعجب ہے کہ آج معمولی افسر تک جن کی تنخواہ دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جھوم جھوم کر قصیدہ خوانوں کی زبانی ایسے الفاظ سنتے ہیں۔ جس کے مقابلہ میں نوشیرواں کا عدل۔ حاتم کی سخاوت، اور دارا و اسکندر کی شوکت بھی گرد ہو کر رہجاتی ہے۔

(۱۲) اس نے میسور کے راجہ کے محل کو کئی دفعہ لوٹ لیا۔ اور وہاں کچھ نہ چھوڑا۔ (میسور گزیٹیر صفحہ ۲۶۸۵)

کس قدر سنگین الزام دیا گیا ہے اور کس قدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ لوٹ ہوتی تو ایک

وقت ہوتی۔ پھر اسکے بعد کیا رہجاتا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان نے محل لوٹ لیا تھا تو پھر دوبارہ لوٹنے کیلئے محل میں مال یا روپیہ کہاں سے آیا؟ اگر یہی مصنف اپنی کتاب دیکھے تو اگلے صفحات میں اس نے لکھ چکا ہے کہ میسور کی رانیاں انگریزوں سے امداد طلب کرتی تھیں۔ اور انہیں کئی دفعہ لکھ چکی تھیں اگر انگریزی فوج پیش قدمی کرے تو روپیہ دیا جائیگا اگر سلطان متعدد دفعہ محل لوٹ لیتا تو پھر یہ روپیہ ان کے پاس کہاں سے آیا۔ جس کا وہ کئی دفعہ انگریزوں سے وعدہ کرتی ہیں۔

ان الزامات کی جو حقیقت ہے اوپر ظاہر کی جا چکی ہے۔ یہ مورخ خود بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں کہاں تک سچائی ہے؟ لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ ان کے متعلق خود ایک انگریزی مورخ سر جان کے جو انڈیا کونسل کے شعبۂ خفیہ کا سکریٹری رہا ہے تسلیم کرتا ہے:۔

"ہم لوگوں کا یہ عام طریقہ ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمران کی سلطنت پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر اس معزول بادشاہ یا اسکے جانشین کو بدنام کرتے ہیں"۔

یہی ٹیپو سلطان سے بھی ہوا۔ اور اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

جو سیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"اس زمانہ میں جب سیاست اور سوشیل زندگی ہندوستان میں ہر لمحہ پہلو بدل رہی تھی۔ ایک حکمران کیلئے یہ کس قدر مشکل کام تھا۔ کہ اندرونی و بیرونی سازشوں اور حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرے۔ ٹیپو اپنی زندگی کا بہترین زمانہ بطور فرمانروا بسر کیا اور میدان جنگ میں سپاہی کی موت حاصل کیا۔ وہ صرف ایک دنیا دار نہیں تھا۔ اپنے مذہب سے اس کو حد درجہ محبت تھی ظلم ہے کہ مذہبی محبت کو بھی جرم قرار دیا جائے۔

اگر اس محبت کو جرم ہی گنا جائے تو انگلستان کی تاریخ کب ان جرائم سے پاک ہے؟

کہا جاتا ہے کہ اس نے (ٹیپو نے) اپنے بڑے افسروں کو تک بے رحمانہ سزائیں دیں۔ اسکو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ محمد علی کمیدان کی موت کا باعث ہوا۔ کیا آج کی مہذب حکومتیں باغیوں اور خائنوں کو سزائیں نہیں دیتیں؟ ٹیپو نے اگر اپنے افسروں کو سزا دی تو اسلئے دی کہ وہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے تھے اور ان پر جو اعتماد کیا گیا تھا۔ وہ اس میں جھوٹے ثابت ہوئے۔ محمد علی کی موت کا باعث سلطان نہیں ہے۔ بے شک سلطان نے اس کو قید کر دیا تھا۔ محمد علی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک باغی کی حمایت کی تھی۔ سلطان نے تو صرف قید کی سزا دی۔ اگر قید کی سزا دینا بھی ایک جرم ہے تو ہنری ہشتم کے متعلق کیا کہا جائے گا جس نے انگلستان کے قرون وسطی کے مدبر، سیاست دان اور ادیب سر تھامس مور کو صرف اس لئے سزائے موت دی کہ وہ ایک ستم رسیدہ ملکہ کی حمایت کر رہا تھا۔

ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ جنگوں کا شایق تھا۔ گہری نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکی جنگیں اس لئے نہیں تھیں کہ وہ اسکندر اعظم کی طرح فاتح بننا چاہتا تھا۔ یا جولیس سیزر کی طرح طاقت کا دلدادہ تھا۔ اس کو نپولین کی طرح جنگوں کا یا قیصر ولیم کی طرح خونریزی کا شوق نہیں تھا۔ اسکی جنگیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ اس ملک کو جو اس کے باپ سے اس کو وراثت میں ملا تھا اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

ٹیپو کو یہ الزام بھی دیا جاتا ہے کہ اس نے تعصب سے کوچین اور ملیبار پر چڑھائی کر کے بہت سے لوگوں کو بہ جبر اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ الزام دینے سے پیشتر ہمیں خود اپنے دل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر طاقت و حکومت حاصل ہو جائے تو

کیا ہم اسی بے تعصبی اور رواداری کا سلوک کریں گے. جس کے آج ہم دعویدار ہیں. اگر ٹیپو پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے سچ ہے تو یوروپ وانگلستان کی تاریخ کب اس سے پاک ہے. انگلستان کے تخت پر نصف درجن سے زیادہ ایسے حکمران گذرے ہیں. جو اسی جرم کے مرتکب ہیں. ہنری ہشتم. ایڈورڈ، میری، الزبیتھ ایڈورڈ ششم. کرامول نے کیا ہی نہیں کیا. کون نہیں جانتا کہ اسپین میں فرڈی ننڈ اور اسابیلا نے مورون کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

تعجب ہے کہ ایک انسان کے مرجانے کے بعد بھی اس کی صرف برائیاں ہی برائیاں دکھائی جائیں. اور اس کے کیرکٹر کے روشن وتابناک پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کردیا جائے.

لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ شاید میں نے ولکس کی کتاب نہیں دیکھی ہے؟ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ اب بھی وہ میرے پاس موجود ہے. اسکے علاوہ میرے پاس ولکس کی وہ انتظامی رپورٹ بھی موجود ہے. جو اس نے ۱۷۹۹ء میں تیار کی تھی. لیکن اس دریافت سے مقصد کیا ہے. میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ میجر بٹسن، کرنل میڈوز ٹیلرا اور صدہا کرنلوں اور میجروں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں. جو اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے اور اپنی روٹی کیلئے مکھن پیدا کرنے کیلئے کتابیں لکھی ہیں. کیا میں ان سب کو تسلیم کرلوں؟ خیر مجھے جانے دیجئے. آپ ان یوروپین مورخوں کو کیا کہیں گے. جو ان بیانات کے متعلق یہ ثابت کئے ہیں کہ یہ بالکل مہمل ہیں. ان سے قطع نظر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان ملٹری افسروں کو تاریخ لکھنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا.

اب رہا یہ سوال کہ حیدر علی اور ٹیپو میں کس کی شخصیت عظیم المرتبت ہے۔ میں اس سوال کا جواب سے آئندہ مضمون میں دونگا۔ لیکن اس عرصہ میں میں یہ کہونگا کہ خالص تشدد آمیز نکتہ چینیوں سے کوئی ذہنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ گیلی لیئو نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین گردش کر رہی ہے تو پاپائے روم نے اس پر نکتہ چینی کی تھی۔ تمام نکتہ چینوں کی سن کر گیلی لیو نے آخر میں یہی کہا کہ باوجود ان نکتہ چینیوں کے زمین گردش ہی کر رہی ہے۔ اسی طرح ٹیپو کے عمدہ صفات باوجود انگریزی مورخوں کی نکتہ چینی کے عمدہ ہی رہیں گے۔ ہاں ملک میں ان لوگوں کی کمی نہیں ہے جو مدرسوں کیلئے نصاب کی کتابیں لکھکر ٹیپو کو بدنام کریں۔ یا ایسے لوگ جو سرنگاپٹم کے متعلق ٹورسٹ گائڈس لکھکر زائرین کے ہاتھوں تک پہونچا دیں۔"

(ٹیپو سلطان از جی۔ آر جو سیر۔ یم۔ اے۔ یف۔ آر۔ ی یس ممبر رائل سوسائٹی آف لٹریچر گریٹ برٹن)

ڈاکٹر جان۔ آر۔ ہنڈرسن سی۔ آئی۔ ای نے سلطان کے سکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے عادات وخصائل کے متعلق ایک صحیح رائے قایم کرنا حد درجہ مشکل ہو گیا ہے۔ ہمعصر مورخین نے خواہ انگریز ہوں یا مسلمان سبھوں نے یکطرفہ لکھا ہے۔ ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ جنگوں میں وہ بہت زیادہ سختی سے انتقام لیتا تھا۔ بے رحم تھا۔ اور مذہب کے نام پر ظلم کرتا تھا۔ لیکن اس مہذب زمانے میں جنگوں میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ ان کے آگے ٹیپو کے مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ مسلمان مورخوں نے ٹیپو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سچائی کے بالکل قریب ہے۔ برخلاف انگریزی مورخوں کے جنھوں نے صرف ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھکر

اپنی کتابیں لکھی ہیں۔

"ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اسکی نظیر نہیں دیکھ سکیگا۔ اسکے ارادے بہت بلند، اسکی قابلیت حیرت انگیز۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ وہ ایک بہادر انسان تھا۔ اور جوانمردی کی موت حاصل کیا۔ وہ اپنے ملازموں پر مہربان اور ان لوگوں کا ثابت قدم دوست تھا۔ جن سے وہ محبت کرتا تھا۔"

انگریزی مورخین نے جو بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں۔ اوپر لکھدیئے گئے ہیں۔ اور پروفیسر جوسیر اور کرنل ہنڈرسن کی رائے بھی لکھی جا چکی ہے۔ اب یہاں تاریخ حملات حیدری سے سلطان کے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے:۔

"(سلطان کے) ان صفتوں اور ہنروں کو اسی ایک عیب نے چھپا دیا کہ جس شخص کو اسکے عہدے سے برطرف کر دیتا۔ پھر اس کو اسی منصب پر بحال کرتا۔ اور اسی عمل نے اسکی سلطنت میں خلل ڈالا۔"

یہ اعتراض ایک حد تک قابل تسلیم ہے۔ میر صادق۔ میر غلام علی اور بدرالزماں خاں نائطہ کو بے شک سلطان نے عہدوں سے برطرف کرکے پھر انہیں بحال کیا تھا۔ بلکہ میسور کے ہندوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ نواب حیدر علی نے اپنے ایک خفیہ آخری خط میں سلطان کو لکھا تھا کہ "میرے بعد پورنیا، میر صادق اور میر غلام علی کو قتل کر دیا جائے۔ اسلئے کہ انکی نیتیں اچھی نہیں ہیں۔" لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ سلطان صحیح معنوں میں ایک سچا مسلمان تھا۔ اور بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے اس نے ہر وقت عفو و حلم سے کام لیا۔ اور ان پر اعتماد کیا۔ مگر نمک حراموں نے اسکے اس حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی

ہندی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

تاریخ سلطنتِ خداداد میں انگریز مورخین کے الزامات لکھنے کے بعد کوئی ایسا اہم واقعہ باقی نہیں رہا۔ جو سپردِ قلم کیا جا سکے۔ اس لئے ہم اس تاریخ کو ختم کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلطنت کی تباہی کو اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔

سلطنت خداداد کی تباہی پر آج ہندوستان لاکھ بھی ماتم کرے۔ مگر تاریخ ہند میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی قسمت میں شاید روزِ ازل ہی سے یہ لکھدیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیروں کا محکوم بنکر رہے۔ خدا جانے کہ اس سرزمین کا نام کس نے پہلے پہل "ہندوستان" (ہندو استھان) رکھا۔ جس کے معنے غلام استان یا غلام آباد کے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے قدیم زبان سنسکرت میں ہندو کے معنے غلام کے ہیں۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اسقدر تاریک ہے کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کہ یہاں کونسی قوم آباد تھی۔ اور اسکی طرز معاشرت کیا تھی۔ تاریخ اگر پتہ دیتی ہے تو یہی کہ سب سے پہلے وسطِ ایشیا سے آرین قوم اس سرزمین پر آئی۔ اور یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنا لیا۔ اس لحاظ سے اس قوم کو جو یہاں رہتی تھی۔ ہندو کا نام دیا۔ اور ملک کا نام ہندوستان ہوگیا۔ جو باشندے اس غلامی سے بچ نکلے وہ جنوبی ہند میں آکر آباد ہوئے۔ وہ جفاکش قوم جس کا نام آرین تھا۔ چند صدیوں کی بود و باش کے بعد اس میں بھی وہی اثر سرایت کر گیا۔ جو پہلے یہاں کے باشندوں میں تھا۔ یہ قوم عیش و تنعم میں گرفتار ہوکر

اپنے خصائص کو کھو بیٹھی۔ اس زمانہ میں جب یہ قوم اپنے پورے عروج پر تھی۔ تو ہندوستان کا تمدن اور ہندوستان کی تہذیب زمانہ میں فخر روزگار رہی۔ جب امتداد زمانہ سے اس پر زوال آیا۔ تو نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ایشیا سے سیتھین قوم (جس کا نشان سانپ تھا) ان پر مسلط ہوگئی۔ یہ قوم قریباً ۶۰۰ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں آئی۔ ابھی ان پر ایک صدی بھی نہ گذری تھی کہ دارائے ایران ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور اسکے دو سو سال بعد اسکندر ذوالقرنین کی فوجیں ہندوستان پر نازل ہوئیں۔ اگر دارا اور اسکندر کی تاریخیں دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ہی کے باشندوں نے ان کو دعوت حکمرانی دی۔ وہ آئے اور لوٹ کر چلے گئے۔ اسکے بعد تاریخ میں ہندوستان کا وہ زمانہ آتا ہے۔ جس میں مذہب کے نام پر تمام ہندوستان میں ایک آگ سلگی ہوی تھی۔ گوتم بدھ کے پیرو اور قدیم مذہب وید کے پرستار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ برہمن اپنی سیادت اور ذاتی برتری کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ نہ سکتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مذہب ہندوستان سے قریب قریب مٹ گیا۔

مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر

یہ وہ زمانہ تھا کہ آفتاب اسلام افق عرب سے طلوع ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۲۰ھ میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ فتح عجم کے بعد عرب فاتحین سندھ پر آئے۔ سپہ سالار عساکر اسلام کے شہید ہو جانے سے عرب پلٹ گئے۔ اسکے بعد بیس سال تک پھر ادہر توجہ نہ ہوی۔ کیونکہ عساکر اسلام کی تمام تر توجہ بلاد مغرب کی طرف لگی ہوی تھی ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح نہروان کے بعد ایک فوج ہند کی طرف روانہ کی۔ یہ فوج بھی سندھ کی طرف آکر اتری۔ لشکر اسلام کے زیر تصرف سندھ کا ایک

حصہ آگیا۔

عربوں کے مرکز میں خود خانہ جنگی پھیل گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہو گئے جب یہ خبر ہندوستان میں پہونچی تو ہندوؤں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور عرب ملک سے نکال دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے۔ گو عرب فاتحین برابر مغرب کی طرف بڑھتے رہے۔ مگر مشرق میں ہند پر توجہ نہیں کی گئی۔ حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے۔ بنی امیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر عربوں میں خانہ جنگی ایک عرصہ تک رہی۔ گو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوی۔ جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے زمانہ میں تھی۔ بنی امیہ اب مستقل حکمران تھے۔ سنہ ۱۲۱ھ میں محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے حکم سے سندھ پر حملہ آور ہوئے۔ تاریخ میں اس حملے کو اس لحاظ سے ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ مانا جاتا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے۔ کیونکہ تمام ملک گجرات فتح ہو چکا تھا۔ خلیفہ کی موت کے بعد جب دوسرا خلیفہ تخت نشین ہوا۔ تو اس نے کسی رنجش کی بنا پر حجاج کو معزول کر دیا۔ اور اسی سلسلہ میں محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اس طرح ہند فتح ہوتے ہوتے رہگیا۔

بنی امیہ کا زمانہ تاریخ اسلام میں فتوحات کے لحاظ سے وہ تابناک زمانہ ہے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ مگر عربی قوم میں جو قبائلی جنگ کا بیج ابتدا ہی سے بویا گیا ہے جس کو زمانۂ خیر القرون میں چالیس سال کی مہلت ملی تھی۔ پھر سرسبز ہونا شروع ہوا۔ بنی عباس بنی امیہ کے مقابل آ گئے۔ عراق و عجم نے بنی عباس کا ساتھ دیا۔ اور تخت خلافت پر

آل عباس متمکن ہوئے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مامون نے پھر ہند پر چڑھائی کی۔ لیکن کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

مسلمانوں کا استقلال ہند میں

مامون کے حملے کے ایک صدی بعد سبکتگین ہند پر حملہ آور ہو کر پنجاب پر قابض ہو گیا جس کے بعد ہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے پے در پے حملے کئے۔ ان حملوں کے بعد پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا۔ اسکندر و دارا کو ملک پر قابض ہونے کیلئے بلانے والے بھی یہی ہند کے باشندے تھے سبکتگین اور محمود غزنوی کو دعوت دینے والے بھی یہی۔ اسکی وجہ انکی آپس کی نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و نفاق تھا۔

قطب الدین کے خاندان کے بعد خلجی خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور اس میں علاؤالدین وہ مشہور شہنشاہ گذرا ہے۔ جس کے زمانہ میں تمام ہندوستان ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک مسلمانوں کے زیر نگین آ گیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ملک کافور اس کا سپہ سالار دہلی سے نکلکر جنوبی ہند میں آیا۔ انہی معرکوں میں فتح گجرات کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس میں شادیوں کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلہ میں جو پہلی شادی ہوئی۔ وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی دیول دیوی سے علاؤالدین کے فرزند شاہزادہ خضر خاں کی تھی۔ ملک کافور گجرات سے بڑھتا ہوا ہندوؤں کی آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاتا ہوا مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ جنوبی ہند کا وہ مشہور پایہ تخت دورسے سمدرم (جس کا ذکر ریاست میسور میں کیا گیا ہے) کو فتح کرتا ہوا جنوب میں رامیسورم تک پہنچ گیا۔ ملک کافور کی واپسی کے بعد شہنشاہ محمد تغلق کی فوجوں نے پھر ایک بار جزیرہ نمائے ہند کو راس کماری تک طے کیا۔ اس وقت ہندو دورسے سمدرم کو پھر از سر نو بنا رہے تھے۔ اور ایک عالیشان مندر تعمیر ہو رہا تھا۔ اسلامی فوجوں نے پھر ایکبار

اس پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ مندر جو تعمیر ہو رہا تھا۔ اسی طرح رک گیا (موجودہ بے بید جو ریاستِ میسور میں ہے وہ دورے سمدرم کا جائے وقوع ہے اور اب بھی یہاں وہ عالیشان مندر نامکمل کھڑا ہے۔ لیکن اب ریاستِ میسور اسکی تعمیر کر رہی ہے)

مسلمان جب ہند میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر چکے تھے۔ تو ان میں بھی سرزمینِ ہند کی وہی سرشت پیدا ہو گئی۔ جس نے ہند کو ممتاز کر رکھا ہے۔ آپس کی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں کئی خاندان تخت نشین ہوئے۔ اور جب رقابت اور بھی ترقی کر گئی تو انہوں نے ہندوؤں کی تقلید میں پہلے تیمور لنگ صاحبقران کو بلایا اور بعد میں بابر بانی سلطنتِ مغلیہ کو۔ ملک گیری کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن بھی ہند میں محیط ہو رہا تھا۔ اور یہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ ملک میں اسلامی تمدن پھیل جائیگا۔ لیکن ہیمون کی سرداری میں ہندو تمدن نے اسلامی تمدن پر ضرب لگانی چاہی۔ مگر بیرم خان نے ہیمون کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر تخت نشین ہوا تو اس نے کوشش کی کہ دونوں تمدنوں کو ملا دیا جائے۔ اور اسکے زمانہ میں اسکی بنیاد بھی پڑی۔ مگر دونوں تمدن متضاد کے متضاد ہی رہے۔

جنوب میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور وجیانگر کی ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی۔ مگر مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی آگ پھیل گئی۔ یہ آگ وجیانگر کی لگائی ہوئی تھی شمال میں جب ہندو تمدن کو ناکامیابی ہوئی تو جنوب میں اس نے کوشش کی کہ اسلامی تمدن کا تختہ الٹ دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو کر اس سے پانچ اور سلطنتیں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام تاریخ میں بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈا، بیدر اور ورنگل ہیں لیکن یہ پانچ سلطنتیں ہی آخر میں وجیانگر کیلئے پیغام فنا ثابت ہوئیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی آخری آزاد سلطنت یہی حکومت وجیانگر تھی بسنہ ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی جنگ

میں ہندؤوں کی کامل شکست اور وجیانگر کی بربادی سے ہندوؤں کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب ہندوستان میں صرف مسلمان آزاد رہ گئے۔ اور ایک عرصہ تک بلا شرکت غیرے حکمران رہے اور ہندوستان ان کا وطن بن گیا۔

ہند کی بود و باش اور دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیش اور ناز و نعم کا بندہ بنادیا مسلمانوں نے پہلے پہل ہند میں دیکھا کہ کس طرح برہمن اپنی سیادت منوا رہے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کا دعویٰ کریں۔ جو برہمن اپنی پیدائش کے متعلق کر رہے ہیں اس کے عوض مسلمانوں کا ایک طبقہ نسب ناموں پر اتر آیا۔ کہ عام مسلمانوں پر اپنی سیادت قایم کرلے۔

ایک طرف اگر اکبر کی لگائی ہوئی الحاد کی آگ پھیل رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں پیر پرستی و نسب پرستی شروع ہوی۔ جس مسلمان بادشاہ نے ان معبودانِ باطل کو توڑنا چاہا تاریخ اس کو عالمگیر اورنگ زیب کے نام سے یاد کر رہی ہے۔ ؎

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید ۔ باز اندر فطرتِ دارا دمید

حق گزید از ہند عالمگیر را ۔ آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را (اقبال)

عالمگیر ایک حد تک فتنۂ الحاد کے مٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر نسب پرستی مسلمانوں کے خون میں سرایت کر چکی تھی۔ عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی پھر مسلمانوں نے رنگ بدلا۔ اب پھر وہی خانہ جنگی تھی۔ وہی ناز و نعم وہی عیش و آرام اور وہی حسد و نفاق۔

مسلمانوں کو اس طرح کمزور ہوتے دیکھکر ہندو بھی میدان میں آگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہند کے باشندوں نے نادر شاہ کو آنے کی دعوت دی۔ نادر شاہ کی آمد نے بجائے مفید ہونے کے مسلمانوں میں اور زیادہ افتراق پھیلا دیا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کی سرپرستی میں

ہندو تمدن اس شان سے میدان میں آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہند اسکے زیر نگیں آگیا۔ اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسلامی تمدن کوئی گھڑی کا مہمان ہے۔ مسلمانوں کو اگر عالمگیر کے ذریعہ پہلی مہلت دیگئی تو دوسری مہلت اب احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملی۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا۔ اور مرہٹوں کو ۱۷۶۱ء میں میدان پانی پت میں ایک ضرب کاری لگا کر پٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو پھر کمزور ہو گئے۔

فطرت الٰہی نے ہر قوم کو آزاد پیدا کیا اور آزاد رکھنا چاہتی ہے۔ مگر جب وہ اسکی اہل ثابت نہیں ہوتی تو یہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ مگر اس نعمت کے چھیننے سے پہلے مہلت پر مہلت دیتی ہے۔ اور جب ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تو قدرت بھی اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے حملوں کے وقت مہلت پر مہلت دیگئی۔ مگر وہ نہیں سنبھلے۔ مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اب مسلمانوں کی باری آئی اور قدرت نے ان کو مہلت دینی شروع کی۔ عالمگیر کے بعد ابدالی کے ذریعہ مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کیلئے وہ سلطنت وجود میں آئی۔ جس کا نام تاریخ میں "سلطنتِ خداداد" ہے۔ ہند کیلئے خدا نے یہ غیر مترقبہ نعمت دی اور کیا عجب کہ اس لحاظ سے اس کا نام بھی "خداداد" ہوا ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر اقوام تجارت کیلئے ساحل ہندوستان پر آئی ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی عجب نہیں کہ قدرت نے انہیں کے ذریعہ ہند کی آزمایش کرنی چاہی ہو۔ کہ وہ کہاں تک سنبھلتے ہیں۔ مگر ہندوستان کی آب و ہوا کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے۔ ہندوؤں میں پہلے ہی سے یہ اثر تھا۔ اور اب مسلمان بھی اس لغت میں شامل ہو گئے۔ اور ان دونوں نے ملکر انگریزوں کو دعوت دی کہ

"آؤ اور ہم پر حکومت کرو۔"

ایک ماہر سیاست کا قول ہے:۔

"اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو۔ اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا و میر صادق کو۔ روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو۔ پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہارے غلام بنے ہوئے رہتے ہیں"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا۔ میر جعفر، پورنیا اور میر صادق خوش قسمتی سے پیدا ہو گئے۔ یہ اقوام ہند کا باہمی نفاق ہی تھا کہ مرہٹوں نے بار بار سلطنتِ خداداد پر حملے کئے۔ یہ مسلمانوں کا باہمی افتراق ہی تھا جسنے نظام حیدرآباد کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ اگر اس ماحول میں میر جعفر، پورنیا و میر صادق پیدا ہوں تو تعجب ہی کیا ہے۔ اور انکے ہوتے ہوئے وہ سازشیں اور وہ جوڑ توڑ جو ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ہوں۔ ہندوستان کی فطرت کی عین مطابق تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

اندرون او دو طاغوت کہن　　　روح قومے کشتہ از بہر دو تن

سلطنت کا نام خداداد تھا۔ قدرت کی فیاضی نے اسکے بانیوں کو بھی خداداد صلاحیت دی کہ وہ آزاد ہندوستان کا نمونہ بنکر دنیا کو دکھادیں کہ ابھی اسلام اور ہندوستان میں وہ جوہر پوشیدہ ہے۔ جن پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔ باپ کے ہاتھ سے ایک آزاد سلطنت قایم ہوتی ہے۔ تو بیٹے کی شجاعت، بہادری، نگاہ دوررس اور اولوالعزمی تمام ہندوستان کو آزاد بنانا چاہتی ہے۔ اس لیئے وہ حق و صداقت، آزادی و شجاعت، کا بے مثل نمونہ بنکر آیا۔ کہ مسلمان اور ہندوستان اس سے سبق سیکھیں۔

جس طرح اسلام کے دور اولین میں حق و صداقت کا وہ مجسم پیکر حیدرؓ و فاطمہؓ کا جگر بند جو ملوکیت کی غلامی سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے دریائے فرات کے کنارے پیاسا آب و دانہ اپنی ہی

قوم کے ہاتھوں داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہو گیا۔ اسی طرح اسلام اور ہندوستان کو طوق محکومی سے بچانے کیلئے دریائے کاویری کے کنارے حیدرؒ و فاطمہؓ کا یہ نور نظر بھی شدت پیاس سے بیقرار جوہر مردانگی دکھاتا ہوا شہید ہو گیا۔ اور اس کی شہادت کا باعث بھی قوم ہی ہوئی۔ سے

من از جور بے گانگاں ہر گز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

قوم و ملک نے اس نعمتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا۔ نسب و ذات کا امتیاز، آپس کی نااتفاقی، ایک ہی قوم میں ایک دوسرے سے حسد و نفاق، ہندوستان کے ساتھ جو کچھ شروع سے کیا۔ وہی سلطنت خداداد کے ساتھ ہوا۔ قدرت کے اس عطیہ سے کفران نعمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی سلب کر لی گئی۔

یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے کہ حکومت و سلطنت کسی ایک قوم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہتی۔ بقا تو صرف ذات خدا کیلئے ہے۔ ذات الٰہی ہر قوم کا ظرف آزمانے کیلئے حکومت و سلطنت دیتی ہے۔ اسی کلیہ کے تحت مختلف اقوام آرین، ایرانی، یونانی، عرب، پٹھان اور مغل یکے بعد دیگرے داد حکومت دیتے رہے۔ اور ان سب کے بعد انگریزی قوم آج ہندوستان پر حکمران ہے۔

مالك الملك تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر۔ انك علی كل شئ قدیر ہ

(یعنی) مالک سلطنت کا تو سلطنت دیوے جسکو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے۔ اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے۔ تیرے ہاتھ سب خوبی۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

غدّاروں کا انجام

اکثر لوگوں کو جستجو ہے کہ ان نمک حراموں کا انجام کیسے ہوا۔ جو سلطان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک وملت کے ساتھ غداری کی تھی - اور ان کے خاندانوں کا کیا حال ہے۔ ان میں بہت سے غداران وطن کسی نہ کسی وجہ سے یا اتفاقاً اسی دن مارے گئے۔ جس دن سلطان کی شہادت ہوئی تھی۔

کتاب الاعراس میں جو مضمون اور فہرست ۴ مے کے دن کی دی گئی ہے۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

" بست وہشتم ماہ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ روز شنبہ در حرب نصاریٰ یورش قلعہ پٹن ٹیپو سلطان برحمتِ حق پیوست وقریب دوازدہ ہزار (۱۲۰۰۰) سپاہ خاص وعام دراں روز شہید وکشتہ شدند

تاریخ

ٹیپو بوجہِ دینِ محمد شہید شد

میر میراں محمد رضا	نواب حسین علی خاں شہید فرزند قطب الدین خاں
" " سید اشرف	غلام حسین داروغہ توشک خانہ
" محمد حسین	محمد یوسف داروغہ نعمت خانہ
" " میر محمد صادق	غلام حیدر خاں میرزائے دفتر مسجد
" آصف سید محمد خاں	میر میراں سیّد غفار شہید

میر خازن شیخ اسماعیل	میر نواب میر معین الدین
" آصف شبیر خاں	محمد ابراہیم عرض بیگی
" خازن سید بڈھن	مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد اعلےٰ

سپہدار و تیدار و تور دار سپاہی وغیرہ دوازدہ ۱۲ ہزار کس کشتہ شدند۔ از فرمان حق"۔

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے۔ ان میں ایک تو سید غفار کا نام ہے اور دوسرا نواب حسین علی خاں کا۔ سید غفار کی جاں نثاری کے متعلق پہلے لکھا جاچکا ہے۔ حسین علی خاں بن قطب الدین خاں ۴ مے کی صبح میں شہید ہوئے تھے۔ اس سے پہلی شب میں انکا نکاح ہوا تھا۔ یہ ایک شب کا دولہا صبح ہی صبح اس مورچہ پر جہاں یہ متعین تھا، پہونچا۔ قریبًا دس بجے اسکی لاش سلطان کے روبرو لائی گئی۔ حسین علی خاں کو مورچہ کی حفاظت کرتے وقت گولہ لگا تھا۔ سلطان لاش دیکھکر آبدیدہ ہوگیا۔ کتاب ہفت خوانِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ جب نوجوان دولہا کی لاش گھر پہ لائی گئی تو اس کی ایک شب کی دولہن کی آہ وزاری سے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹا رہا تھا۔ یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سوگوار دولہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کردی۔ ایک مدت العمر زندہ رہی اور ہر وقت اس کی زبان پر ۴ مے کے واقعات رہتے تھے۔

۴ مے کے ہنگامے کے بعد جو غدار زندہ رہے۔ ان میں خاص طور پر قابل الذکر پورنیا قمرالدین، راجہ خاں، میر غلام علی۔ بدرالزماں خاں نائطہ اور غلام علی خاں بخشی ہیں۔

ان میں سوائے پورنیا کے باقی غداروں کو کمپنی کی جانب سے پنشنیں دی گئیں۔ پورنیا کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ غداری کے صلہ میں اس کو میسور کی نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔

اور یلندور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ تھی، دیگئی۔ پورنیا کا انتقال سرنگا پٹم میں ۱۸۱۲ء میں ہوا۔ اسکی کوٹھی سرنگا پٹم میں اسکاٹ کے باغ سے جانب مشرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے ہے۔ اور اس پر اسکے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ اور آج کل پورنیا کے باغ سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات بھی لکھدیں۔ جو سلطنت خداداد کے خلاف شروع ہی سے تنجاور میں رہکر سازشیں کر رہے تھے۔ (اسکا بیان سلطنت خداداد کے اسباب کے بیان میں مفصل آچکا ہے) ان دو بھائیوں میں ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد لیا تھا کہ ریاست کی بحالی کے بعد اسکو دیوان بنا لیا جائیگا۔ لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بنا کر اسکی توقعات کا نہ صرف خاتمہ کر دیا۔ بلکہ اس کو ریاست میسور کے حدود کے اندر آنیسے بھی منع کر دیا۔ اور حکم دیا گیا کہ مدراس ہی میں مقیم رہے۔ کتاب پروھانس آف میسور کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:۔

"جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کی خبریں ان تک پہونچیں تو انہوں نے مدراس میں شکر گاڑیوں میں بھر کر تقسیم کی"

انکی خدمات کے صلہ میں میسور کی رانیوں نے اپنے حسب وعدہ چاہا کہ ترمل راؤ کو دیوان بنایا جائے۔ اسی امید پر ترمل راؤ مدراس سے نکلکر سرنگا پٹم پہونچا۔ لیکن جنرل ہارس نے اس کو اپنے کمپ میں ٹھہرالیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اب ان بھائیوں کے خدمات کی ضرورت نہیں تھی۔ لارڈ ولزلی جو ایک ماہر سیاست دان تھا۔ جان چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی کس قدر سازشی ہیں۔ اس نے جنرل ہارس کو لکھا کہ ترمل راؤ کو فوراً مدراس واپس بھیجدیا جائے۔ یہ حکم جب ترمل راؤ کو سنایا گیا تو وہ حیران ہوگیا۔ اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک بار تو اس کو رانیوں سے ملاقات کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن جنرل ہارس نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا۔ ترمل راؤ کو مدراس واپس بھیجدیا

گیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کے گزارہ کیلئے پنشن دیکر انہیں مدراس ہی میں مقیم رہنے کا حکم دیا گیا۔ نارائن راؤ کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا۔ اور ترمل راؤ ۱۸۱۵ء میں مر گیا۔

میر قمر الدین

اس غدار کو (جس کی غداری کا حال اگلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے) اسکی غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی۔ جس کی آرزو اس کو اور میر معین الدین کو تھی۔ میر معین الدین کے مر جانے سے اب صرف یہی ایک دعویدار تھا۔ اس نے یہ جاگیر انگریزوں سے سمجھوتہ کرکے پہلے ہی لکھوالی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کو جو کورگ کے راستے سے بڑھ رہی تھی۔ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ مورخ کرمانی لکھتا ہے:۔

"سلطان کی شہادت کے بعد اس نے گرم کنڈہ کی جاگیر کی خوشی میں شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے نکلا۔ اور وہاں مرض مہلک (جذام) میں مبتلا ہوکر بصد آہ و حسرت مر گیا"۔

(نوٹ:۔ گرم کنڈہ ضلع چتور میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعہ اس وقت بالکل شکستہ حالت میں ہے۔ پہاڑی سے نیچے جانب مغرب عین مقابل نواب میر رضا علی خاں کا مزار ایک بہت بڑے دو منزلہ گنبد میں ہے۔ طرز تعمیر بالکل سادہ ہے۔ مزار اوپر کے حصہ میں ہے۔ اور نیچے کے حصہ میں چند اور مزارات ہیں۔ اور اسی گنبد کا کچھ اور حصہ موجودہ وقت میں رہائش گاہ بنا لیا گیا ہے۔ گنبد کے پیچھے ایک چھوٹی مسجد ہے۔ جس کے دروازے نہیں ہیں۔ مسجد بالکل ویران پڑی ہے۔ گنبد پر توپ کے گولوں کے ایک دو نشان ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب قمرالدین آکر یہاں اقامت گزین ہوا تو کڈپہ کے افغان گرم کنڈہ پر حملہ کرکے قلعہ پر قابض ہو گئے۔ اور انہوں نے مقبرہ پر بھی گولہ باری کی۔ پہاڑی کے داہنی بازو میر قمرالدین کا محل تھا۔ جو رنگ محل کہلاتا تھا۔ یہ اب کھنڈر ہو گیا ہے۔ اور اسکے کچھ حصہ میں اب مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے۔ گاؤں مقبرہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔ اور

اس میں سوائے چند جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں۔ گرم کنڈہ کی جاگیر دو لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔)

مقامی طور پر بھی یہی روایت مشہور ہے کہ میر قمر الدین شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے رخصت ہوا۔ معلوم نہیں کہ یہ غدار اپنے دل میں اسوقت کیا سمجھا ہو لیکن انگریزوں کا اسکے متعلق جو خیال تھا وہ اس خط سے ظاہر ہے۔ جو لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا تھا۔

"میں آپ کی خدمت میں نظام الدولہ (میر نظام علیخاں) کا خط جو میر عالم کے نام ہے۔ روانہ کرتا ہوں۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اسکے وسیلہ سے نواب میر قمر الدین کی رضا جوئی میں اچھی طرح سرگرم ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اس کی عزت و آبرو وہاں کے لوگوں میں ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف ملا لینے میں بے حد مفید ہوگا۔ مگر آپ اس کو بہت ہی جلد اس پر آمادہ کرو کہ وہ گرم کنڈہ چلا جائے۔"

میر قمر الدین گرم کنڈہ پہونچا۔ کڑپہ کے پٹھان اسکی اس غداری کی وجہ سے سخت برافروختہ تھے۔ انہوں نے گرم کنڈہ پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ و محل پر قبضہ کر لیا۔ اور جو کچھ ملا۔ لوٹ لیکر چلے گئے اس کے بعد ہی میر قمر الدین مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔ اسی حالت زار میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ حسرت سے دیکھا جائیگا کہ حیدرآباد کے میر عالم کا بھی اسی مرض میں انتقال ہوتا ہے۔

سوانح میر عالم کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں:۔

"میر عالم دیوان ہونے سے پیشتر فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے۔ جس کا ذکر صاحب تحفۃ العالم نے بھی کیا ہے۔ یہ مرض کہنہ ہو کر جذام کی شکل پکڑا۔ جب یہ دیوان ہو چکے تو ان کے اس مرض میں اور ترقی ہو گئی۔ اقسام کے علاج کئے۔ حتی کہ ناگ سانپ تک ڈسوائے۔

اور مرض کے زہر سے ڈسنے والے سانپ مر مر گئے۔ لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ بہر حال میر عالم نے علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ لیکن دوا سے انکے مرض میں تخفیف نہیں ہوی۔ آخر وقت موعود آپہونچا"۔

پھر یہی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھا ہے:۔

"حیدر آباد میں اس مرض (جذام) کا نام عام طور پر "میر عالم کا آزار" مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اسکی وجہ تسمیہ یہی ہو کہ میر عالم اس مرض میں مبتلا تھے۔ اور انہیں کے نام سے یہ مرض منسوب ہو کر اس عرف سے مشہور ہو گیا"۔

کتاب الاعراس میں جن غداروں کے نام دئیے گئے ہیں۔ ان میں سوائے میر معین الدین اور میر صادق کی قبر کے دوسرے غداروں کی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ان غداروں کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عام مسلمان جو اس غداری سے بالکل برافروختہ ہو چکے تھے۔ ان غداروں کا خاتمہ کر دئے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد شہر میں جو قتل و غارتگری کا ہنگامہ رہا۔ اس ہنگامہ میں یہ قتل ہو گئے ہوں۔ اور عام مقتولین جنگ کی لاشوں کے ساتھ انہیں بھی اندرونی خندق کے سپرد کر دیا گیا ہو۔

میر معین الدین

اسکی غداری کے وجوہات اگلے صفحات میں لکھی جا چکی ہیں۔ یہہ میر قمر الدین کا رشتہ دار بھی تھا۔ ۴ رمے کے دن یہ شدید طور پر زخمی ہو کر فصیل قلعہ پر پڑا ہوا پایا گیا۔ اور جب انگریزی افسروں نے اس کو اٹھایا تو اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے تھے۔ ان افسروں نے پالکی منگوا کر اس کو اس کے مکان پر بھجوا دیا۔ اس کے بعد میجر ایلن لکھتا ہے:۔

"دوسرے دن یعنے ۵ مے ۱۷۹۹ء کی صبح میں پالکی میں سوار ہوکر میں قلعدار اور معین الدین کے بھائی کے ساتھ اس جگہ پہونچا۔ جہاں کل شام کو معین الدین کی لاش پڑی ہوی تھی۔ اس وقت لاش اس جگہ نہیں تھی۔ لیکن اس کی ایک جوتی قریب ہی پڑی تھی۔ جس کو اٹھاکر اسکے بھائی نے چھاتی سے لگاکر رونا شروع کیا۔ اسکے بعد ہم میر معین الدین کے مکان پر گئے۔ گھر سب میں لوٹ لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی نہایت سختی کا سلوک کیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ سید صاحب کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوی ہے۔ وہاں جب ہم پہونچے تو لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا جو معین الدین کا بیٹا تھا اور دوسرے چند رشتہ دار بھی بیٹھے ہوے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر بعد اٹھایا گیا۔ اور ایک خاص تیار کردہ قبر جو پہلے سے بنی ہوی تھی۔ اس میں دفن کردیا گیا۔"

(نوٹ:۔ یہ قبر سکاٹ کے باغ کے احاطہ میں ہے۔ قبر کی تعویذ کو سبز رنگ سے رنگا گیا ہے کہ معلوم ہو کہ یہ سید کی قبر ہے۔ اطراف ایک مختصر سی چار دیواری اور سائبان ہے۔ سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے۔ قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے۔ یہ قبر معین الدین کی ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ایسی جگہ واقع ہے۔ جہاں اسکی کوٹھی تھی۔ میجر آلن کی تحریر بھی اس کا ثبوت دیتی ہے۔)

میر صادق بہ حیثیت وزیر اعظم ہونیکے سلطنت خداداد کی تباہی کی پوری پوری ذمہ داری اس غدار پر آتی ہے۔ پہلے تو اس نے سلطان تک صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اور اخیر میں ۴ مئی کا دن جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ بند کرادیا۔ کہ سلطان واپس نہ آسکے۔ اور فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو اسی غدار نے دی۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"میر صادق نمک حرام نے سلطان کو مورچہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھکر ڈوڈی دروازے کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا۔ بند کرادیا۔ اور خود گنجام کا راستہ لیا۔ (کہ قلعہ کے باہر اپنی کوٹھی میں جاکر رہے۔ محمود) جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہونچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہو چکا تھا۔ اس کو گھوڑے سے کھینچ کر تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد اسکی لاش بے کفن اسی جگہ گاڑ دی گئی۔ آج بھی لوگ آتے جاتے اور اسکی قبر پر تھوکتے اور پیشاب کرتے ہوئے اس کو لعنت سے یاد کرتے ہیں"

(نوٹ:۔ اس سپاہی کا نام جس نے میر صادق کو قتل کیا۔ احمد خاں ہے اور وہ کڑپہ کا باشندہ تھا)

عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کردیگئی جہاں وہ قتل ہوا تھا۔ اور آج بھی لوگ قلعہ کے دوسرے مشرقی دروازے کے قریب مٹی کے ایک ڈھیر پر پتھر اور جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں معلوم نہیں کہ اس غدار کے اسی جگہ دفن ہونے کی یہ روایت کس طرح مشہور ہوگئی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح میر معین الدین کی قبر کو توہین سے بچانے کے لئے یہ مشہور کردیا گیا کہ وہ پیر کی قبر ہے۔ اسی طرح اس غدار کی قبر کو بھی توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا کہ وہ جس جگہ قتل ہوا۔ اسی جگہ دفن بھی کیا گیا۔ لیکن کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی کہ اس کو کن لوگوں نے دفن کیا تھا۔ سرنگاپٹم کے مسلمان تو اس قدر برافروختہ تھے کہ وہ اس لاش کو دفن نہیں کئے ہونگے۔ جہاںتک تحقیق سے پتہ لگا ہے وہ یہ ہے۔ میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھاکر قلعہ کے شمال مشرقی برج سے تھوڑے فاصلہ پر دفن کردیا۔ اور چونکہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں لاش شمالاً جنوباً دفن ہوتی ہے۔ اس لئے ہوا یہ کہ اسکی قبر آج تک بھی غرباً شرقاً بنی ہے (اسکی مصنوعی قبر بھی شرقاً غرباً بنی ہوئی ہے)

سرنگاپٹم کے بہت سے بڑے بوڑھے لوگ جو اس راز سے واقف ہیں. خود مصنف کو اس غدار کی یہ قبر لیجا کر بتلائے. کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک قبر نمایاں نظر آتی تھی. لیکن اب وہاں ایک غار پڑ گیا ہے. جس کا رخ بھی شرقاً غرباً ہے. اور صد ہزار عبرت کا مرقع. دیکھنے والے پر اس ویران سنسانے میں ایک خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

رہا اس کی فرضی یا اصلی قبر پر لعنت کا بھیجا جانا وہ دراصل اس مٹی کے ڈھیر پر نہیں بلکہ اس غدار ملک وملت کی روح پر ہے. میر صادق اور دوسرے غداروں کی آخیر گھڑیاں چاہے کرب وبلا میں گذری ہوں یا ہنسی خوشی میں. وہ خدا ہی خوب جانتا ہے. مگر مکافات عمل اس دنیا میں نہیں تو ضرور اُس دنیا میں ملتے ہیں. علامہ اقبال اس کا کچھ نقش اپنے عالم خیال (جاویدنامہ) میں کھینچتے ہیں. جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے.

بنگالہ میں جن غداروں نے سراج الدولہ سے غداری کی. ان میں سب سے ممتاز میر جعفر ہے اور ٹیپو سلطان سے جنہوں نے غداری کی ان میں میر صادق سب سے زیادہ نمایاں ہے. اس لئے علامہ اقبال نے ان دو کو ہی منتخب کیا ہے.

دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچتے ہوئے جہاں ارواح بے یوم النشور رکھے گئے ہیں میر صادق و میر جعفر کی ارواح رذیلہ کو اس طرح دکھایا گیا ہے :-

منزل ارواح بے یوم النشور　　دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندرونِ او دو طاغوت کہن　　روحِ قومے کشتہ از بہر دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن　　ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن
ناقبول و ناامید و نامراد　　ملتے از کارشاں اندر فساد
ملتے کو بندِ ہر ملت کشاد　　ملک و دینش از مقام خود فتاد

می ندانی خطّۂ ہندوستاں | آں عزیز خاطر صاحب دلاں
خطّۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز | درمیان خاک و خوں غلطد ہنوز
در گلش تخم غلامی را کہ کشت | ایں ہمہ کردار آں ارواح زشت

در فضائے نیلگوں یک دم بایست
تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست

روح ہندوستان ظاہر ہو کر نالہ و فریاد کرتی ہوئی کہتی ہے (اس نظم میں موجودہ زمانہ کے غداروں کی طرف بھی اشارہ ہے) ؎

کہتے شب ہندوستاں آید بروز | مرد جعفر زندہ روح او ہنوز
ملتے را ہر کجا غارتگرے است | اصل او از صادقے یا جعفرے است
الاماں از روح جعفر الاماں | الاماں از جعفران ایں زماں

اس فریاد کو سن کر قلزم خونیں جوش میں آتا ہے اور دوزخ بھی ان نامرادوں کو قبول نہیں کرتی۔ ؎

گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ | شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ

جب دوزخ بھی ان ارواح رذیلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو غدار اسطرح فریاد کرتے ہیں:۔

اے ہوائے تند اے دریائے خوں | اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں
اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب | اے قلم اے لوح محفوظ اے کتاب
اے بتان ابیض اے لردان غرب | اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب

غداروں کی اس فریاد کا جواب اس طرح ملتا ہے :۔

ایں جہاں بے ابتدا بے انتہا است | بندۂ غدّار را مولا کجا است

سلطنت کو ختم ہوئے ابھی سوا سو سال کا عرصہ گذرا ہے۔ اس لئے تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شایع ہونے کے بعد اکثر احباب نے مصنف سے دریافت کیا ہے کہ سلطان کے خاندان سے کوئی میسور و جنوبی ہند میں باقی ہیں یا نہیں۔ اور غداران وطن کے خاندان کہاں کہاں آباد ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سلطان کے خاندان سے کوئی فرد بھی میسور و جنوبی ہند میں باقی نہیں ہے۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں خاندان سلطانی سے کچھ دور کا بھی رشتہ تھا۔ کلکتہ کو بھیجدیا گیا۔ میر قمرالدین ہو یا میر معین الدین انہیں خاندان سلطانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ میر قمرالدین سلطان کے سوتیلے ماموں کا فرزند تھا۔ میر معین الدین کی دختر سے سلطان نے ۱۷۹۵ء میں نکاح کیا تھا۔ ڈیڑھ سال کے بعد یہ بیگم اور نوزائیدہ بچہ دونوں انتقال کر گئے۔ اور جو رشتہ میر معین الدین اور سلطان کا تھا ختم ہو چکا۔

یہ مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ غداروں کے خاندانوں کے حالات کیوں دریافت کرتے ہیں؟ جن لوگوں نے غداری کی وہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بے شک ان کے خاندان ملک میں باقی ہیں۔ لیکن ان پر کیا الزام دھرا جا سکتا ہے۔ باپ کا الزام بیٹے پر یا بیٹے کا الزام باپ پر اور بھائی کا الزام بھائی پر آ نہیں سکتا۔ ہر انسان جو کچھ کرتا ہے۔ اسکے لئے وہ خود خدا کے آگے جوابدہ ہوتا ہے۔ دوسرے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ مذہب بھی یہی سکھلاتا ہے اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے۔

ضمیمہ ۱۱

سرنگاپٹم

سلطان کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ ہی یہ مناسب ہوگا کہ ہم اسکے دارالسلطنت سرنگاپٹم کے حالات بھی لکھدیں اور بتائیں کہ اس زمانہ میں جب یہ شہر پائے تخت تھا۔ کس حالت میں تھا اور اب کس حالت میں ہے۔

سلطان کے ملک اور اسکے پائے تخت کے متعلق مُلّا فیروزؔ اپنے جارج نامہ میں لکھتے ہیں:۔

ہمایوں کشورے خرم زمینے | طربؔ زا مرز بومے دل نشینے
وطن گاہے نشاط و خرمی را | طربؔ گاہے پری و آدمی را
صفائی آب شیرینش رواں بخش | ریاح بادِ مسکینش تواں بخش
مزاجش زاعتدال استوائی | بعنبر بیزی و گوہر فزائی
ہوائش را نشاطِ زعفراں زار | نسیمش راشمیم زلف دلدار
ندیدہ کس چنیں آب و ہوائے | بدیں خوبی ہمہ نانیست جائے
زباں در وصف آں فرخندہ کشور | بود لال و کند خامہ نگوں سر

دکن زیں اوشدہ دارالخلافت
مصئوں باد از ہر آسیب و آفت

سرکار خداداد کا پائے تخت جس کا نام سلطان نے ظفرآباد رکھا تھا۔ میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جسکی کل لنبان چار میل سے زیادہ نہیں اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اس جزیرہ میں نویں صدی عیسوی میں سری رنگا کا مندر

نقشۂ قلعۂ سرنگاپٹم

آگاہی کیلئے موجودہ وقت جو ریلوے لین اور اسٹیشن
دکھلایا گیا ہے

شمال

دریائے کاویری کی شمالی شاخ

دریائے کاویری کی جنوبی شاخ

پل جو سلطان کے زیر تعمیر تھا

پل

ریل بنگلور سے

ریل میسور کو

دلی دروازہ

ڈڈی دروازہ

(۱) پانی دروازہ

(۲) مشہد سلطانی

(۳)

(۴) میر صادق کی اصلی قبر

بنگلوری دروازہ

راستہ گنجام کو

میسور دروازہ

راستہ میسور کو

محلہ میر صادق

علم بتیری

مسجد احدی

ریلوے اسٹیشن

مندر

راجہ میسور کا محل

سلطانی محل

مسجد صندری

مسجد حسینی

مسجد اعلیٰ

اناج کا مخزن

کمان

مسجد باتری

بتیری

مندر

محل

بارکس

باغ جس میں
فوج چھپی ہوئی
یہاں نشان کیا
الٹی طرف ہوئی

(۵)

(۱) پانی دروازہ۔ جس پہ فرضی کتبہ لگا ہوا ہے۔ (۲) مشہد سلطانی۔ سلطان اسی جگہ شہید ہوا تھا۔ یہاں اب ایک سنگین کتبہ لگا ہوا ہے۔ (۳) میر صادق کا مقتل۔ اسی جگہ اسکی فرضی قبر بنی ہوئی ہے۔ (۴) میر صادق کی اصلی قبر (۵) راستہ جس سے انگریزی فوج قلعہ پر آئی

تعمیر ہوا اور شہر کی بنیاد پڑی۔ ۱۴۵۴ء میں راجہ تمنا نے بہ اجازت دربار وجیانگر یہاں قلعہ بنوایا۔ ۱۶۱۰ء میں راجہ وڈیر (جو موجودہ حکمران خاندان میسور کے اجداد میں ہے) اس جزیرہ کو اپنا پائے تخت قرار دیا۔ اس زمانہ سے لیکر ۱۷۹۹ء تک یہ میسور کا پائے تخت رہا۔ ۱۷۶۱ء میں نواب حیدر علی بر سر اقتدار آئے۔ اس وقت سے لیکر زوال سلطنت خداداد یعنے چالیس سال تک اس کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ تاریخ عالم میں یادگار ہے۔ قدیم قلعہ کو ڈھا کر حیدر علی نے نیا قلعہ تعمیر کروایا۔ جس کے بعد ٹیپو سلطان نے پھر اس میں متعدد تبدیلیاں کیں اور قلعہ کے اندر دوسری فصیل اور خندق بنوائی۔ جس کو انگریزوں نے ڈھا کر خندق کو بھروا دیا۔ ۱۷۹۲ء میں سرنگاپٹم کی جو حالت تھی۔ اس کے متعلق میجر ڈیراعم جو لارڈ کارنوالس کا اسٹاف افسر تھا۔ لکھتا ہے :-

"اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے۔ اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے۔ جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ اسکے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اور ہر مربع کے چار طرف وسیع و فراخ اور خوشنما سڑکیں ہیں۔ جن کے دونوں بازو پر سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری ضروریات کیلئے ہر قسم کی اشیا فروخت کرتے ہیں۔

گنجام سے مشرقی جانب وہ مشہور باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے۔ باغ نہایت خوش وضع ہے۔ انواع واقسام کے میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ روشوں کے دونوں طرف بلند و خوبصورت شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں۔

شہر کی مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں۔ جن کے اوپر سے قدیم مندروں کی اونچی چوٹیاں اور مسجد کے اونچے مینار نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے

لال باغ پر جو خوبصورتی و خوشنمائی کا ایک دلفریب منظر ہے. نظر کی جائے اور ان کے ساتھ قلعہ اور اس لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کا یہ عروس البلاد اس زمانہ میں سب سے زیادہ متموّل، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سکوں بخش خطّہ زمین ہے۔"

ایک اور انگریزی مورخ جو ۱۸۰۴ء میں سلطان کی شہادت کے پانچ سال بعد آیا تھا. لکھتا ہے کہ :۔

"اس وقت شہر کی آبادی اڑھائی تین لاکھ کے قریب ہے۔"

سرنگاپٹم کا قلعہ جزیرہ کے مغربی حصہ میں ہے. دریائے کاویری کی شمالی شاخ فصیل قلعہ سے لگی ہوی بطور خندق چلی جاتی ہے. اور جنوبی شاخ کچھ دور تک فصیل قلعہ سے لگی ہوی ہے.

جزیرۂ سرنگاپٹم میں داخل ہونے کیلئے دریائے کاویری پر دو پُل ہیں. ایک، شمال میں اور ایک جنوب میں. شمال مغربی جہت میں سلطان شہید نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پُل کی بنیاد رکھی. جو اب بھی دیکھی جاسکتی ہے. اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کے متعدد دروازے ہیں. جن میں مشرق کی طرف بنگلوری دروازہ ہے. جنوب کی طرف دو دروازے ہیں. ایک میسوری دروازہ اور دوسرا ہاتھی دروازہ. شمال کی طرف پانی کا دروازہ ہے. اور شمال مغربی جہت میں دلّی دروازہ ہے.

میسوری دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :۔

چو شہ این قلعہ را بنیاد فرمود   زبرجد سال ماہِ خسروی بود

ہزار و دو صد و بر عشرہ نہ ہم — شمار سالِ احمد بدر مولود
بتاریخ ہنم روز شنبہ — بعینِ ساعت برجیس مسعود
طلوع قوس بود وہم بمیزاں — شفق برزہرہ برجیس افزود
عطارد و آفتاب راس ہر سہ — ببرج سنبلہ بودند محمود
بجدی ماہ بعقرب بود مریخ — زنب در حوت کیواں در حمل بود
ثمر ایں وقت رانیست پند را — کہ قلعہ از ہمہ اسباب بہ بود

بماند قایم محفوظ از آفات
بفضل رحمتِ خلاقِ معبود"

شہر میں آب رسانی کیلئے دریائے کاویری سے نہر کاٹ کر لائی گئی تھی۔ اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں۔ قلعہ کے اندر بھی پانی زمین دوز نہروں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ جو اب بھی بعض جگہ نظر آتی ہیں۔ مسجد اعلےٰ کے حوض اور سلطانی محل کیلئے پانی دریائے کاویری سے اس طرح لیا جاتا تھا کہ قلعہ میں شمال مغربی کونے میں پانی اچھال کر ایک حوض میں بھر دیا جاتا۔ جہاں سے وہ پختہ نالیوں کے ذریعہ حوض میں آجاتا تھا۔ جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

موجودہ حالت

موجودہ وقت میں یہاں کیا ہے۔ آہ! سرنگاپٹم جو سلطنت خداداد کا پائے تخت تھا ایک معمولی قصبہ بن کر رہگیا ہے۔ یہ وہ شہر تھا کہ اگر سلطنت کو مہلت دی جاتی، اور سلطان کی ایک دو نسلیں یہاں تخت نشین ہوتیں تو دلّی، کابل اور قاہرہ تو درکنار سلطان کی

اولوالعزمی کو دیکھتے ہوئے سرنگاپٹم کا نام آج بغداد و غرناطہ سے پہلے آتا. مگر قدرت کو وہی منظور تھا، جو ہوا. جس طرح گلشن میں کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں. اور جس طرح چھوٹے بچے اوائل عمری میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں. اسی طرح بعض شہر اور قصبے بھی اپنی ابتدائی منازل تمدن میں برباد ہو کر رہجاتے ہیں. سرنگاپٹم بھی اسی طرح برباد ہو کر رہ گیا.

آج مندروں کے علاوہ مسجد اعلیٰ، دریا دولت باغ، مقبرہ اور مسجد اقصیٰ موجود ہیں. باقی سب ھُو کا عالم ہے. قلعہ کے اندر پٹن میں تھوڑی سی آبادی ہے. اور گنجام دن بدن ویران ہوتا جارہا ہے. آہ! یہ وہ شہر ہے جہاں بیٹھ کر سلطان داد سلطنت دیتا تھا. جس کے چپہ چپہ پر آبادی اور مکانات تھے. جس کے قلعے پر سلطانی علم اپنی پوری جبروت و عظمت کے ساتھ کبھی اُڑتا تھا. آج یہ ویران کھنڈر ہے. سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے صرف ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار کتبہ کیلئے چھوڑ دی گئی ہے. جس پر لکھا ہوا ہے:-

"یہاں سلطان کا محل تھا"

آہ!

اجڑے محلوں سے جو آتی ہے صدائے بازگشت
طرفہ افسانہ سناتی ہے صدائے بازگشت

پہلے کچھ احکامِ سلطانی سناتی ہے مجھے،
قصۂ شانِ جہاں بانی سناتی ہے مجھے

پھر سناتی ہے محافل کی طرب انگیزیاں
شوخیٔ حسنِ ملاحت زا کی شکر بیزیاں

کالی کالی وہ گھٹائیں اور بھری برسات میں
نازسے گانا وہ رقاصوں کا بھیگی رات میں

عاشقوں نے گفتگو سرمستیٔ جذبات میں
کی تھی جو آہستہ تنہائی میں بھیگی رات میں

ذرہ ذرہ میں یہاں کے نطق کی تفسیر ہے
ریزے ریزے میں یہاں کے جوہر تقریر ہے

سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کے یہاں
ہو رہا ہے ہر طرف ایّام پیشیں کا بیاں

ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں
داستانِ حالت ماضی سناتی ہے زمیں

اس جگہ کچھ عیش اور عشرت کے ساماں دفن ہیں
اس جگہ پر کچھ مرادیں اور ارماں دفن ہیں

اس جگہ پر ہے مزار شوکت و شانِ غرور
اس جگہ مدفون ہیں اسبابِ امکانِ غرور

آرزوئے حدِ شہرت کی یہاں پر قبر ہے
جستجوئے لطفِ جنت کی یہاں پر قبر ہے

دلربائی اور دل آزاری کی حد ہے اس جگہ
عاشقی اور ناز برداری کی حد ہے اس جگہ

نالۂ شبگیر زاہد اس جگہ پر ختم ہے
حسنِ عالمگیر شاہد اس جگہ پر ختم ہے

تیغِ جوہر دار کی حد اس جگہ پر ہو گئی
حسن بد کردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی

اس جگہ ہے بے کسی اور نامرادی سو رہی
قبر ہے یاں شوخئ چشم فسوں پرواز کی

دب گئے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اس جگہ
دفن ہیں کچھ غنچہائے ناشگفتہ اس جگہ

مرقدیں ہیں کچھ جنون فتنہ ساماں کی یہاں
چاک دامن کی یہاں چاک گریباں کی یہاں

ساقئ توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں
شاہد نازک بدن ہے اس جگہ آرام میں

ہیں غرض یہ بستیاں تاریخِ صفحاتِ قدیم
ان کو ویرانہ نہ سمجھو، ہیں یہاں روحیں مقیم

سلطانی محل

سری رنگا سامی کے عظیم الشان قدیم مندر کے تھوڑے فاصلہ پر سلطانی محل تھا۔ یہ محل ایک عالیشان خوبصورت چھوٹی عمارت تھی۔ مگر نہایت سادہ، وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا۔ جس میں سلطان کی رہائش تھی۔ اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک

سنہری کارنس سی بنی ہوئی تھی۔ اور اس پر ایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان پر سونے کا پانی یا پتر ے تھے۔ سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی۔ وہ قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہوگی۔

اس محل کے مشرق طرف مسجد اعلےٰ تک اور بھی چھوٹے چھوٹے محلات تھے۔ جن میں سلطان کے شہزادے اور دوسرے عزیز و اقارب رہتے تھے۔

محل کے عین مقابل مغرب میں تو سری رنگا سامی کا مندر اور میسور کے راجہ کا محل ہے۔ جنوب میں بھی محل سے لگا ہوا ایک اور مندر ہے۔ اور اسی طرح شمال مشرقی پہلو پر ایک اور قدیم مندر ہے۔

سلطانی محل کے انہدام کے بعد اسکی بہت سی چیزیں فروخت کردی گئیں۔ جن میں سنگ سیاہ کے ستون بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں، اور باقی سامان نیلگری کے ایک کلیسا کی تعمیر میں استعمال ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس سلطان دین پناہ کے محل کا سامان بھی عبادت گاہوں کیلئے ہی کام آیا۔ محل سے لگا ہوا جنوب کی طرف توشک خانہ تھا۔ توشک خانہ کے ایک حصہ میں پہلے صندل کوٹھی تھی اور اب میونسپل آفس۔ اور اس سے تھوڑی دور پر غلہ جمع کرنے کا مخزن تھا۔

سیّاح بچانن لکھتا ہے:۔

”سلطان کا محل ایک عالیشان سنگین عمارت ہے۔ گو باہر سے یہ بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے۔ مگر اندر نہایت خوشنما ہے۔ سلطان جس حصہ میں رہتا تھا۔ وہ محل کے ایک جانب ہے۔ اور باقی تین جانب گودام ہیں زنانہ میں جانے کے راستہ میں شیر بندھے ہوئے تھے۔“

مسجد اعلیٰ

سلطانی محلات کے ویرانوں سے لگی ہوی بنگلور دروازے کے قریب یہ عالیشان بلند عمارت واقع ہے۔ جس کے سر بفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر شہیدان وطن کے پاک خون کے چھینٹے پڑے ہوے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ تسخیر قلعہ کیوقت چار ہزار ہندو اور مسلمان یہاں جمع تھے۔ جو مدافعت وطن۔ تحفظ آزادی اور اپنے سلطان کے نام پر نثار ہو گئے)

عمارت مسجد کے دو حصے ہیں۔ اوپر کے حصہ میں مسجد ہے۔ مسجد میں جانے کے لئے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوی ہیں۔ میناروں میں بھی اوپر جانے کیلئے سیڑھیاں ہیں۔ جہاں پہونچکر بہت دُور دُور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ سلطان کی پنجوقتہ نماز اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام رستے سے داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا میری آمد پر نمازیوں کو مسجد میں میرے ادب و احترام کا احساس سکون قلب اور توجہ الی المعبود سے محروم کر دے۔ مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ جواب بند کر دیا گیا ہے۔ یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکلکر مسجد میں داخل ہونیکا تھا۔ نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا کہ اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی جگہ پر فی الفور مشغول عبادت ہو جاتا۔ اور کسی ایک نمازی کے دل میں بھی وسوسہ نہ گذرتا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان انسانی طبائع سے کس قدر آشنا تھا۔ اتنا گوارا نہ تھا کہ لوگوں کی انفرادی کیفیات احکام الہٰی کے منشاء کی تکمیل میں حائل ہوں۔ اخلاق اسلامی کے اعتبار سے



سرنگاپٹم ۔ مسجد اعلیٰ

عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا ابھی بہت دشوار تھا کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو، اور خدا کے گھر میں کوئی اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ مسجد کی دیواروں پر ہری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ محراب کے اوپر کتبۂ تاریخ لگا ہوا ہے۔

کتبہ

کز حضرتِ سلیماں اندر زمان ماضی — تعمیر مسجدے کرد نامش نہاد اقصیٰ

درایں اوانِ فرخ سلطان دیں بنا کرد — آں مسجدے کہ اسمش ملہم گذاشت اعلیٰ

طاق است چوں مہِ نو طاقش بحسن خوبی — روحش چوں روح باشد دلچسپ و فیض پیرا

زردہ نشان زمروہ آں صفۂ صفا خیز — محراب دلکش او آئینہ دار بطحا

مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ

طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا

مسجد کا نام غالباً مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا۔ اس مسجد کی بنیاد ۱۲۰۲ھ میں رکھی گئی۔ مسجد اعلیٰ میں جس بات کو دیکھ کر اس زمانہ کے مسلمان کے دل میں بھی اس دینی حرارت کا جذبہ موجزن ہوجاتا ہے۔ جس کے امین قرون اولیٰ کے مسلمان تھے۔ وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے۔ یعنے مسجد میں چار کتبے لگے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اسمائی حسنےٰ اور دوسرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام ہیں۔ شمالی دیوار پر جو کتبہ ہے وہ احکام جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے

کتبہ

قولہ تعالیٰ وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب

من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون

ونأسرون فریقاً واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم ارضالم تطؤھا وکان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیرا۔

بعد از فرار کفار حکم شد کہ بحرب بنی قریظہ روند کہ عہد شکستہ مددگارے احزاب نمودند۔ لشکر اسلام ایشاں را پانزدہ شبانروز محاصرہ کردند۔ وکار بر ایشاں تنگ شد وبرحکم سعد ابن معاذ فرود آمدند۔ وسعد حکم کرد کہ مردان ایشاں رابکشند وکودکان ایشاں رابردہ گیرند۔ واموال ایشاں رامسلمانان قسمت کنند۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اے سعد معاذ حکم کردی کہ خدائے تعالیٰ بربالائے ہفت آسماں حکم کردہ وحق سبحانہ ازیں واقعہ خبرمید ہد وفرود آورد خدائے آناں راکہ یاری دادہ اند۔ احزاب راوہم پشت ایشاں کشند از اہل توریت۔ یعنے یہود قریظہ را فرود آورد۔ از قلعہائے ایشاں وافگند دردلہائے ایشاں۔ ترس از پیغمبر ولشکر او گروہے راکہ کشتندے نہ صدتن یکشتند یا ہفت صدتن وبردہ میگرید گروہی را یعنے فرزندان وزنان ایشاں را۔ و میراث داد شمارا زمین ایشاں یعنے مزارع وحدائق وسراہائے ایشاں یعنے حصون وقلاع ومال ہائے ایشان از نقود وامتعہ ومواشی وبشما داد زمیں راکہ نہ رفتہ آں یا مالک آں نبودید ومراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک فارس وگفتہ آید ہر زمیں کہ بجوزہ اسلام در آید۔ تاقیامت دریں داخل است وہست خدائے برہمہ چیز قادر وتوانا۔

اور جنوبی دیوار پر غزوائے پیغمبرؐ کے متعلق احادیث مکتوب ہیں۔ کتبہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

کتبہ

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الناس رفیع
القریش فی ھذا الشان مسلمھم تتبع والمسلمھم وکافرھم
تتبع الکافرھم متفق علیہ۔ روایت است از ابی ھریرہ کہ تحقیق
نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود۔ جمیع مردم تابع قریش را دراین شان مسلمانان
تابع اند مسلمانان قریش را وکافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیہ
وتصیبو علیھم المجانیق کما نصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وعلی الطائیف وحرقوا نہ علیہ الصلوٰۃ والسلام احرق البویرۃ
قال وارسلو علیھم الماء وقطعوا اشجارھم وافسدوا زروعھم
عھم لان فی ذالک کسر شوکتھم وتفرق جمعھم فیکون مشروعًا
وپا بردارید بر مشرکان ونیز تفنگ ودرخش چنانکہ برپا واشتہ بود برسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم بر طائفہ وبسوزید آنہا زیرا کہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بسوخت
بویرۃ را وارسال نمائید برآں کافران آب را وببرید درختہائے ایشان را وتباہ
سازید کشت وکار ایشان را زیرا کہ تحقیق۔ دراں شکست شوکت انہا است و
پراگندگی جمعیت ایشان پس در شرع ایں ہمہ امور روا است۔ من احب
اخاہ فلیعلم ایاہ یعنے شخصے کہ دوست دارد برادر مومن خود را۔ پس آگاہ
نماید اورا۔ کسے کہ اعانت جنگ کفار بکند در حرب بنفسہ یعنے خود شریک شود
یا بمال یا باسلحہ جنگ پس اگر معلوم شود از میل ورغبت۔ بطرف دین کفار پس او ولد
کفار است اگر معلوم نہ شود رغبت پس تید می کردہ شود۔ تعزیر می شود

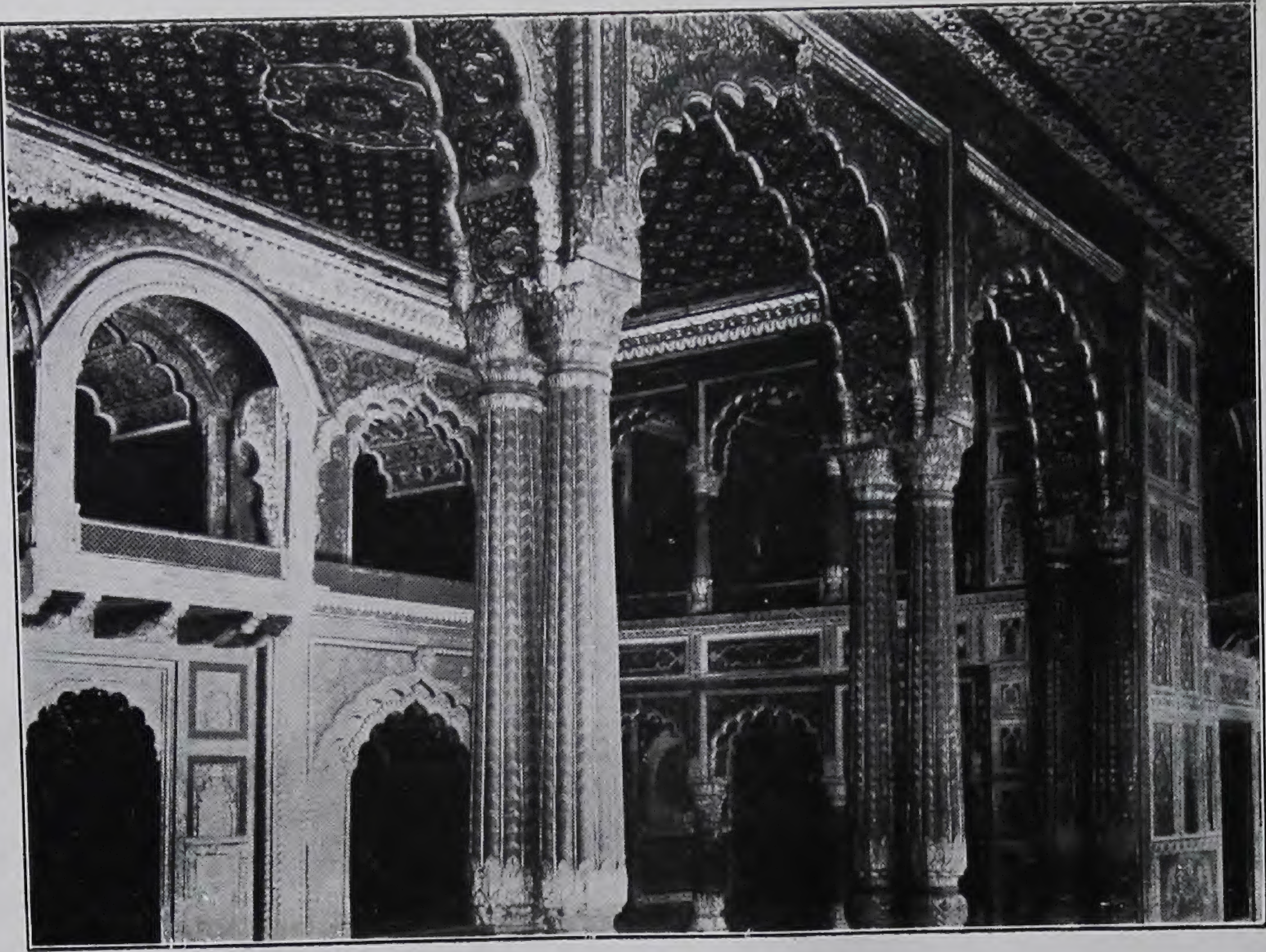
تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جائیے۔ کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوی اور کیا عوام کی، کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی۔ سوائے "مسجد اعلےٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے۔ شاہجہاں کی مسجدوں میں آیہ لمسجد اسس علی التقوی من اول حق ان تقوم فیہ الخ پڑھکر بے شک دل خوش ہوا کرتا ہے۔ کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہاں کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا۔ مگر "مسجد اعلیٰ" کو دیکھ کر شاہ جہاں کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہگئی۔

مسجد کے صحن میں چند قبریں بنی ہوی ہیں۔ یہ سلطنتِ خداداد کے زوال کے بعد کی ہیں۔

دریا دولت باغ

یہ محل سلطان کا ایوان عام ہے۔ جو دریا دولت کے نام سے مشہور رہے۔ دریا دولت دریائے کاویری کے شمالی شاخ سے کوئی دوسو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عدل وانصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتا تھا۔ عمارت عظیم الشان ہے۔ اور دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل کے ایک کشادہ جھروکے میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے۔ اس میں سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدہ ہے۔ جس میں اعیانِ دولت و وزراء کی نشستیں تھیں۔

دریا دولت کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواریں اور ستون اور چاندنی پر تمام طلائی نقوش ہیں۔ اسکی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویر ہیں۔ جو فن مصوّری کا لاجواب نمونہ ہیں۔ ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں۔ اور بعض کرنل آرتھر ولزلی ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں ہندوستان کے



سرنگاپٹم - دریا دولت باغ

اس وقت کے امراء و وزراء اور انکی طرز معاشرت کو دکھایا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس پیشوائے پونا، محمد علی والاجاہ، نظام الملک، بالیا بنو، نواب کڑپہ اور نواب شاہنور وغیرہ کی تصاویر ہیں۔

مشرقی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں داہنی جانب دو ہیں اور بائیں جانب دو۔ داہنی جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر والی تصویر میں بتلایا گیا ہے۔ کہ حیدرآباد کی فوج واپس جارہی ہے۔ ہاتھیوں کی دو قطاریں ہیں۔ جن کی عماریاں خالی ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ نظام الملک کو کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ گھوڑے کے نیچے ایک گائے اور سئور کی تصویر بنی ہوی ہے۔ جس سے مقصود شاید دوستی اور دشمنی کا نظارہ دکھانا ہے۔ غالباً یہ تصویر اس وقت کا سماں کھینچ رہی ہے۔ کہ انگریزوں سے نواب حیدر علی کی پہلی جنگ کے بعد حیدرآباد اور حیدر علی میں دوستی ہوی تھی۔ مگر حیدرآباد پھر حیدر علی کا مخالف بن گیا۔ اس تصویر کے متعلق عام طور پر میسور میں یہی مشہور ہے۔ نیچے کی تصویر میں جنگ پولی لور کا نقشہ اور بیلی کی شکست کا نظارہ بتلایا گیا ہے۔ کرنل بیلی ایک پالکی میں اسیر بیٹھا ہے۔ بازو میں موسیٹولالی فرنچ افسر ہے۔ جو نواب حیدر علی کی ملازمت میں تھا۔ اسکے چہرے سے اس کامیابی کی خوشی برس رہی ہے کرنل بیلی اس شکست سے متحیر ہوکر انگشت بدنداں ہے۔

بائیں جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر کی تصویر میں نواب حیدر علی کا شاہانہ جلوس دکھایا گیا ہے۔ اور نیچے کی تصویر میں اس سازش کا پورا پورا حال کھولا گیا ہے۔ جو سلطنتِ خداداد کی بربادی اور سلطان کی شہادت پر منتہی ہوی۔ اس تصویر میں یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہے۔ اور سامنے میر صادق آداب بجالاتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کررہا ہے کہ سلطان یہی ہے اس کو شہید کردیں۔ اور سلطان

کی پشت کی جانب بھی کسی غدار کو گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اور وہ منہ پھیر کر ہاتھ سے انگریزی فوج کو بتلا رہا ہے کہ یہی سلطان ہے۔ تیسری طرف بھی کسی اور کی جانب سے اسی قسم کا اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویر مسلمان کی نہیں بلکہ ایک ہندو کی ہے۔ جو غالباً پورنیا مراد ہے سلطان کے دوسرے امراء وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں۔ یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ سلطان کے داہنے بازو گھوڑے پر میر قمر الدین کو بوجہ سید ہونے کے سبز لباس میں دکھایا گیا ہے۔

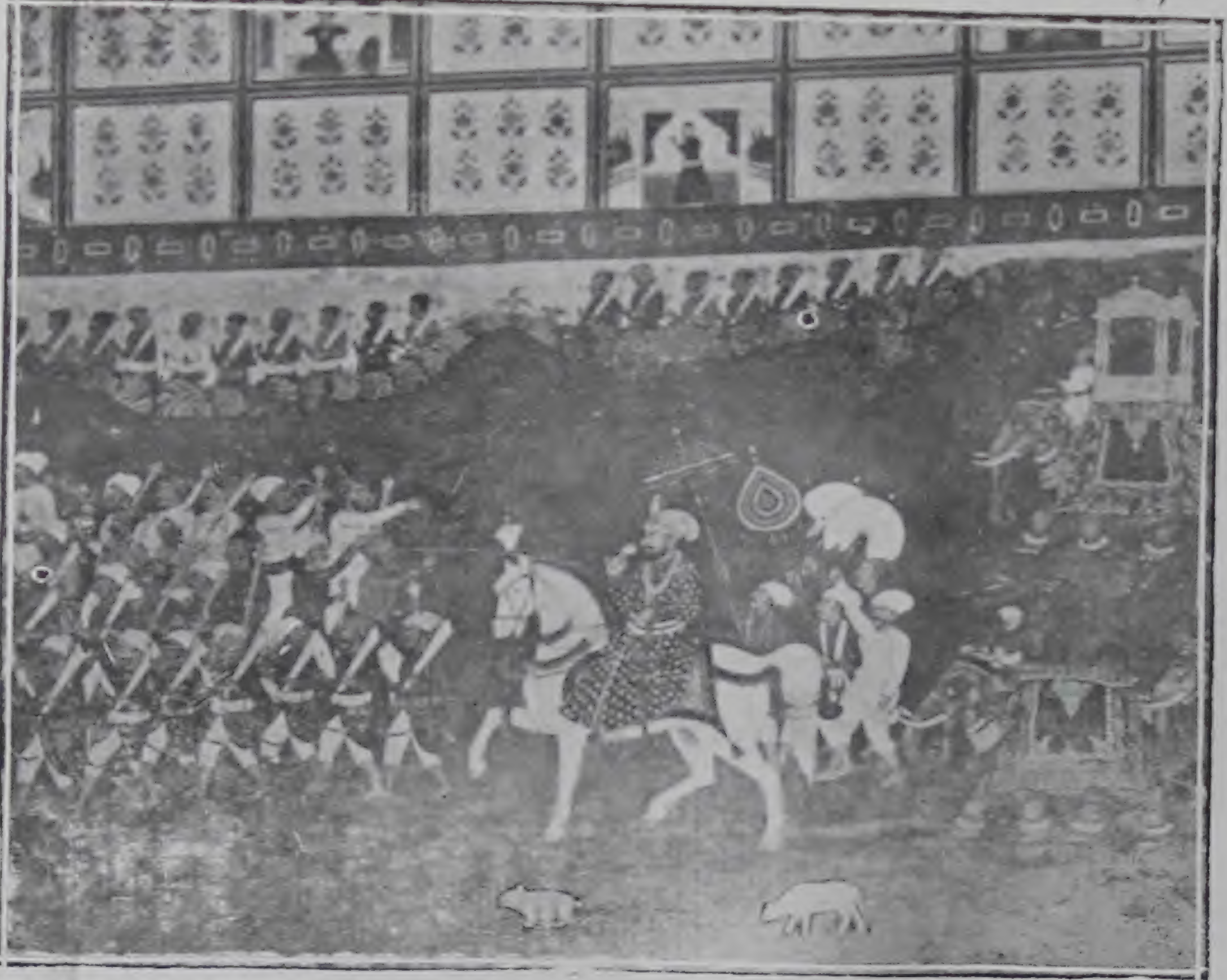
ان تمام اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان کی نقل و حرکت کا رتی رتی بھر پتہ ان غداروں نے انگریزی فوج کو دیا تھا۔ تین طرف سے جو اشارات بتلائے گئے ہیں۔ اس سے مقصود سلطان کا آخیر وقت میں انگریزی فوج میں گھر جانا ہے۔ اور حقیقت میں سلطان تین طرف سے گھر گیا تھا۔ (یہ تصویر کرنل آرتھر ولزلی نے کھنچوائی تھی)

اس محل میں لارڈ ولزلی کا ایک فرمان رکھا ہوا ہے۔ جس میں اس نے اس عمارت اور سرنگاپٹم کے دوسرے عمارات کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ایک فریم میں سرنگاپٹم کا نقشہ دیا گیا ہے۔ جس پر سلطان کے دستخط کا عکس دیا گیا ہے۔ اس محل میں ڈیوک آف ولنگٹن دو سال رہا اور وہ لکھتا ہے کہ:-

"جھنڈا الٹا نہیں ہے۔"

مسٹر رنس سیاح جو کہ ایران اور ہندوستان میں کثرت سے سیاحی کی ہے۔ لکھتا ہے:-

"مجھے سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آگئے۔ اس محل کا نقش و نگار جو اس کے ایک ایک انچ پر کیا ہوا ہے۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ تمام ہندوستان میں اس قدر منقش و دلفریب عمارت اور کوئی نہیں ہے۔"



دوستی اور دشمنی

دریا دولت باغ کی ایک تصویر کا عکس

گنبدِ اعلیٰ

ادب ہے شرط تجھے اس مقام عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

دریا دولت سے مشرقی سمت گنجام سے گذرتے ہی شہید کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ مقبرہ کے اندر ببری رنگ پھیرا ہوا ہے۔ اسکے اندر نواب حیدر علیخان بہادر اور سلطان کی والدۂ ماجدہ کے مزار ہیں۔ خدا کی شان کہ اپنے والد اور والدہ کا مزار بناتے وقت سلطان کو اپنی موت کا بھی خیال رہا۔

مقبرہ کے اندر صرف تین قبروں کی ہی گنجایش ہے۔ جس میں دو قبریں تو پہلے تھیں۔ اور تیسری قبر سلطان کیلئے ہی خالی رہی۔ مقبرہ کی عمارت سطوت و جلال کا عبرت افزا منظر ہے۔ چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ جنوبی برآمدہ میں نزدیک کے اعزا و اقربا کی قبریں ہیں۔ عمارت مقبرہ کے صحن میں سلطان کے کئی عزیز و اقارب اور دیگر اعیانِ سلطنت کی قبریں ہیں۔ مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر جو چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں لگی ہیں۔ یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین علی کی لکھی ہوی ہیں۔ اور کہتے ۱۲۱۳ھ میں سیّد عبدالقادر کے بنائے ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطاں شہید شد ناگاہ | جانِ خود داد فی سبیل اللہ
زذی قعدہ بست و ہشتم آں | کہ شدہ روز شنبہ حشر عیاں
ہفت ساعت ز صبح بگزشتہ | خوں ز دیوار و در رواں گشتہ
زیست پنجاہ سال با اقبال | بادشاہِ نمود ہفت دہ سال

داشت در دل ہمیشہ عزم جہاد — گشتہ آخر شہید حسب مراد

آہ تاراجیٔ مکین و مکان — خوں بگرید لے زمین و زماں

چوں غم او بجز دو کل دیدم — سال ماتم ز درد پرسیدم

گفت ہاتف زنیم آہ بہ گفت — نورِ اسلام و دیں ز دنیا رفت

اور اس مصرعہ سے بھی وہی تاریخ نکلتی ہے :- — حامیٔ دیں شہ زمانہ برفت

شاہ ما چوں بملک برتر شد — حاضر مجلس پیمبر شد

روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسل حیدر شہید اکبر شد

اور ایک قطعہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس کا تاریخی مصرعہ یہ ہے :-

ع۔ یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد"

لیکن ان تاریخوں میں سب سے زیادہ معنی خیز تاریخ وہ ہے۔ جو عربی میں لکھی ہوی ہے :-

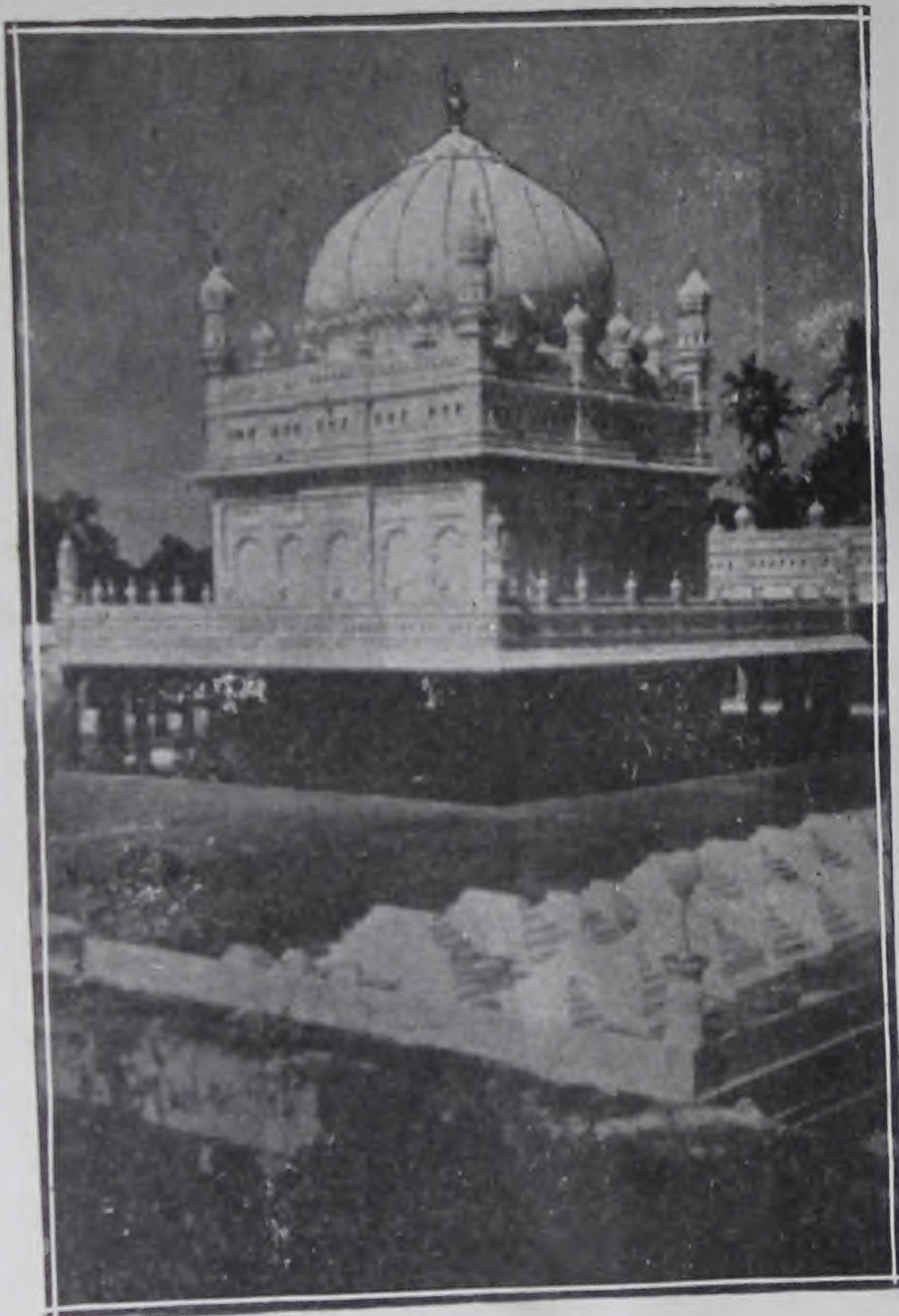
ان اخذت مصر کما قد ذکروا

وتاریخ فتنٍ اخذت و ربتہا

مصیبۃ ما مثلہا ارختہا

ذھب عز الروم والھند کلہا — ناسر نگاپٹم

۱۷۹۹ء یا ۱۲۱۳ھ دنیائے اسلام کیلئے ایک منحوس سال ہے۔ جس میں سلطان کی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا تمام اسلامی اقتدار اور ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اسی سال سلطنت ترکی کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جس سے یوروپ میں ترکی کی وقعت گھٹ گئی۔ اور مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اسی سال برباد ہو گئی۔



سرنگاپٹم۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ



مقبرہ کے اندر مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی ہے۔ اور دوسری عین جنوبی دروازے کے مقابل نواب حیدر علی خانؒ بہادر کی ہے اور تیسری یعنے مغربی دروازے کے مقابل سلطان شہیدؒ کی ہے۔ جس کی تعریف میں اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا تھا:-

خدیو جہانگیر کشور کشا | کہ تیغش ظفر را بود متکا
فلک بندۂ شوکت و شان او | قضا گوئے چوگان فرمان او
شود عارض قہرش از تابناک | زند شعلہ جوش از سمک تا سماک
دگر لطفش آرد نمی روئے کار | شود در دل سنگ قطرہ شرار
بعہدش نشد فتنہ گاہے دلیر | کہ در چشم خوباں شود گوشہ گیر
وہم شرح چوں نعمت عام او | کہ دریاست یک مدِ انعام او
نہ پیشش کند لابہا چرخ پیر | چو روباہ کہ افتد بچنگال شیر
چو کیوانست از حارسان درش | رسیدہ ز رفعت بگردوں سرش

سعادت ز خاک درش وام کرد
بسعدی فلک مشتری نام کرد

آہ! یہ وہ مزارات ہیں۔ جہاں انوار الٰہی برس رہے ہیں۔ جہاں آسماں سے ہر صبح و شام رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ سلطان شہید کے مزار پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے۔ جو شہادت کا نشان ہے۔ نشانات شاہی رکھے ہوئے ہیں۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابھی تک غزوات جہاد میں مصروف ہے۔ اور یہ اس کا ایک گہوارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی جاہ و جلال کی آخری نشانی اسی سرخ غلاف کے نیچے پنہاں

ہے۔ سلطان گو اس دنیا میں نہیں رہا۔ مگر اس کا جاہ و جلال اور اس کی عزت اور اس کا احترام اب بھی دلوں میں اسی طرح جاگزیں ہے۔ اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس آستانے پر بادشاہوں، امیروں اور گداؤں کے سر بے تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

مقبرہ کے اندر داخل ہوتے ہی سلطانی ہیبت و جلال کے نظارے کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا نقشہ، دار السلطنت کا موجودہ عبرت ناک منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گنبد کے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ چوکھٹوں پر نواب حیدر علی یا سلطان شہید کے متعلق قطعات لکھے ہوئے ہیں۔ مغربی دروازے کی چوکھٹ پر جو رباعی لکھی ہوی ہے وہ یہ ہے :۔

از فاطمہؓ زوجۂ علیؓ شیرِ خدا　　شد سبط نبیؐ سیّدِ شہدا پیدا

ایں فاطمہؒ زاد از علیؒ حیدر　　ٹیپوؒ سلطان کہ گشت شاہ شہدا

جنوبی دروازے کی چوکھٹ پر یہ رباعی کندہ ہے :۔

در ملکِ حجاز از علی حیدرؓ　　مفتوح شدہ ہفت قلاعِ خیبر

زیں حیدرؒ دکنی دولِ کرناٹک　　گشتند مطیع یک خدیو کشور

مشرقی دروازے کی پیشانی پر ذیل کی رباعی ہے :۔

آن سیّدِ شہدائے عرب سبطِ نبیؐ　　لختِ جگرِ فاطمہؓ و جانِ علیؓ

از فاطمہؒ و حیدرؒ دکنی۔ ٹیپوؒ　　سلطانِ شہیداں شدہ از جان ولی

شمالی دروازے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے :۔

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے　　بدیں جانباز سلطانی کہ آمد شد چو مہمانے

مقبرہ کے چاروں دروازوں کی سیاہ لکڑی کے کواڑوں میں ہاتھی دانت کا کام وبنت کاری کی ہوئی ہے۔ یہ دروازے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے سلطانی عظمت و وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے عطیہ دے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی نے آثار قدیمہ کو برقرار رکھنے کیلئے بہت سے عمدہ کام کئے۔ اس کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہو کر آیا۔ جس کے زمانہ میں بغاوت ہند ہوی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی طرز حکمرانی کو دیکھتے ہوئے سلطنتِ انگلستان نے مناسب سمجھا کہ سلطنت ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لیلے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند تاج برطانیہ کو منتقل ہو گئی۔

مقبرہ کے چبوترے سے لگی ہوی مغرب میں مسجد اقصیٰ ہے۔ جس پر سبز رنگ پھرا ہوا تھا۔ اب بالکل سادہ ہے۔

گنبد کے برآمدہ میں اور چبوترہ پر بہت سی قبریں ہیں۔ جن میں کسی کسی پر کتبہ ہے اور کسی قبر پر سیاہ رنگ سے نام لکھ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ یہ نام مٹ جائیں۔ اس لئے یہاں چبوترہ کا نقشہ دیکر تشریح کر دی گئی ہے۔ تشریح میں جو نمبر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قطار میں سلسلہ وار وہ اسی نمبر کی قبر ہے۔

(نوٹ: ۔ جن قبروں پر کتبے یا نام نہیں ہیں۔ وہ چھوڑ دئے گئے ہیں۔

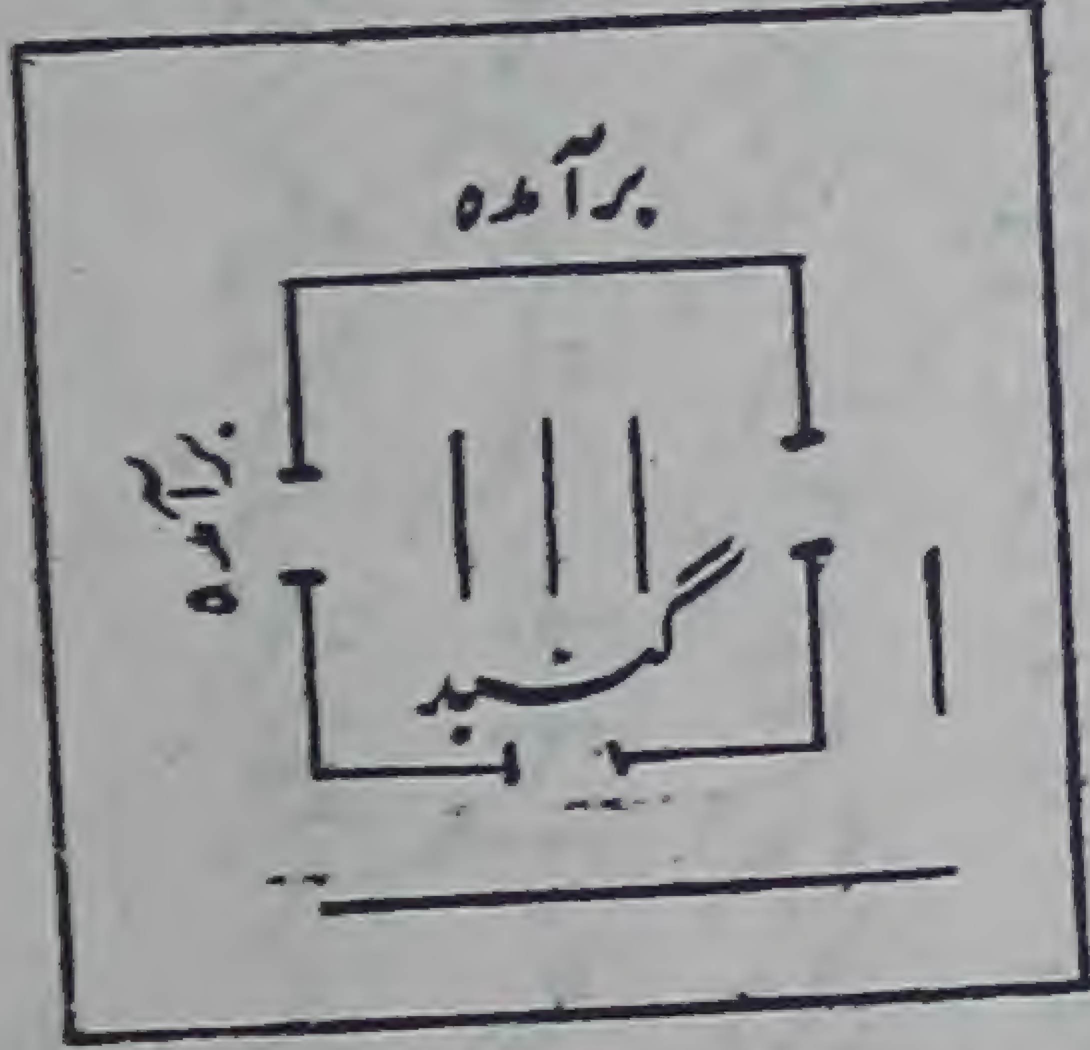
گنبد اعلیٰ کے اندر تین مزارات ہیں

ان میں جانب مشرق والدۂ ٹیپو سلطان کا مزار ہے۔ درمیان میں نواب حیدر علی کا مزار ہے۔ اور تیسرا ٹیپو سلطان شہیدؒ کا ہے۔

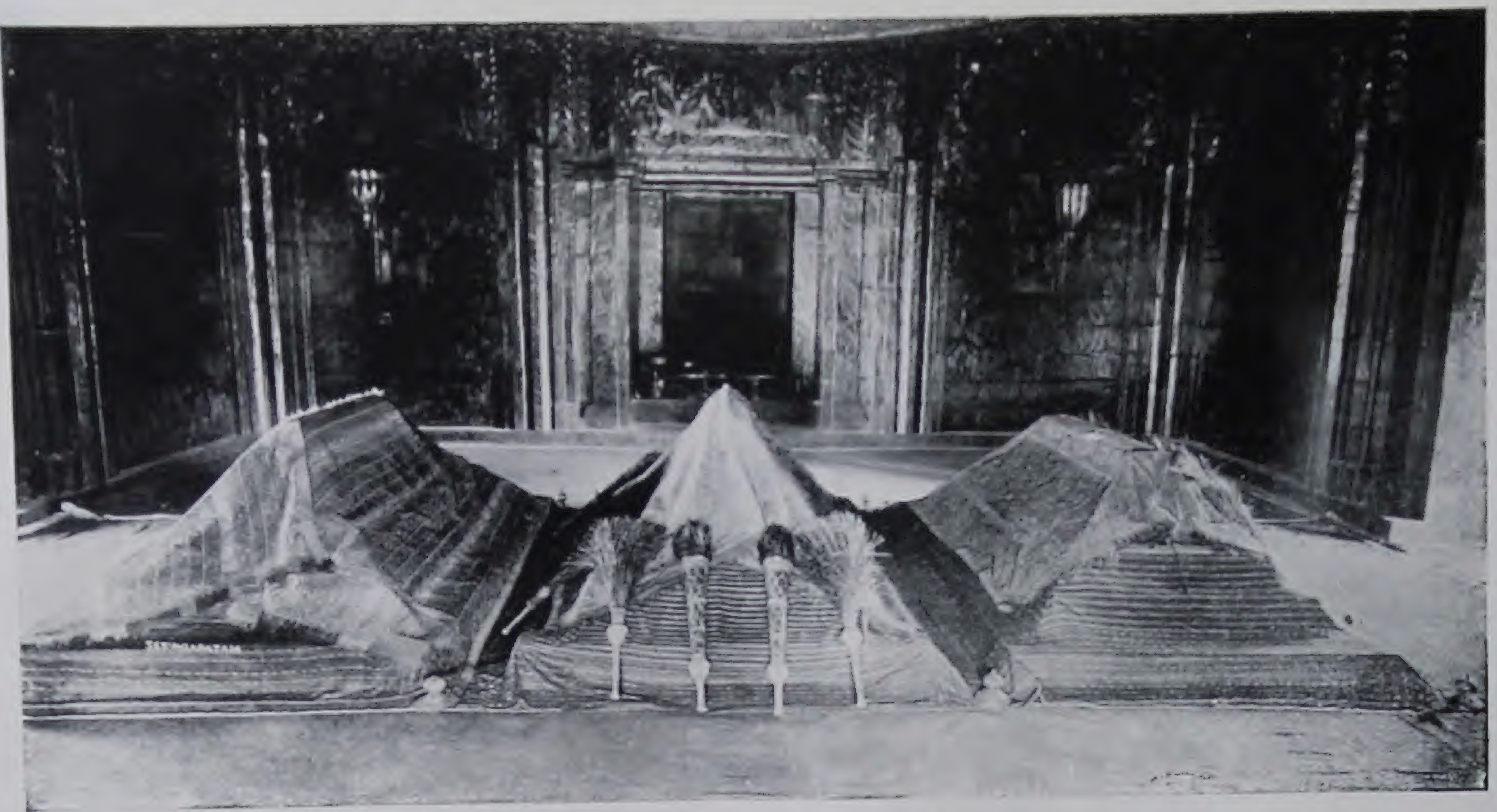
گنبد کے جنوبی برآمدے میں

مشرق سے جانب مغرب: ۔ (۱) سلطان بیگم صاحبہ ہمشیرۂ سلطان شہیدؒ

مسجد اقصیٰ
شمال
شمال مغرب
شمال مشرق
مشرق
جنوب مشرق
جنوب
جنوب مغرب
قطار الف
قطار ب
قطار ج
مزارات
قطار الف
قطار ب
قطار ج
مزارات
چبوترہ
چبوترہ
چبوترہ
چبوترہ
قطار الف
قطار ب
قطار ج
مزارات
مزارات



برآمدہ
برآمدہ
گنبد



گنبدِ اعلیٰ میں مزارات

بائیں جانب، ٹیپو سلطان شہیدؒ۔ درمیانی، نواب حیدر علیؒ۔ دائیں جانب، والدۂ ٹیپو سلطانؒ

۲ - شاہزادی فاطمہ بیگم صاحبہ (دختر سلطان شہیدؒ)

۳ - شاہزادی بیگم (صبیئہ سلطان شہیدؒ)

۴ - نواب سیّد شہباز صاحب (داماد سلطان شہیدؒ)

۵ - محل نواب میر محمود علی خاں

۶ - نواب میر محمود علی خاں

۷ - والدۂ نواب میر محمود علی خاں

(یہ تینوں قبریں زوال سلطنت کے بعد کی ہیں)

مشرقی برآمدہ میں

سنگِ سیاہ کا ایک مزار ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ مدینہ بیگم کا مزار ہے جو سلطان کی دایہ تھیں۔

چبوترہ پر

شمال مغربی کونے پر جو مسجد اقصیٰ سے لگا ہوا ہے

یہاں مزارات کی تین قطاریں ہیں۔ ان میں پہلی قطار جس پر نقشہ میں الف کا نشان دیا گیا ہے۔ اس میں جملہ نو ۹ قبریں ہیں۔ ان نو قبروں میں دو زنانہ قبریں ہیں۔ باقی چھ مردانہ ہیں ایک جو سطح چبوترہ کے برابر ہے۔ معلوم نہیں کہ زنانہ قبر ہے یا مردانہ۔ اس قطار میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے۔

دوسری قطار (ب)

اس قطار میں چودہ ۱۴ قبریں ہیں۔ زنانہ چھ ۶ اور مردانہ آٹھ ۸۔

(تفصیل جانب مغرب سے)

۲ - بانوئے سلطنت "رقیہ بانو" ملکۂ سلطان شہید۔ اس مزار کے سرہانے یہ کتبہ

لگا ہوا ہے :-

"رحلت ہمشیرۂ برہان الدین شہید بتاریخ بیست و ہفتم ماہ رازی سال زبرجد ۱۲۱۹ محمد مطابق بیست و پنجم ماہ جمادی الثانی ۱۲۰۶ھ ہجری بہ شب یکشنبہ بوقت ہیچ گھڑی شب باقی ماندہ روح پاک پرواز کرد۔ اسم رقیہ بی بی"

۳ - برہان الدین شہید برادر نسبتی سلطان شہیدؒ و برادر بانوے سلطنت رقیہ بانو ملکۂ سلطان شہید۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

"تاریخ شہادت برہان الدین مرحوم۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ محمد ۱۲۰۵ مطابق ششم ماہ حیدری سال ستا ۱۲۱۸ محمد"

۵ - شاہزادہ نظام الدین۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

"تاریخ وفات نظام الدین شاہزادہ مرحوم بیست و ششم ماہ صفر روز یکشنبہ ۱۲۰۶ھ ہجری مطابق بیست و ہشتم ماہ خردی سال زبرجد ۱۲۱۹ محمد"

۱۱ - اس قبر پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان کی دوسری یا تیسری بیگم کی قبر ہے۔

تیسری قطار

اس قطار میں چودہ قبریں ہیں۔ نو زنانہ اور چار مردانہ۔ ایک جو سطح زمین کے برابر ہے معلوم نہیں کہ مردانہ ہے یا زنانہ قبر (مغرب سے جانب مشرق)

۷ - نواب محمد رضا علی خان شہیدؒ (بنکی نواب) (نواب محمد رضا علی خاں المعروف بہ بنکی نواب۔ کورگ کی جنگ میں بتاریخ ۲۶ رماہ رمضان ۱۲۱۳ھ میں شہید ہوئے تھے۔)

۹ - سکینہ بیگم بنت ابراہیم صاحب۔

دوسری اور تیسری قطار کے درمیان ایک زنانہ قبر ہے جو معلوم نہیں کس کی ہے۔

(نوٹ:۔ کتبے بالکل معمولی پتھر کے ہیں۔ جو صاف بھی نہیں کئے گئے اور خط بھی بالکل معمولی ہے بمعلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے بعد یہ پتھر لگائے گئے ہیں۔)

چبوترہ کے شمال مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

بارہ قبریں ہیں۔ نو زنانہ اور دو مردانہ اور ایک سطح زمین کے برابر ہے۔ ان قبروں میں مشرقی جانب سے دوسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"تاریخ وفات حبیب صاحبہ والدۂ لالہ میاں صاحب مرحوم
بیست وہفتم ماہ صفر روز آخر چہارشنبہ"

دوسری قطار (ب)

تین قبریں ہیں ایک زنانہ اور دو مردانہ

تیسری قطار (ج)

تیرہ قبریں ہیں۔ ان میں ۸ زنانہ اور ۵ مردانہ ہیں۔ تیسری قطار کے نیچے اور دو قبریں ایک کے نیچے ایک بنی ہوئی ہیں۔ ان میں جنوب کی قبر زنانہ ہے۔

چبوترہ کے جنوب مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

اس میں پانچ قبریں ہیں۔ دو مردانہ اور تین سطح زمین کے برابر ہیں۔

مغرب سے جانب مشرق

۱۔ یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ تاریخ وفات مولوی محمد حبیب اللہ

دلوک شمس و ماہ سہ شنبہ　　پئی ساز سفر آں گل شگفتہ
بجستم چوں خزاں سالش خرد آہ　　حبیب اللہ بجنت رفت گفتہ"
۱۲۲۴　　ہجری　　۱۲۲۴

دوسری قطار (ب)

بارہ قبریں ہیں۔ ایک زنانہ۔ سات مردانہ۔ اور چار سطح زمین کے برابر ہیں۔ اس قطار میں مغرب سے جانب مشرق گیارہویں قبر پر یہ کتبہ ہے:۔

"قبر سید عبدالقادر"

تیسری قطار (ج)

اس قطار میں گیارہ قبریں ہیں۔ کل مردانہ۔ مغرب سے جانب مشرق تیسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"چوں سپہدار جنود ٹیپو سلطان شہید　　زیں جہاں بگذشت در ملک بقا منزل گزید
نام و تاریخ و نشان مرقدش جستم ز دل　　با دل محزوں بگفت ایں تربت سید حمید"
۱۲۰۶

۶۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت۔ خواجہ آفتاب خاں۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شیا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۷۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت محمد جہاں گیر سر عسکر۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۸۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت شیخ میراں سر عسکر چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۹۔ کتبہ:۔ "تاریخ وفات ارشد بیگ خاں ہجدہم ماہ صفر روز شنبہ سنہ ۱۲۰۳ ہجری مطابق بیستم ماہ دینی سنہ ۱۲۱۶ محمد"

١٠۔ کتبہ "تاریخ وفات میر محمد علی بیست ویکم ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۰۲ ہجری مطابق بست وسیوم ماہ جعفری روز"

١١۔ کتبہ :۔ "تاریخ وفات امام وردی بیگ"

جنوب مغربی کونے پر

یہاں صرف ایک قطار ہے۔ اس میں تیرہ قبریں ہیں۔ جن میں چار زنانہ اور باقی مردانہ ہیں۔ ان میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے

قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے ہوئے وہ تہ خانے ہیں۔ جنہیں تعصب سے ڈنجن کہا جاتا ہے اور مشہور یہ کیا جارہا ہے کہ اس میں یوروپین قیدی محبوس تھے۔ یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ کے گارڈ کی سپاہیوں کے پہرہ بدلنے کی جگہ اور نشست گاہیں تھیں۔ ان میں دریس اور ہتھیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں۔ سامنے وسیع صحن ہے۔ جس میں سے روشنی اور ہوا کا کافی گذر ہے۔ اور تاریکی بالکل نہیں۔

مورخ تھامسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"سرنگاپٹم میں آوارہ لوگوں اور لڑکوں نے سیاحوں کو دہوکہ دینے کیلئے ان تہ خانوں کو ڈنجن یعنے قیدخانے مشہور کر رکھا ہے"۔

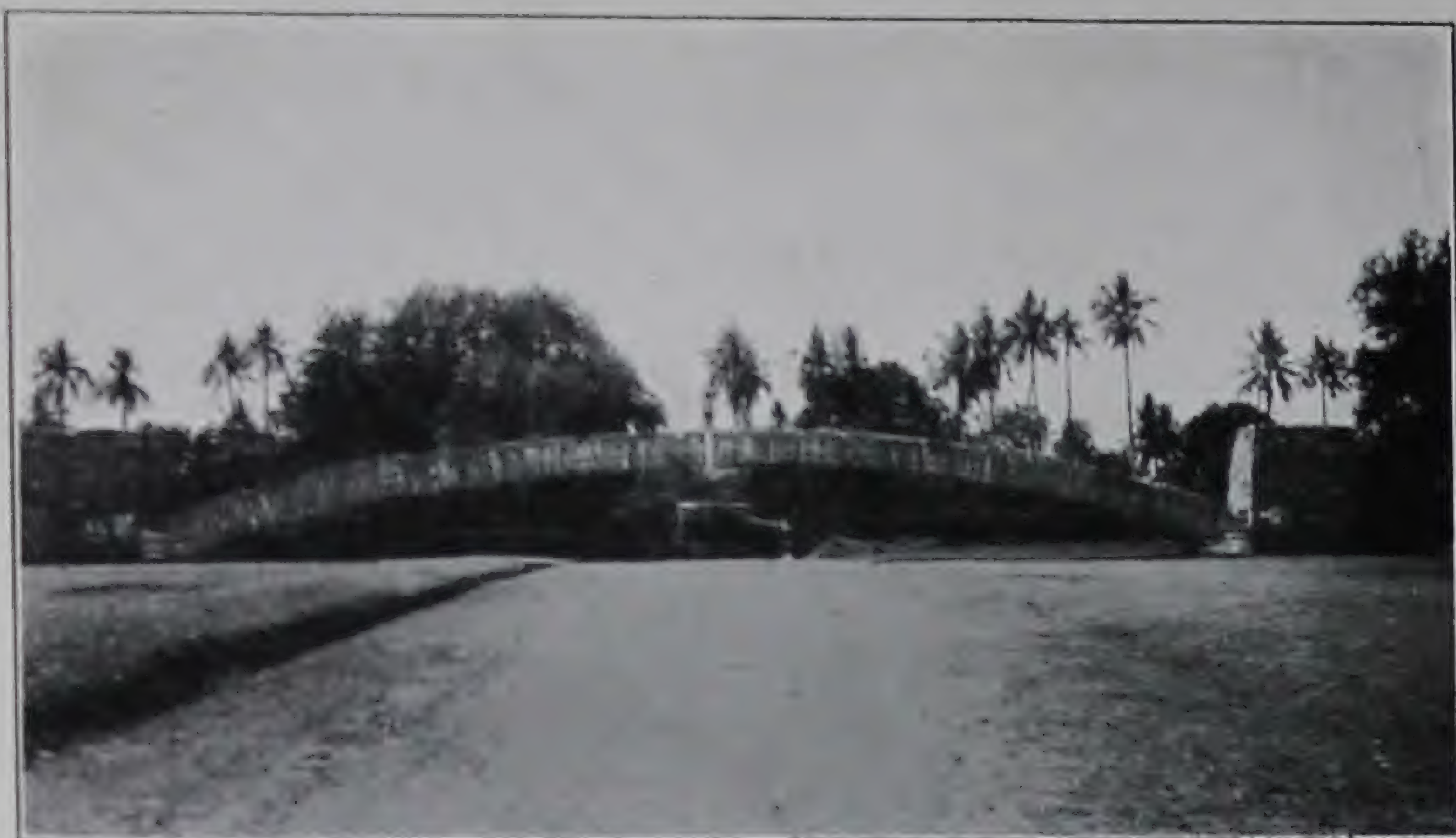
حقیقت بھی یہی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ابھی حال میں اس جگہ گورنمنٹ کی جانب سے یہ لکھکر لگایا گیا ہے کہ ان ڈنجنوں میں انگریزوں کو قید رکھا جاتا تھا۔

فصیل قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں وہ جگہ جس کو شگاف کہا جاتا ہے۔ اب بھی نظر آتی

ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ثنگاف کی اصلیت کہاں تک ہے۔ اس جگہ اب ایک مینار بطور یادگار فتح تعمیر کر دیا گیا ہے۔ جس پر تمام انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ان تمام مقتولین کو اس جگہ دفن کیا گیا ہے۔ جو اب انگریزی سمٹری کہلاتی ہے۔ اس کے بازو ہی اسکاٹ کا باغ ہے۔ جس میں میر معین الدین کی کوٹھی تھی۔ اور اب اس کی قبر ہے اور اس سے شمال میں پورنیا کا باغ ہے۔

ثنگاف پر کھڑے ہو کر اگر جنوب مغرب میں دیکھا جائے تو دریا کے اس پار وہ گنجان باغ ہے۔ جس میں انگریزی فوج چھپی ہوی تھی۔ اس کا نشان قایم رکھنے کے لئے اس جگہ دو توپ الٹی نصب کی گئ ہیں۔

اس باغ کو ثنگاف پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہوئے اگر آپ ۴ رمے ۱۷۹۹ء کے خونین ہنگامہ کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی فوج باغ سے نکلکر اسی جگہ سے چڑھکر قلعہ پر قابض ہوی تھی۔ آپکے بائیں وہ جنوبی فصیل ہے۔ جس پر پورنیا اور میر معین الدین کی غداری کی وجہ سے بالکل مدافعت نہیں ہوئ۔ اور آپکے دائیں جانب جو فصیل ہے وہ شمالی فصیل ہے جہاں دلی دروازہ سے لے کر مشہد سلطانی تک ایک ایک انچ پر شہیدانِ وطن کا خون بیٹھا ہوا ہے۔ فاصلہ اگر دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے۔ اور اس کے ساتھ فصیل کی چوڑائ پر نظر کرتے ہوئے بارہ ہزار مقتولین کی تعداد دیکھی جائے تو کچھ ہلکا سا تصور ہو سکتا ہے کہ اس فصیل پر کس طرح کی قیامت خیز جنگ ہوی ہو گی۔ (انگریزوں نے کل مقتولین جنگ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار بتلائی ہے۔ جس میں ڈیڑھ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے۔) اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا۔ اس قدر مقتولین کی تعداد سے معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری سے فوج



کمانِ لرزاں



دریا دولت باغ

نہتی ہو گئ۔ اور اس کو معلوم ہوا کہ غداری ہوی ہے تو وہ اپنے محبوب سلطان کو بچانے کے لئے بغیر ہتھیار اسی طرح آ کر جنگ میں شریک ہو گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں پانچ گھنٹوں کے اندر اندر اس قدر لوگ مقتول ہوے۔ ورنہ اگر ہتھیار ہوتے تو ممکن تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدلجاتا۔ یا کم از کم انگریزی مقتولین کی تعداد اس قدر کم نہ ہوتی۔

(نوٹ :- شمالی فصیل کی رزمگاہ کو واضح کرنے کیلئے علیحدہ نقشہ دیا گیا ہے۔)

سرنگاپٹم میں اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں۔ البتہ قلعہ اور اس کے اندر ٹوٹے پھوٹے فوجی میگزین اور ہسپتال وغیرہ ہیں۔ اور سری رنگا سوامی کا مندر اور راجہ میسور کا محل ہے اور اسی کے مقابل جنوب میں ایک کمان ہے جو فن تعمیر کا لاثانی نمونہ ہے۔ یہ کمان جب کوئی چڑھکر ہلاتا ہے تو ہلتی ہے۔ قلعہ کے شمال مشرق یعنے دلی دروازے کے عین مقابل دریائے کاویری پر سلطان ایک عالیشان پُل باندھنا چاہتا تھا۔ جس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں مشہور ہے کہ اس پُل کو تعمیر کرنے کیلئے ایک فرنچ انجنیر ڈی ہیولنڈ نامی مقرر کیا گیا تھا۔ مگر سلطنت خداداد کے اچانک خاتمہ کی وجہ پُل کے پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ سلطنت کے خاتمہ کے بعد انجنیر نے اپنا ہنر دکھلانے کیلئے اس کو ۱۸۰۸ء میں بنایا تھا۔

اس کمان کا درمیانی عرض ۱۱۲ قدم ہے۔

(نوٹ :- یہ کمان ۱۹۳۶ء میں منہدم ہو گئی۔ محمود)

قلعہ سے باہر گنجام کے راستہ میں عید گاہ کے قریب ایک مینار ہے جس پر ۱۷۹۲ء کی جنگ کے انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں۔ اس سے اور آگے جانب جنوب لنگڑے غلام علی کا مقبرہ ہے۔ گنجام میں دریائے کاویری کے کنارے ایک کھیت میں ایک شکستہ مقبرہ ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مبلغِ اسلام کا مزار ہے۔ یہ بزرگ شہنشاہ دہلی علاؤالدین کے عہد

نقشۂ جنگ سرنگا پٹم

شمال

دریائے کاویری کی شمالی شاخ

پانی دروازہ

اندرونی فصیل جو منہدم کردی گئی

ڈڈی دروازہ

مشہد سلطانی

شہر کا بڑا دروازہ یہیں تھا۔

سلطانی محل

دلی دروازہ

ریل بنگلور سے

ریل میسور کو

اسٹیشن

زائرین کی سہولت کیلئے موجودہ وقت جو ریلوے لائن ہے دکھلائی گئی ہے۔

جنوبی فصیل

دریائے کاویری کی جنوبی شاخ

باغ

جس میں انگریزی فوج چھپی ہوئی تھی

مسجد اعلیٰ

میر صادق کی مصنوعی قبر

بنگلوری دروازہ

میر صادق کی اصلی قبر

۴ مئی کی دوپہر میں قریباً ایک بجے سلطان کو خبر پہونچی کہ انگریزی فوج شگاف کے راستہ آگئی ہے۔ اس وقت سلطان محل کے قریب باہر کھانا کھا رہا تھا۔ وہ کھانا چھوڑ کر اٹھا۔ اور ڈڈی دروازہ سے باہر نکل کر دلی دروازہ تک پہونچا۔ اس وقت سلطان کے ساتھ اس کا باڈی گارڈ بھی تھا۔ دلی دروازہ تک پہونچکر اس نے انگریزی فوج کی پیش قدمی کو قریباً چار بجے تک روک رکھا۔ لیکن جب انگریزی فوج کا ہجوم بڑھتا ہی گیا۔ اور اندرونی فصیل پر بھی انگریزی فوج قابض ہوکر گولیاں برسانے لگی تو سلطان واپس ہوکر ڈڈی دروازے پر پہونچا۔ مگر میر صادق نے اس کو بند کردیا تھا۔ سلطان یہاں سے اور آگے بڑھا۔ اور اس جگہ پہونچا۔ جہاں شہر کا بڑا دروازہ اندرونی فصیل میں تھا۔ اس جگہ سلطان تینوں طرف سے انگریزی فوج میں محصور ہوگیا۔ یہاں قریباً تین گھنٹے تک سلطان دست بدست جنگ کرتا ہوا مغرب کے وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

قلعہ کی فصیل جو آج بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔ جنگ اسی فصیل پر ہوئی تھی۔

جنوبی فصیل

جنوبی فصیل کی کمان غدار میر معین الدین کے ہاتھ میں تھی۔ اس فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ اس کو پورنیا نے تنخواہ کے بہانے بلا لیا۔ اسکے بعد میر معین الدین نے انگریزی فوج کو چڑھ آنے کے لئے اشارات دئیے۔ انگریزی فوج بغیر کسی قسم کی مدافعت کے اس پوری فصیل پر بنگلوری دروازے تک قابض ہوگئی۔ یہاں سے وہ شہر میں داخل ہوکر اندرونی فصیل پر قابض ہوتے ہوئے سلطان پر جو بڑی فصیل پر تھا گولیاں برسانے لگی۔

سلطان کے باہر نکلتے ہی ڈڈی دروازے کو بند کردیا کہ سلطان واپس نہ آسکے۔ میر صادق قلعہ سے باہر نکل رہا تھا۔ کہ بنگلوری دروازہ پر احمد خاں سپاہی نے اس کو گھوڑے پر سے کھینچ کر قتل کردیا۔ بعد میں اسکی لاش شمالی خندق کے کنارے دفن کردی گئی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ اسی جگہ دفن ہوا جہاں قتل ہوا تھا۔

یں (غالباً ۱۳۱۰ء میں) تبلیغ اسلام کیلئے آئے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ اس زمانہ میں جب اس جگہ ایک مسلمان تک نہیں تھا۔ بلکہ باشندے اسلام کے نام سے تک ناآشنا تھے۔ اور رسل و رسائل اور حمل ونقل کے ذرائع بالکل مفقود تھے۔ اور سفر درحقیقت سقر کا نمونہ تھا۔ سرفروشان اسلام کس عالی حوصلگی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے سختیاں جھیلکر تبلیغ اسلام کے لئے آتے تھے۔

گذشتہ سطور میں جن عمارات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انکے علاوہ سرنگاپٹم میں اور کچھ باقی نہیں ہے۔ شاہی باغات بھی جو اس زمانے میں ہر قسم کے درختوں سے بھرکر ہوئے تھے۔ ان میں بھی کچھ باقی نہیں رہا۔ موجودہ وقت سرنگاپٹم اور گنجام کی آبادی قریباً سات ہزار ہے۔ آہ! یہ ہے وہ سرنگاپٹم جہاں مسلمانوں کی قسمت کا ڈرامہ چالیس سال تک کھیلا گیا۔ جس قدر کامیابیوں کے بعد ناکامیابیاں اور امیدوں کے بعد مایوسیاں اس شہر نے ایک قلیل عرصہ میں دیکھیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔

مشہدِ سلطانی

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مشہد سلطانی کا ٹھیک پتہ بتلانے کیلئے ایک طویل مضمون لکھا گیا تھا۔ اس دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے کہ میسور گورنمنٹ نے اس سال اس جگہ ایک سنگین کتبہ نصب کر دیا ہے۔

(نوٹ:- اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ واٹر گیٹ (پانی کے دروازے) پر جو گمراہ کن انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کو دور کر دیا جائے۔)

یہ کتبہ جس جگہ لگا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں قلعہ کی اندرونی کچی فصیل تھی اور شہر کا اندرونی بڑا دروازہ اسی جگہ تھا۔ سلطان اسی دروازہ میں داخل ہوتا ہوا تین طرف سے محصور ہو کر شہید ہو گیا۔ ۱۸۰۰ء میں کرنل آرتھر ولزلی نے اس کچی فصیل کو ڈھا کر خندق کو بھروا دیا اور اس پر املی کے درخت بوئے گئے۔

واٹر گیٹ پر کتبہ لگانے کی ضرورت ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ مشہدِ سلطانی کو زیارتگاہِ عام بننے سے روکنا چاہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد لوگ یہاں جمع ہو کر ہر روز ماتم کرتے تھے۔ برڈ زاوڈ کلف نے بھی اپنا مرثیہ یہیں بیٹھکر لکھا تھا۔ جب دیکھا گیا کہ اس جگہ کی وقعت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں ہر سال ۲۷ر ذیقعدہ کو لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے تو عوام کی توجہ ہٹانے کیلئے واٹر گیٹ پر کتبہ لگا دیا تھا۔ مولانا ظفر علیخاں نے سچ کہا ہے:-

کہیں سوتے ہیں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے   اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

گنبد اور مسجد کا موجودہ انتظام

سلطانی عظمت وجلال کی شان باقی رکھنے کیلئے مقبرہ کے دروازے پر نوبت ونقارہ ہر روز پنجوقتہ بجتے رہتے ہیں۔ انگریزوں اور ریاست میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نوبت ونقارہ ہمیشہ بجتا رہے۔ گنبد، مسجد اقصیٰ، مسجد اعلےٰ اور قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں ایک ناظم کے ماتحت ایک خاص محکمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناظم صاحب کو چالیس سے پچاس روپیہ تک تنخواہ دی جاتی ہے۔ انکے ماتحت مسجد اعلیٰ اور گنبد میں قریباً ۲۵ آدمی ہیں۔ جن میں دس قرآن خواں ہیں۔ جنہیں ماہانہ دس روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ ہر دن قرآن مجید پڑھکر سلطان شہیدؒ کی روح کو ثواب بخشیں۔ ادنے ملازموں یعنے خدام کو پانچ، چھ اور سات روپیہ ماہانہ تنخواہ دیجاتی ہے۔ داروغہ متولی، پیش امام، منشی اور قاضی وغیرہ پندرہ سے پچیس روپئے تک تنخواہ لیتے ہیں ان تمام ملازموں کو رضا وغیرہ سرکاری قانون کے مطابق دی جاتی ہے۔ اور اخیر عمر میں جب یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے یا کام چھوڑ دیتے ہیں تو انہیں ایک سال کی تنخواہ دی جاتی ہے۔
تاریخ سلطنتِ خداداد کا پہلا ایڈیشن جس وقت شائع ہوا۔ قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں بالکل ویران پڑی تھیں۔ اب انہیں آباد کر دیا گیا ہے۔ اور یہاں ایک آدمی چراغ، پانی اور اذان کیلئے مقرر ہے۔ ابھی حال ہی گنبد، مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ میں میسور گورنمنٹ نے برقی روشنی کا انتظام کیا ہے۔ گنبد میں روشنی مفت مہیا کی جاتی ہے اور مسجد اعلیٰ سے فی یونٹ ایک آنہ لیا جاتا ہے۔ خدام کیلئے ایک خاص سرخ بانات کی وردی مقرر ہے۔ جو خاص خاص

موقعوں پر استعمال ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی والیٔ ملک یا وائسرائے وغیرہ آتے ہیں تو خدام کی جانب سے انہیں دروازے پر باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے۔ اور چتر کے سائے میں انہیں لے آتے ہیں۔ گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے۔ یعنے سلطان ابھی زندہ اور اس کا جاہ و حشم برقرار ہے۔

سلطانی لنگر سلطان شہید کی روح کو ثواب پہونچانے کیلیے سلطان کے نام سے ایک لنگر جاری ہے۔ اس کا خرچ ماہانہ دو سو روپیہ ہے۔ اس لنگر سے نصف مسلمانوں کے اور نصف غیر اقوام کے غریبوں اور بے واؤں کو امداد دی جاتی ہے۔ اس امداد کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین روپیہ، دو روپیہ اور ایک روپیہ۔ اسکے علاوہ روزانہ دس آنے مسافروں یا محتاجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک میں سحری و افطاری پر پانچسو روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔ ربیع الاول میں بارہ دن، ربیع الثانی میں گیارہ دن اور محرم میں گیارہ دن تک خدام و مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اعراس سلطان شہید کا عرس ہر سال ۲۷ ماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے۔ صندل مسجد اعلےٰ سے گنبد کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے جلو کیلیے مہاراجہ صاحب میسور کے محل سے (یعنے پیالس ڈپارٹمنٹ) بارہ سوار اور بارہ پیادہ سپاہی، ایک ہاتھی اور ایک اونٹ مہیا کئے جاتے ہیں۔ بیانڈ کا انتظام بھی رہتا ہے۔ لیکن یہ بیانڈ مقامی طور پر مہیا کر لی جاتی ہے۔ عرس کے دن غریبوں کو صبح میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس عرس پر محکمہ کی جانب سے ایک سو اسّی ۱۸۰ روپیہ کی مقررہ رقم خرچ ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ کلکتہ سے خاندان شہید (Mysore Family) کی جانب سے بھی پانچسو روپیہ عرس کیلیے سالانہ بھیجے جاتے ہیں۔

نواب حیدر علی کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اسکے جلو کیلئے صرف پیادہ سپاہی آتے ہیں، سوار نہیں مہیا کئے جاتے۔ اس عرس پر بھی ایک سو اسی (۱۸۰) روپیہ خرچ کیے جاتے ہیں
بانوے سلطنت بادشاہ بیگم رقیہ بانو کی فاتحہ ماہ جمادی الثانی میں کی جاتی ہیں۔

گنبد اور مسجد اعلیٰ وغیرہ کا کل ماہانہ خرچ نو سو اکتیس روپیہ دس آنے (۹۳۱-۱۰-۰) ہے۔ اس حساب سے گویا ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں اسّی ہزار روپیہ کی رقم اخراجات کیلئے منظور ہوی تھی۔

گنبد، مسجد اعلیٰ اور اقصیٰ وغیرہ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ (مزرعی ڈپارٹمنٹ) کے ماتحت ہیں۔ جس کی جانب سے ڈپٹی کمشنر میسور اور سب ڈویژن افسر نگرانی کرتے ہیں، مشورہ کیلئے مقامی اور میسور کے مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی مقرر ہے۔ ہر سال مسجدوں اور گنبد کے خانقاہوں پر سفیدی چڑھائی جاتی ہے۔ ببری رنگ اور شیر کی دھاریاں صرف گنبد کے اندر باقی رہگئی ہیں۔ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ کے اندر بھی ببری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور اب بھی سفیدی کے اندر سے یہ رنگ اور شیر کی دھاریاں کہیں کہیں صاف نظر آتی ہیں۔ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی۔ کہ ان مسجدوں کو ان کے اصلی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ اس لئے کہ تحفظ آثار قدیمہ سے صحیح مراد یہی ہوتی ہے کہ ان آثار کو انکی اگلی شان و شوکت پر قایم رکھا جائے۔

نقشہ سلطنت خداداد

شمال

دریائے گوداوری

شمالی سرکار

مرہٹی سلطنت

بمبئی

پونا

بیجاپور

حیدرآباد

مملکت نظام

دریائے کرشنا

دھارواڑ

کرنول

چتلدرگ

سرا

دیون ہلی

کولار

بنگلور

مدراس

ویلور

ارکاٹ

خلیج بنگالہ

پانڈیچری

بحیرۂ عرب

ترچناپلی

تنجاور

ڈنڈیگل

مدورا

رامیسورم

سیلون

بحر ہند

قدیم ریاست میسور

سلطنت خداداد

موجودہ ریاست میسور

مزارِ سلطان شہیدؒ

پر

عقیدت کے چند پھول

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

برڈزاوڈکلف کا نوحۂ غم

(سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد جب امریکن مورخ برڈزاوڈکلف سرنگاپٹم آیا ہوا تھا تو اس نے اس جگہ جہاں سلطان نے شہادت پائی تھی. بیٹھکر انگریزی زبان میں یہ نوحہ لکھا. اس کا منثور ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے)

"۱ - خون کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن! تیرا شعلہ بجھا دیا گیا. اور اقتدار شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا. تیری مسند جلال کے گرد بے شمار سچے اور جگر دار غازیوں کا جھرمٹ تھا. آج جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں اس پار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے جھانکنے لگیں تو ان غازیوں میں سے صرف وہی رہ گئے جو آج تیرا ماتم کر رہے ہیں!

اللہ اللہ اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں. موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو.

۲ - اے آسمان جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گیا، لیکن ان ذلیل انسانوں کیطرح نہیں. جنہیں ناموری نے طوفان پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں میں غرق فراموشی کر دیا اور مغرور و سربلند. دشمنوں کے سامنے معافی اور جاں بخشی کیلئے خاک مذلت پر سر بسجود ہو گئے.

۳ - نہیں! تو خاک و خون کے بستر پر اس سوزاں فروزاں آفتاب کی طرح سو گیا. جس کی تیز ترین، خیرہ کن، غضبناک شعاعیں اس وقت نمودار ہوں جب

اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر سطوت کے جاں سوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلواروں کے زہرہ گداز جھنکارے فضا میں لبریز ہو رہے تھے۔ اور مرنے والے جلد جلد آخری دم توڑ رہے تھے۔ تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا۔ اور سپاہی کی طرح مر گیا۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۴۔ تیرا بہادر اور قوی باپ جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ تجھ میں اسی کی روح جہاد تڑپ رہی ہے۔ یہ دیکھکر اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس نے دیکھا کہ تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے، اور تیری خونریز تلوار دشمن کے لہو سے سرخرو ہو رہی ہے۔

اور اس نے دیکھا کہ تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے اور تیرے گلرنگ زخم سب کے سب تیرے سینے پر ہیں۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۵ - اہل جنت نے نخل طوبیٰ کے نیچے اپنی زمردیں خلوتوں میں شہید کیلئے سدا بہار پھولوں کا ایک شاندار ہار گوندھا۔ اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے گوہریں رومال ہلا ہلا کر آسمان خلد بریں کی شفاف فضاؤں میں مجاہدین کے سلطان اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ اللہ! شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاودانی مسرت ہو۔ اس رسواکن زندگی سے ہزار درجے بہتر ہے۔ جس میں فاتح دشمن کا جھنڈا سر پر لہرا رہا ہو۔"

(ب)

(یہ مرثیہ کنڑی زبان میں لکھا گیا تھا)

"ا - آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہو گئی!

آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر، دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی۔ اس کے ظفرمند جھنڈے کیونکر اوج آسمان سے ٹکراتے تھے۔ اس کے قاہر لشکر کس قدر زور اور سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔

آہ! مالک کائنات نے تبسم کریمانہ کی نظریں انکی طرف سے ہٹالیں۔ اور وہ سب گذر گئے۔

۲ - ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور و افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے۔ اسکی فوجیں بے شمار تھیں۔

اسکے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کے لئے بے قرار تھے۔ سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹتا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں وہ سب گذر گئے۔

۳۔ ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوئے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔

انہیں قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے اور اژدر دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے۔

انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلندی پر چمکتے نظر آتے تھے اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہوا میں لہراتے تھے۔ آہ! ایک چشم زدن میں وہ سب گذر گئے۔" (از تاریخ جیمس مل)

سلطان شہیدؒ

آتشے در دل دگر بر کردہ ام | داستانے از دکن آوردہ ام
در کنارم خنجرِ آئینہ فام | می کشم او را بہ تیغ اندر نیام
نکتۂ گویم ز سلطانِ شہیدؒ | زانکہ ترسم تلخ گردد روزِ عید
پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او | تا شنیدم از مزارِ پاکِ او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است (علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبالؒ اپنی تصنیف "جاوید نامہ" میں پیغام سلطان شہیدؒ برود کاویری کے تحت میں "حقیقت حیات و مرگ و شہادت" میں لکھتے ہیں :۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است | موت نیرنج و طلسم و سیمیا ست!
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ | یک مقام از صد مقامِ اوست مرگ!

می فتد بر مرگ آں مردِ تمام
مثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ
زندگی او را حرام از بیم مرگ

بندۂ آزاد را شانے دِگر
مرگ او را می دہد جانے دگر

او خود اندیش است مرگ اندیش نیست
مرگ آزاداں ز آنے بیش نیست

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد
زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دد

مردِ مومن خواہد از یزدان پاک
آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک!

آں دگر مرگ! انتہائے راہ شوق
آخریں تکبیر در جنگاہ شوق!

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر!
مرگِ پورِ مرتضیٰ رضؓ چیزے دگر!

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است
جنگِ مومن سنتِ پیغمبریؐ است!

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست!

آنکہ حرفِ[ف] شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت!

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

(نوٹ:۔ ف ۔ آنکہ حرفِ شوق الخ یعنے حضور سرور کائنات۔ در مصرعہ ثانی اشارہ ایست بحدیث الجہاد رہبانیۃ الاسلام (از جاوید نامہ)

سلطان ٹیپو کی وصیّت

(سلطان ٹیپو کی وصیت کے عنوان سے علامہ اقبالؒ نے "ضرب کلیم" میں لکھا ہے:۔)

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلےٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز! ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں! محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

شیرِ ہندوستان ٹیپو سلطان رح

عجائباتِ زمانہ کے اے تماشائی رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنّائی
محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی قطب سے کی ہے قطب تک کی دشت پیمائی

نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کے دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب

افق میں جبکہ عناصر میں ہو صف آرائی جہاز لائے تباہی میں فوج دریائی
فضا میں جبکہ چلی ہو سموم صحرائی غبار دشت سے آنکھوں میں تیرگی چھائی

ہر ایک حال میں چلنے سے کام ہے تجھ کو
نہ لطفِ صبح نہ کچھ خوف شام ہے تجھ کو

دیارِ ہند میں جب سیر کیلئے آنا تو اپنے پہلو میں تو اک دل حزیں لانا
عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا دکن میں جا کے سرنگا پٹم چلے جانا

کہ جس کی خاک میں سوتا ہے شیر ہندوستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احساں

ادب ہے شرط تجھے اس مقام عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر
فلک سے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر
ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر

کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگان فرنگ
جھکا ہے سامنے جس کے بہت نشانِ فرنگ

زمینِ ہند سے اٹھا نہ کوئی فرزانہ
رہا یہ ملک ہمیشہ مطیع بیگانہ
بہ قدر ظرف جو ملتا کسی کو پیمانہ
دکھاتا کرکے وہ کچھ ہائے ہوئے مستانہ

جہاں نے ختم کیئے دورہائے سال دراز
ہوا نہ پیدا ٹیپو کا کوئی ہم آواز

وہ بادہ جس سے کہ سلطان تو دی تھا سرور
وہ آگ جس سے مرا جلکے شیر شاہ سُور
وہ نوش جس سے کہ مدہوش ہو گیا تھا پور
اسی شراب نے ٹیپو کو بھی کیا مخمور

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے
کریگا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے

سپہر ہند کا وہ اک چمکتا اختر تھا
دکن کی خاک کا اک آبدار گوہر تھا،
نصیبہ ہند تھا اقبال تھا مقدر تھا
نہ ہو کیوں ایسا کہ آخر تو ابن حیدر تھا

خیال کچھ نہ کیا اُس نے اپنی زحمت کا
قدم قدم پہ رکھا دھیان اس وصیت کا

فلک بکام تو باشد کہ اہتمام کند
سپہر بادۂ عیش ترا بجام کند
زمانہ خنجر کیں تو در نیام کند
اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

تراکہ زور ببازوئے تیغ زن باقی است

بگیر تیغ کہ آن حسرت کہن باقی ست

نہ ڈھونڈو لطف سحرگاہِ شام ماتم میں — کبھی نہ دیکھو گے ذی الحجہ تم محرم میں
دکھائے خاک بہار اپنی باغِ عالم میں — وہ پھول جو کہ کھلا ہو خزاں کے موسم میں

کئے خدا نے مقرر ہر ایک کام کے وقت
سحر کا کام ملا اس کو ہائے شام کے وقت

دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر — ادھر وہ یکہ و تنہا خدائی ساری اُدھر
وہ کیا کرے کہ نہو جس کا آسماں یاور — شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر

نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا
مقابلہ تو مرے پہلوان نے خوب کیا

نظام دیکھ کے انداز جنگ سے مسرور — پھرا ہے پیشوا لیکر غنیمت موفور
نہ کھینچیں کس لئے انگریز اپنے آپ کو دور — کہ جس سے رکھتے تھے دلمیں وہ سینکڑوں ناسور

پڑا ہے خاک پہ اس ناتواں کا لاشہ ہلئے
فلک یہ تو نے دکھایا ہے کیا تماشہ ہائے

وہ بادہ جس کا کہ خاں شہید تھا شیدا — وہ نوش جس کو کہ تغلق نے تھا پسند کیا
وہ زہر جسکا کہ ہیموں نے پی لیا پیالہ — ازل کے دن سے وہ حصہ نصیب ٹیپو تھا

مرا وہ موت جسے کہئے عاشقانہ موت
سپاہی کہتے ہیں اس کو سپاہیانہ موت

بجا ہے اسکو جو بیداد گر کہیں انگریز — روا ہے اس کو اگر بے خبر کہیں انگریز
درست ہے جو اسے بے ہنر کہیں انگریز — رقیب کو ستم آرا اگر کہیں انگریز

کہ اسکے آگے چھلکتا رہا ایاغ فرنگ
جلا نہ سامنے اسکے کبھی چراغ فرنگ

ہزاروں اٹھ گئے دنیا سے بے پھلے پھولے
وہ ہونہار جو دنیا میں آئے اور نہ رہے
وہ تازہ غنچے جو مرجھا گئے بغیر کھلے
اسی طرح سے گیا ٹیپو وقت سے پہلے

کہ اس کو موت ہی آئی شباب سے پہلے
پلایا زہر ہی اس کو شراب سے پہلے

رہا زمانہ میں کچھ روز میہماں کی طرح
بہار اس کو جو آئی بھی تو خزاں کیطرح
چھپا نگاہوں سے وہ گنجِ شائگاں کی طرح
دلوں سے محو ہوا یادِ رفتگاں کی طرح

کسی بشر نے نہ کی اس پہ اشک افشانی
فرشتے گور پہ کرتے ہیں فاتحہ خوانی

بہار گائینگی جب بلبلیں گلستاں میں
خزاں کا دور ہو جب موسمِ زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب ایک میداں میں
اڑائیں ساغرِ مے جبکہ بزمِ یاراں میں

جہاں میں رسم ہے جبتک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئیگا اسکے لئے سرنگاپٹم

پروفیسر محمود شیرانی

سرنگاپٹم

اے سرِ یرنگاپٹم! اے گنجِ شہیدانِ کرام
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود
تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود
کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دھلی
تیرے ذرّوں نے بچھادی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج ‏— مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود
سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر ‏— مایۂ ناز تھا ملّت کے لئے جس کا وجود
قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت ‏— اس کی دولت کے دعاگو میں شامل تھے ہنود
کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے ‏— اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اسکے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا ‏— تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا ‏— جس سے قایم ہوئیں آئینِ حمیّت کی حدود
شیر اچھا ہے جسے مہلت یکروزہ ملی ‏— یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود
دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج ‏— اسکی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود
پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر ‏— ظلِّ ممدود میں تھا جلوۂ سدرِ مخضود
اس کی دہلیز سے لپٹی ہوی تھی رحمتِ حق ‏— چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملایک کے جنود
آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی ‏— راتدن درگہِ دادار پہ ہے وقفِ سجود
بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ ‏— کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود
میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح ‏— توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ نوکفِ پائے بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مولانا ظفر علیخان ایڈیٹر زمیندار

سلطان شہیدؒ

پوچھ اے میسور اپنے ماضیٔ ضوناک سے ‏— "برہنہ شمشیر" اک چمکی تھی تیری خاک سے
جس کی تابش نے بھری محفل کو خیرہ کردیا ‏— ظلم سے چمکا ہوا ماحول تیرہ کردیا

پرورش محلوں میں پائی تھی نہیب جنگ نے | یا اماں پھولوں میں لی تھی حریت کے رنگ نے

اے سرنگاپٹم! اے مہدِ کمالِ حیدری! | ہے امانت تجھ میں تصویرِ جلالِ حیدری
وہ شہیدِ ذوقِ آزادی، وہ غازی، وہ جواں، | جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں
جس کی نظروں میں وطن کا حال واستقبال تھا | جو دکن کی گود میں اک آتش سیال تھا
ہند میں جو چاہتا تھا، ہندیوں کی برتری | خود شناسی اور خودداری تھی جسکی خودسری
آہ! خود اسکے وطن نے اس سے کیں غداریاں | یاد ہیں وہ ذہن قومیت کی سازش کاریاں
ڈیڑھ سو سال اسکی رحلت پر ابھی گذرے نہیں | دردِ کہنہ سے وطن کی وسعتیں پھر چیخ اٹھیں
ہے یہ اس سلطان آزادی سے کاوش کا مآل | جور واستبداد سے ہندوستاں ہے پائمال
یہ مصیبت اس ستم غداری کی ذمہ دار ہے | یہ غلامی روحِ آزادی کی اک پھنکار ہے
ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن | ڈوب جا آفت کے طوفانوں میں، بے غیرت وطن

اے شہید! اے مردِ میدانِ وفا تجھ پر سلام | تجھ پہ لاکھوں رحمتیں، لاانتہا تجھ پر سلام
ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا ساماں تھا | ورنہ تو ہی عہدِ آزادی کا اک عنواں تھا
مصر سے تا روم پہونچی تیری آوازِ بلند، | گونج اس کی آج بھی باقی ہے باندازِ چند
اڑ رہے ہیں آج جو ماحول میں سیلاب کے | یہ بھی کچھ ذرّے ہیں تیری خاکِ آتش تاب کے
اپنے ہاتھوں خود تجھے اہلِ وطن نے کھو دیا | آہ کیسا باغباں شامِ چمن نے کھو دیا

آہنی پیکر ترا اب ہاتھ آسکتا نہیں
لیکے مشعل بھی کوئی ڈھونڈے تو پاسکتا نہیں

تھا مقدر تیری فطرت میں شہادت کا شرف
کر دیا منصب نے تیرے ناگہاں خنجر بکف

بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تونے جنگ میں
مسلمِ ہندی قیامت ہے حجازی رنگ میں

اسکی فطرت جب مچلتی ہے تو پھر رکتی نہیں
تیغ کا جھکنا تو مشکل ہے نظر جھکتی نہیں

تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجابِ گور میں
جذب ہو کر رہ گیا ہے ہستیٔ پرشور میں

عین بیداری ہے یہ خوابِ گراں تیرے لئے
ہے شہادت اک حیاتِ جاوداں تیرے لئے

بے نیازی اپنے اہلِ ملک کی کر دے معاف
خوابگاہِ پاک سے اک دن الٹ بھی دے غلاف

آ۔ پھر اربابِ وطن کی مشکلیں آسان کر
پھر شریکِ جنگِ آزادی ہو سینہ تان کر

قصرالادب آگرہ — حضرت سیماب اکبرآبادی

سلطان ٹیپو نوراللہ مرقدہٗ

زمانے کی ستم رانی سے جب آرام پاتا ہوں
وطن کی سطوتِ رفتہ کے غم میں ڈوب جاتا ہوں

مجھے میسور کا خونیں تماشہ یاد آتا ہے
سراپا زندگی تھا جو وہ لاشہ یاد آتا ہے

چمکتی تیغ پر گرد و غبارِ جنگ کا دامن
کہ ہے شمعِ اجل فانوسِ خون و خاک کا دامن

وہ صہبائے شہادت کے نشے میں جھومنے والے
وہ خنجر کو عروس نو سمجھ کر چومنے والے

اکھڑتی سانس سے کہتی ہیں نعشیں اے جوانمردو
لہو سے اپنی تاریخِ عمل کو سرخرو کر دو

وہ لالہ رنگ تلواروں پہ آزادی کی تنویریں
وہ خون و خاک سے مستقبل ملت کی تعمیریں

اسی مقتل سے استقلال کے چشمے ابلتے ہیں
اسی مٹی کے سانچے میں تبانِ قوم ڈھلتے ہیں

زبانِ حال سے کہتی ہیں یہ خوں آلود شمشیریں
ادھر آؤ دکھائیں خوابِ آزادی کی تعبیریں

وہ ٹیپو! وہ مجاہد! وہ علمبردار آزادی
ترو تازہ ہے جسکے خون سے گلزار آزادی

چمکتی ہے لہو میں اسطرح دھار اسکے خنجر کی
شفق میں جیسے ہوتی ہے کرن صبح منور کی

رخ روشن پہ خوں کے مضطرب قطرے درخشاں ہیں
کہ تاریخ جوانمردی کے اوراق پریشاں ہیں

ٹھکانا کیا ہو اسکی ہمتِ عالی کی رفعت کا
سمجھتا ہو جو تلواروں کو زینہ قصرِ ملت کا

شہید قوم اے شمع شجاعت خانۂ ملت
ترے ہی نام سے روشن ہوا افسانۂ ملت

تری موج نفس تھی وہ شعاع ماہِ آزادی
نظر آتی ہے جسکی روشنی میں راہِ آزادی

ترا حسنِ عمل آئینۂ انوارِ انسانی
ترا جوشِ شہادت جلوۂ حسنِ مسلمانی

جگا دیگا وطن والوں کو جو خواب ہلاکت سے
وہ شورِ زندگی اک دن اٹھیگا تیری تربت سے

مولانا ظفر امرتسری

ٹیپو شہیدؒ

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبرؔ کی صدا
نزع کے لمحات میں بھی تونے کی باطل سے جنگ

تونے کی تجدید پیمانِ شہیدِ کربلاؓ
تونے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی
موت تھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد
تیرے گوش و قلب تھے نا آشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ

مولانا ماہر القادری

اقتباس از نظم مجاہدین اسلام - مطبوعہ اخبار مدینہ بجنور - مورخہ ۹ ستمبر ۳۷ء

سلطان شہید حضرت ٹیپو رح کے

مزارِ پُر انوار پر

نگاہوں کیلئے ہے یہ جگہ عبرت فروش اب تک
چلا آتا ہے یہ مظلوم مرقد سرخ پوش اب تک

شکوہِ کیقبادی سطوتِ جم دفن ہے اسمیں
دکن کی خاک کا فرزندِ اعظم دفن ہے اسمیں

غلافِ قبر میں اسلام کی شمشیر پنہاں ہے
شہادت کی مجسم خوں چکاں تصویر پنہاں ہے

کیا ہے غسلِ خوں سورج نے جوئے شام میں گویا
مجاہد ہے غزا کے روز سے آرام میں گویا

یہ روضہ مقبروں میں امتیازی شان رکھتا ہے
ہماری عبرتوں کے واسطے سامان رکھتا ہے

نظر کے سامنے آئینۂ تقدیر ہے گویا
سپاہی کے سنہری خواب کی تعبیر ہے گویا

یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزینوں سے
ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے دفینوں سے

کہاں ہیں مرگ آزادی کے دیوانے یہاں آئیں
چراغِ کشتۂ ملت کے پروانے یہاں آئیں

کہ ہوتی ہے یہاں کی خاک سے دل کی غذا حاصل
فنا کے منظرِ خاموش سے درسِ بقا حاصل

غمِ ملت درخشاں ہے مسلمانوں کی آہوں میں
اتر کر آسماں سے نور آتا ہے نگاہوں میں

جھلکتی ہے مئے توحید دل کے آبگینوں میں
مچلتے ہیں نمائش کیلئے سجدے جبینوں میں

خدا کی شان یہ بھی غیب سے سامان ہونا تھا
دکن کے شیر کو اس خاک کا مہمان ہونا تھا

مجاہد کو خدا کی راہ میں قربان ہونا تھا
سرِ بزنگاپٹم کو منبعِ عرفان ہونا تھا

اسے ایمان والوں کی زیارتگاہ بننا تھا
یہاں کے ذرّے ذرّے کو دلِ آگاہ دینا تھا

ابھی تک آرہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے
اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

شناور ڈوب کر دنیا میں آخر پار جاتے ہیں
وہ بازی جیت لیتے ہیں جو بازی ہار جاتے ہیں

حضرت فاخر ہریانوی

سلطانِ شہیدؒ

(مجاہد وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں)

اے شجاعِ ازل! اے ہند کے فرزند جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل
نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل

رزم آرا علمِ جیشِ صداقت تجھ سے
زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

لے گئی عرشِ وفا پر تجھے تقدیر تری
گو نجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری
عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

لبِ اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے
سوزِ آزادیٔ مشرق ترا پروانہ ہے

ہائے وہ منزلِ الفت سے گذرنا تیرا
حجلہ آرائے شہادت! وہ سنورنا تیرا
غیرتِ عشق کے آغوش میں مرنا تیرا

بزمِ امکاں پہ گراں جب تری تنہائی ہوئی
موت آئی ترے آغوش میں شرمائی ہوئی

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا

وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا
عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تونے　　جاوداں ہستیٔ فانی کو بنایا تونے

تری جرأت تھی غم سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد
باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزاد ابھی　　ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجاد ابھی

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تونے کیا!
حق وفاداریٔ مشرق کا ادا تونے کیا!
پرچم افشاں علمِ دینِ خدا تونے کیا!
حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تونے　　ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تونے

حریت، سرخیٔ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
انقلابات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر
پھر ہے بیدار جلال و حشمِ آزادی　　وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علمِ آزادی

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر، جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے
سرِ تکمیل ترا جذبِ تمام آپہنچا　　صبح آزادیٔ مشرق کا پیام آپہنچا

مولانا [illegible] مدنی

ٹیپو سلطان سے ہندوستان کا خطاب

اے پیکر آزادی اے روحِ شجاعت آ
اے قلبِ محبت آ، اے جانِ محبت آ،
ایثار و صداقت پر کی جان فدا تو نے
دکھلا دے اسیروں کو اجڑی ہوئی شوکت آ

قایم تھا ترے دم سے انداز جہانبانی
باقی تھی ترے بل پر حریتِ انسانی

آ دیکھ، تری کھیتی برباد ہوئی کیونکر
اس باغ پہ گلچیں کی بیداد ہوئی کیونکر
تھے دل کے جو ہنگامے وہ گل کیطرح چپ ہیں
بے سو تری بلبل نعرہ یاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی
اور گل کے تبسم میں وہ آن نہیں باقی

ہم دوست عدو کے ہیں اور دوست کے دشمن ہیں
غیروں کے تو رہبر ہیں اپنوں ہی کے رہزن ہیں
منجدھار میں آفت کے ہیں اہلِ وطن سارے
ہے غم کی گھٹا سر پر برباد نشیمن ہیں

اُو روحِ عملِ ٹیپوؒ آ، ہم کو سہارا دے
آفت کے اٹھانے کا ہر قلب کو یارا دے

آ، اور ہر اک گل میں بو ہو کے سما جا تو
غنچوں کو کھلا جا تو سوتوں کو جگا جا تو
پروانہ بنا جا تو اس دیس کی الفت کا
اس بزم کی الفت میں اک شمع جلا جا تو

حیدرؒ کے پسر آ جا اور خون بہا کر جا
او شیرِ نیستانی باطل کو مٹا کر جا

ٹیپوؒ تری ہستی پر نازاں ہے وطن ابتک
اور تیری شہادت پر نالاں ہے وطن ابتک

محفل تری سونی ہے اور جان عمل گم ہے   اک روح نہ ہو جیسے بے جان ہے وطن ابتک
آنکھوں میں چمک جا تو آنسو سے ٹپک جا تو
الفت کی انی بنکر ہر دل میں کھٹک جا تو

وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہجاتا   کیا شیخ کا تقویٰ تھا جو حور پہ رہجاتا
ٹیپو کا دل مسلم کونین کا حامی تھا   کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہجاتا
دنیا بھی ملی اسکو عقبیٰ کی حکومت بھی
اک وار میں حاصل کی شہرت بھی شہادت بھی

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد   اکبر وفا قانی بی اے

سرنگاپٹم

اے ہند کے سوادِ جنوبی کے رہ نورد   میسور کا فسانہ خونیں نہ ہم سے پوچھ
گر پوچھنا ہی ہے تجھے دل سوز ماجرا   ویلور کے کھنڈر کی نواہائے غم سے پوچھ
کیا شے ہے جو ادھر تجھے لائی کشاں کشاں   زائر یہ اپنے مرحلہ پیما قدم سے پوچھ
کس کی جدائی میں ہے ابھی تک وہ اشکبار   کاویریٔ رواں کی حزیں زیر و بم سے پوچھ
غدار کس طرف تھا لٹیرے تھے کس کے ساتھ   یہ دلڑلی کے تجربۂ کیف و کم سے پوچھ
اتنی مصیبتیں پڑیں کیوں ایک جان پر   یہ چرخ فتنہ زا کی نگاہِ کرم سے پوچھ
ہے یاد اس کی کس قدر اندوہ در کنار   انداز بے نیازیٔ اہل حرم سے پوچھ
کس طرح کانپتے تھے لرزتے تھے مرہٹے   یہ شیر دل شہید کی تیغ دودم سے پوچھ
گر اسکی شانِ اوج کا جبریلؑ سے سوال   اس کا بلند مرتبہ لوح و قلم سے پوچھ
ثابت قدم رہا جو مخالف ہوائیں بھی   پامردیٔ مقاومت اسکے علم سے پوچھ

خود بن گیا کمان کا جو آخری خدنگ
عزم ستیز و معرکہ اس کی قسم سے پوچھ

برق ان میں بے قرار ہے کس التہاب کی
یہ ذرہ ہائے خاکِ سرنگاپٹم سے پوچھ

(لدھیانہ) (تکلیفی)

سلطان ٹیپو کی تیغ زنی اور شہادت

تلوار میں جوہر تھے قیامت کے بلا تھی
اغیار کی جس صف میں یہ چمکی وہ صفا تھی

وہ برق تھی یا برق کے ہنسنے کی ادا تھی
آسیب کا سایہ تھی، چھلاوہ تھی، قضا تھی

راکب کے وہ دو کر کے ٹھہرتی نہ تھی زیں پر
مرکب کی کمر کاٹ کے جاتی تھی زمیں پر

بچکر نہ گیا سامنے جو بدگہر آیا
سر جس کا اٹھا خاک پہ غلطاں نظر آیا

کشتہ ہوا جو سر سے کفن باندھکر آیا
کھلنا تھا زباں کا کہ لہو منہ میں بھر آیا

تلوار تھی اعدا کا لہو چاٹ کے مدہوش
ہر سمت تھا ہنگامۂ تفریق سر و دوش

ہلچل پڑی اعدا میں جو وہ صف شکن آیا
جاں نذر کریں اسکے سوا کچھ نہ بن آیا

اک شور اٹھا ان میں کہ وہ تیغ زن آیا
وہ وقت کہ ہوتے ہیں جدا جان و تن آیا

ہر بار اجل تیغ سے کہتی تھی ٹھہر جا
مسدود ہے اس بھیڑ میں رستہ ہی عدم کا

تھی شمع جو سلطانؒ کے اقبال کی روشن
اس نام کی ہیبت سے لرز اٹھتے تھے دشمن

فتنہ کو زمیں پر کہیں ملتا نہ تھا مسکن
ہوتی تھی جدا دوش سے اکڑی ہوئی گردن

ناموس وطن شمع تو پروانہ تھا ٹیپوؒ
غیرت کی صدف میں دُرِ یکدانہ تھا ٹیپوؒ

یہ حکم دیا فوج کو سر جائے تو جائے
سایہ بھی مگر غیر کا قلعہ میں نہ آئے
سر اسکا نہ ہو۔ آگے جو پاؤں اٹھائے
اس خط سے خبردار کوئی بڑھنے نہ پائے

پروا نہیں ہر گام پہ بارانِ بلا ہو
جاں ملک کی عزت کے تحفظ پہ فدا ہو

مقتول ہوے جنگ میں مردانِ دلاور
باقی نہ رہے لشکرِ اسلام میں افسر
سچ ہے کہ قضا سے نہیں جیتا کوئی لڑکر
سلطانؒ نے بھی نزع میں آب دمِ خنجر

طالع کی خرابی ہو کہ تدبیر کی خامی
اس ملک کی تقدیر میں لکھی تھی غلامی

مولانا انعام اللہ خاں ناصر ایڈیٹر احسان لاہور

سرنگاپٹم

اے سرینگاپٹم اے شہر سلطانِ شہیدؒ
سطوتِ فاروقؓ پردے میں ترے مسطور ہے
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے گنبدِ اعلیٰ ترا
اسکا ہر ذرہ مری آنکھوں میں کوہِ طور ہے

سرنگوں جس وقت دنیا میں ہوا تیرا علَم
پارہ پارہ ہو گئی بس رفعتِ میسور بھی
محوِ خوابِ استراحت ہے یہاں شیرِ دکن
ساتھ اسکے سو رہی ہے عظمتِ میسور بھی
چشمِ زائر ڈھونڈھتی ہے کس مجاہد کو یہاں
کونسا گنجِ گرامی ان بیابانوں میں ہے
نعرۂ اللہ اکبرؔ کی صدائے بازگشت
گونجتی پھرتی ابھی تک تیرے ویرانوں میں ہے

کس کے غم میں رودِ کاویری ہے یوں سینہ فگار
بال ہیں بکھرے ہوئے ماتم میں کوئی حور ہے
کیوں فضا میں ہے غضب کی خاموشی چھائی ہوئی
حسرتوں سے یہ ظفر آباد کیوں معمور ہے

تیرے ہر ذرہ میں ہے خونِ شہیداں کی جھلک
آبروئے امت مرحوم کا حامل ہے تو
شانِ خالدؓ، شوکتِ حیدرؓ کا مظہر تجھ میں ہے
عظمتِ اسلامیانِ ہند کا حاصل ہے تو

تیرے کھنڈروں پر برستا تھا کبھی جاہ و جلال
جلوہ گر تھی تیرے ویرانوں میں شانِ حیدری
یہاں یہی ایوان تھا ایوانِ دربارِ شہیدؒ
ہاں اسی ایواں پہ اڑتا تھا نشانِ حیدری

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہیدؒ
قطرۂ خونِ شہیداں میں ہے جانِ زندگی
"گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی" (محمود مصنفِ کتاب)

یادِ ظفر آباد (سرنگاپٹم)

اس ظفر آباد میں محمود جب آتا ہوں میں
اک نئے عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں
آہ دلی! داغ تھا اس کیلئے ماتم کناں
میری قسمت میں ظفر آباد تھا شاید نہاں
حسرتوں کی اک نئی دنیا یہاں آباد ہے
مسلم ہندی کا یہ اک خانۂ برباد ہے
کارواں جاتا رہا پر کارواں کا نقش ہے
ذرہ ذرہ پر حیاتِ کامراں کا نقش ہے
آہ جو ٹوٹے ہوئے باقی در و دیوار ہیں،
سطوتِ شاہانِ ماضی کے علمبردار ہیں
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا حیدری جاہ و جلال؟
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا ہند کا علم و کمال؟
طائرِ بامِ حرم کا آشیانہ تھا یہاں
یعنے تہذیبِ حجازی کا خزانہ تھا یہاں
ہاں! یہیں لوٹی گئی ہیں ہند کی آزادیاں
ہاں یہی وہ شہر ہے جسمیں ہوئیں غداریاں

آہ۔ اس سنسان ویرانے میں آبادی سے دُور
قبر میں آرام فرما ہے وہ سلطانِ غیور

نوبتِ سلطان ابھی باقی ہے با صد کرّ و فر
کج کلاہوں کے اسی دربار میں جھکتے ہیں سر

بجھ چکی تھی شمعِ عالمگیر ہندوستان میں
چھا چکی تھی تیرگی اسلام کے ایوان میں

پھر کیا قدرت نے پیدا وہ شہ عالی صفات
ہند میں جس نے دیا مسلم کو پیغام حیات

وہ مجاہد، مردِ غازی جس کا ٹیپو نام تھا
جس کی ہیبت سے زمانہ لرزہ براندام تھا

اس کا وہ شوقِ شہادت۔ اس کا وہ ذوقِ جہادُ
کربلا کے معرکہ کی جس نے تازہ کی ہے یادُ

یک بیک گلشن میں پھر چلنے لگی بادِ خزاں
گردشِ ایّام نے لوٹا ہمارا کارواں

حاملانِ عرش بھی چلّا اٹھے یہ کیا ہوا
خونِ مسلم آب کا ویری ہے بھی ارزاں ہوا

حاملِ قرآں ہوئے توحید سے جب بے نیاز
شورِ ناقوسِ کلیسا میں چھپی بانگِ حجاز

گو بظاہر سو رہا ہے وہ شہِ عالی مقام
مسلمِ ہندی کو اب بھی دے رہا ہے یہ پیام

اٹھ کہ عالم میں نیا ہنگامہ اک پیدا تو کر
آبروئے شیوۂ اہلِ وفا پیدا تو کر!

اٹھ کہ آزادی ہمیشہ شیوۂ اسلام ہے
یعنی جو آزاد ہیں انکا ہی بس اسلام ہے

گونج اٹھّیں! وادیاں پھر نعرۂ تکبیر سے
عقدۂ مشکل کو حل کرنا خنِ تدبیر سے
(محمود مصنف کتاب)

مزارِ صادق

یہ زمین قبرِ صادق کس قدر ہے سوزناک
شعلۂ آتش سے بڑھکر گرم تر ہے اسکی خاک

مجھ کو حیرت تھی کہ اس پر اس قدر کیوں ہے عتاب
روحِ صادق سے ملا محمود یہ مجھ کو جواب ؎

اس کا اندیشہ ہی کیا گر قبر ہے آتش فشاں — مجھ کو غداری نے بخشی ہے حیات جاوداں

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں — جس نے دی تعلیم غداری وہ پیغمبر ہوں میں

نور کی دنیا میں آخر نار بھی تو چاہیئے — جس جگہ گل ہوں وہیں کچھ خار بھی تو چاہیئے

میر[1] قمر الدیں، معین الدین یا لنگڑا[1] غلام — میرے ہی اجزائے ترکیبی کے ہیں یہ چند نام

(میر غلام علی)

کابلی[2] مُلّا رہے یا ہو وہ مکہ کا شریف[3] — کب ہے میدان سیاست میں کوئی میرا حریف

مجھ کو قسمت نے دیا اس سلطنت پر اقتدار — جس پہ تھا اسلامیانِ ہند کا دار و مدار

میں نے اس سلطانِ آزادی سے غداری جو کی — ہل گئی بنیاد اس سے ملتِ اسلام کی

ناز تھا اسلامیوں کو جس پہ وہ جوہر گیا — سرزمینِ ہند سے آئینِ پیغمبر گیا

میرے قبضہ میں سیاست کی ہے تیغ بے نیام — مجھ کو لینا ہے ابھی اسلامیوں سے انتقام

جس کو کہتے ہیں قیامت! آنے والی تو نہیں — اس سے بڑھکر اور آفت! آنے والی تو نہیں

بھائی سے بھائی مسلمانوں میں بے گانہ ہوا — ناز ہے ان کو کہ یہ اک کار مردانہ ہوا

مال و دولت پر ہے منعم کو بہت فخر و غرور — اور فقیروں کو نہیں کچھ بھی فقیری کا شعور

بھائی کی بھائی ترقی دیکھ سکتا ہے کہاں — اس قدر رشک و حسد ہے الحفیظ والاماں!

گو بہ ظاہر کر رہے ہیں مجھ سے نفرت خاص و عام — ہیں مگر باطن میں وہ میرے ہی آئیں کے غلام

ہاں! یہی اک خوف ہے میں ہوں اسی سے ناامید — پھر کہیں بیدار ہو جائے نہ سلطان شہیدؒ

کارگاہ دہر میں بگڑیگا میرا سب نظام — زادۂ توحید کا پھر سخت ہوگا انتقام

شعلۂ نارِ جہنم سے کہاں ڈرتا ہوں میں

پھر نہ ہو بیدار وہ اس خوف سے مرتا ہوں میں

(سلطان شہیدؒ)

(محمود مصنف کتاب)

---

[1] سلطنت خداداد کے غدار امرا۔ [2] مُلّائے شور بازار جس نے امیر امان اللہ خاں امیر کابل سے غداری کی تھی۔ [3] شریف حسین جس نے ترکوں سے غداری کی تھی

خاتمۃ الکتاب

اس خدائے جل جلالہ وعم نوالہ کا ہزار ہزار شکر کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی۔

جو کچھ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ بھی ہوگا تیرے کرم سے ہوگا (حالیؔ)

میں ان تمام بزرگوں اور احباب کا شکر گذار ہوں۔ جنھوں نے اس تاریخ کے مرتب کرنے میں مجھے تصاویر۔ حوالجات کے انگریزی اور اردو مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور نظموں سے امداد فرمائی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن دیکھکر بعض احباب نے مصنف سے شکایت کی تھی کہ لڑائیوں کا حال تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے۔ میں نے عمداً اس سے احتراز کیا تھا۔ اور اس ایڈیشن میں بھی میں نے اختصار ہی سے کام لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تفصیل سے کوئی ذہنی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔ جو واقعات ہمارے موجودہ حالات سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ وہی زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے بجائے جنگوں کی تفصیل لکھنے کے اس زمانہ کی سیاسی پالیسی سے بہت زیادہ بحث کی ہے۔ اس زمانے میں جو پالیسی کارفرما تھی۔ آج بھی ہندوستان کے اندر اور باہر وہی پالیسی کام کر رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میر صادق و پورنیا کی روحیں ابھی تک اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے سے پہلے میں نے متعدد بار اس اجڑے عروس البلاد (سرنگاپٹم) کی چپہ چپہ زمین کو جا کر دیکھا۔ اور مختلف اصحاب و بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کیا۔ قلمی دستاویزیں

پیدا کیں۔ فرامین دیکھے۔ حوالجات کے کتب فراہم کئے۔ میں نے اپنی دانست میں سمجھا تھا کہ مجھے مزید محنت کرنی نہ پڑیگی۔ لیکن پہلا ایڈیشن شائع ہونیکے بعد جہاں کتاب سے حد درجہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ وہاں مجھے توجہ بھی دلائی گئی کہ سلطان کی شخصیت اور زوال سلطنتِ خداداد کے اسباب کی اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے از سر نو اس پر توجہ کی۔ یہ شاید میری خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے کے بعد میں نے "تاریخ جنوبی ہند کیلئے کتابیں فراہم کرنا شروع کیا۔ ان کتابوں میں بھی مجھے بہت سا مواد مل گیا۔ جو تاریخ سلطنت خداداد سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خدائے حیّ و قیوم کے ہاتھ میں ہے کہ میری سعی کو مشکور فرمائے یہ اسی کی نوازش تھی کہ مجھ جیسے ہیچمداں ذرۂ ناچیز کو اس کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس کو مقبول بنائے۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں کوئی قادر الکلام ادیب ہوں۔ ممکن ہے کہ ادبی حیثیت سے کتاب میں بہت سی غلطیاں ہوں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اسلئے کہ اردو کے مرکزوں سے اسقدر دُور رہکر جہاں کی روزمرہ بول چال بالکل مختلف ہے۔ میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ احسان ہوگا کہ اگر احباب بجائے نکتہ چینی کے اصلاح پر توجہ فرمائیں۔

مذکورۂ بالا سطور لکھے جا رہے تھے کہ مصنف کے آگے سلطان شہیدؒ کے متعلق ایک اور نظریہ پیش ہوا ہے اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ اس نظریہ کے پیش کرنیوالے مسلمان ہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی، افلاس اور تنگدستی کو دیکھکر یہ نظریہ پیش کیا گیا ہو۔ بہرطور وہ نظریہ یہ ہے :۔

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت قبول کر لیتا تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست

تو باقی رہتی۔ اور مسلمانوں کی حالت اسدرجہ خراب نہ ہوتی۔ جیسی آج ہے"۔

یہ نظریہ قوموں کی زندگی کیلئے ایک پیام مرگ ہے۔ تاریخ بزدلوں سے نہیں بلکہ جوانمردوں سے بنتی ہے۔ تاریخ وہی جوانمرد بناتے ہیں جو کارزار حیات میں سردھڑ کی بازی لگاتے ہیں اور انہیں کے کارناموں سے قومیں زندگی حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان کی غلامی، افلاس اور زبوں حالی کا راز سلطان کی شہادت میں نہیں بلکہ پورنیا اور میر صادق کی غداری میں مضمر ہے۔ ہندوستان میں ابھی انکی روحیں کارفرما ہیں اور جبتک یہ زندہ رہینگی۔ ہندوستان اسفل وتعبد کی زندگی ہی بسر کرتا رہیگا۔

دنیا اگر اسی نظریہ کی حامل ہوتی تو آج مذہب کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ حق وصداقت کا پرستار کوئی نظر نہ آتا۔ غلامی اور آزادی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور وہ احساس کہ ہم غلامی سے نجات حاصل کریں کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ تاریخیں لکھی نہیں جاسکتی تھیں۔

اندلس میں ابوعبداللہ نے ایزا بیلا اور فرڈی ننڈ کی اطاعت قبول کرلی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ ایک بے غیرت قوم ہے۔ جو اسپین کی سرزمین میں رہنے کے لائق نہیں۔ آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد جس بیدردی سے انہیں جلاوطن کیا گیا۔ شاید ہی اس سے بڑھکر عبرت انگیز منظر اور کوئی ہو۔ کیا ابوعبداللہ کی زندگی سے کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا ابوعبداللہ کے حالات خون میں وہی گرمی پیدا کرتے ہیں جو طارقؒ کے صرف نام سے ہی پیدا ہوتی ہے؟

آج دنیا مصطفٰے کمال کے نام پر سر کیوں جھکاتی ہے؟ آج کیوں مسلمانوں کو اطاعت گذار خلیفۂ ترکی عبدالوحید کے نام سے گھن آتی ہے؟ فرانس اگر زندہ ہے تو جون آف آرک کی روح اس میں کام کررہی ہے۔ فرانس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جون اسکی مخالف تھی۔ اگر وہ اطاعت کرلیتی تو شاید اسکی تن پروری کیلئے کچھ مل جاتا۔ لیکن جون کا مقصد زندگی کچھ اور تھا۔ اور فرانس کی زندگی اسی کی رہین منت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ فرانس کا بچہ بچہ اسکی پرستش کررہا ہے۔

سلطان آزادی کا دلدادہ تھا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ طاغوتی طاقتوں کے آگے سر جھکا دے۔ اسلام نے الجہاد بہ رہبانیۃ الاسلام کی تعلیم دی ہے۔ اور وہ اس تعلیم پر عمل پیرا ہوا۔ یہ سلطان کی غیرت، حمیت اور شہادت کا جذبہ ہی ہے۔ جو آج ہندوستان کو آزادی کی جدوجہد کیلئے آمادہ کر رہا ہے۔ دنیا میں وہی قوم سر بلند ہو سکتی ہے جو آزادی کی نعمت کو جانتی ہے۔ ورنہ وہ قوم جو غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں گرفتار رہتی ہے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش ایڈیٹر شہباز لاہور لکھتے ہیں:-

"ہے آبرو کا پاس تو ہرگز نہ کر قبول — بن کر شغال تجھ کو جو عمرِ خضر ملے
جانِ عزیز دیجئے بھی کر اس کی آرزو — شیری کا ایک لمحۂ شاداں اگر ملے

علتِ زوال

وہ قوم بن کے رہتی ہے اغیار کی غلام — کرتی نہیں جو اپنے شرف کی مدافعت
مسلم دیارِ ہند میں اس دن سے ہے ذلیل — جس دن سے اس سے چھن گئی تابِ مقاومت
ایسا گرا کہ گر کے پھر اٹھنا ہوا محال — گردوں نے اسکے منہ پہ لگائی ہے وہ چپت
ہے یہ زوالِ عزم کہ مقصودِ زندگی — پہلے تو سروری تھا اور اب ہے ملازمت
حقداریٔ وراثتِ آبا کی شرط ہے — اولاد میں ہو شوکتِ اجداد کی صفت

ٹیپو سے غازیوں کی نہ کی جس نے پیروی
اس قوم بدخصال کی بنتی یہی ہے گت"

مورخہ ۷ر جولائی سنہ ۱۹۳۹ء

محمود